سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

تألیف

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اِس کتاب میں علامہ سید سلیمان ندوی کا مُحققانہ رسالہ
"حضرت عائشہ رض کی عمر پر تحقیق" بھی شامل کردیا گیا ہے

مکتبہ مدنیہ

۱۷- اردو بازار ○ لاہور

فون ۶۲۵۲۰
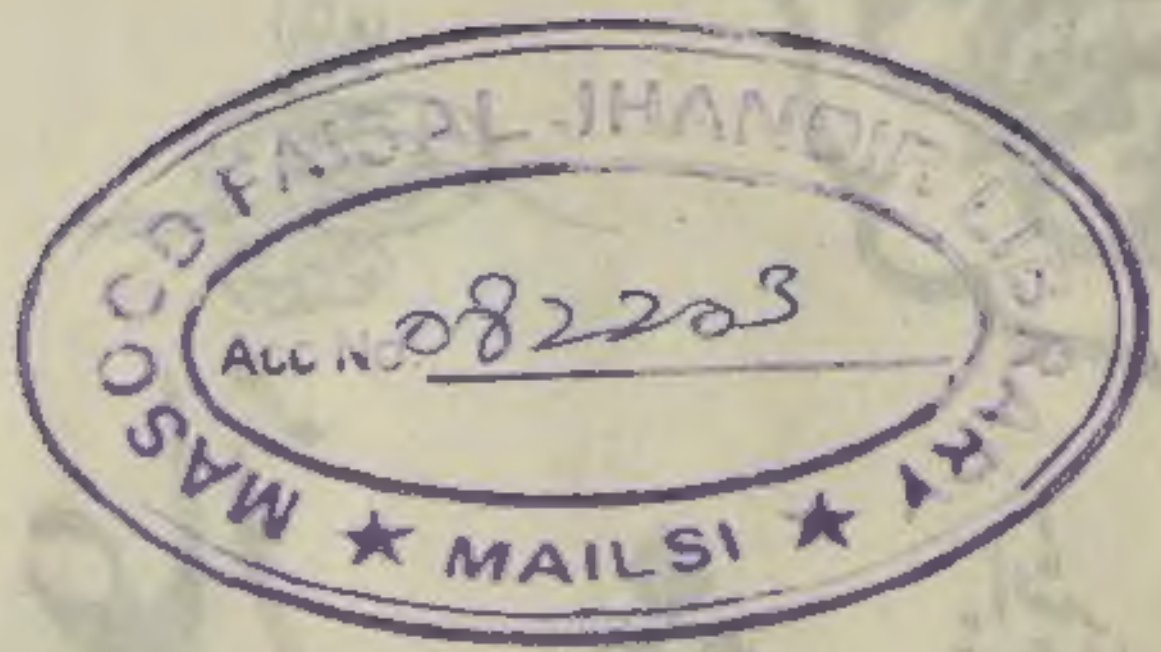
مطبع

افضل شریف پرنٹرز

احاطہ شاہدریاں، اردو بازار

لاہور

فہرست مضامین

سیرت عائشہؓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع سوم

سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میری ابتدائی تصنیف ہے۔ جس کا آغاز طالب العلمی ہی میں کیا گیا تھا، مگر اس کی تکمیل استاد مرحوم کی وفات کے بعد ہوئی اور اشاعت ۱۹۲۰ء میں اس وقت ہوئی جب خاکسار وفد خلافت کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھا اس کے بعد دوسری دفعہ بھی چھپی مگر نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی، مدت سے خیال تھا کہ بعض فقہی مسائل کے متعلق میری تحقیق کا جو نقطۂ نظر بدلا ہے اس کی اصلاح اس میں کر دی جاتے۔ بحمد اللہ کہ اب اس کا موقع ہاتھ آیا، حوالوں کی دیکھ بھال، عبارت کی درستگی اور بعض نکات کے بڑھانے کی توفیق بھی ملی، آخر کتاب میں علامہ سیوطی کا رسالہ عین الاصابہ فی استدراک عائشہؓ کو بھی بطور ضمیمہ شامل کرنا مناسب معلوم ہوا تاکہ یہ نایاب رسالہ منظر عام پر آجائے اور خاکسار کو حدیث شریف کی ایک ادنیٰ خدمت کا شرف حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے ایک ہیچمدان و ہیچمیرز کو یہ سعادت بخشی کہ کاشانۂ نبوت کے اس نور باطن کو اس کے ہاتھوں عالم آشکارا فرمایا جس سے مسلمان بی بیوں کو اپنی

ایک ہم جنس کی شکل میں تعلیم نبوی کی مکمل تعلیم کا آئینہ نظر آتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت چاہے مؤلف کی غرض طالب علمانہ ہو اور اس کی تکمیل کے وقت ایک رئیسہ وقت کی فرمائش کا خیال ہو، لیکن اب بحمد اللہ اس نظر ثانی میں حق اور ذاتِ حق کے سوا کچھ مطلوب نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اوراق سے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان بی بیوں کو خصوصاً اہل بیت نبویؐ کی محبت اور عمل توفیق اور خاکسار مؤلف کو حسنِ خاتمہ اور مغفرت کا انعام ملے۔

ہیچمدان سلیمان
۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نو برس گزر گئے، جب مجھے سیرتِ عائشہؓ کا اوّل اوّل خیال آیا، اس وقت میں الندوہ کا سب ایڈیٹر تھا، اور یہ میرے تعلیمی زمانہ کا آخری سال تھا۔ اپریل ۱۹۰۶ء میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے اپنے خیالات اُستاد مرحوم کی خدمت میں عرض کئے، انھوں نے ہمت بندھائی اور کتابوں کے نام بتائے، چنانچہ دو برس کے بعد ایک ٹکڑا ربیع الاول ۱۳۲۶ھ مطابق اپریل ۱۹۰۸ء کے الندوہ میں شائع بھی کیا گیا، پھر سوء اتفاق سے یہ خیال کچھ سرد سا پڑ گیا، لیکن احباب کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔

مولوی عزیز مرزا مرحوم سے جب ملاقات ہوتی، سیرت عائشہؓ کا تقاضا کرتے، اور میں مسکرا کر خاموش ہو رہتا۔ حضرت الاستاذ بھی بار بار اس کی تکمیل کی ہدایت فرماتے رہے[1]، میرے احباب میں سید عبد الحکیم صاحب ایک بزرگ ہیں، ان کا کوئی خط[2] سیرت عائشہؓ کے تقاضے سے خالی نہیں آیا۔ آخر میں نے اپنے سکوت سے ان کو خاموش کر دیا، لیکن میرے دوستوں میں ایک صاحب نہایت مستقل مزاج اور صابر نکلے، منشی محمد امین صاحب مہتمم صیغہ تاریخ بھوپال، پورے آٹھ مہینے تک میرے انکار و تعلل سے بھی مایوس نہ ہوئے، آخر ۲۷ رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آیا۔

چونکہ اس کام کی تکمیل میں ایک زمانہ صرف ہوا اور تکمیل کے بعد بھی سامان طبع کی گرانی کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور مختلف تقریب سے اس کا ذکر قلم سے نکل چکا تھا،

---

[1] تاریخ آغاز تصنیف یعنی ۱۹۱۴ء تک، ورنہ اختتام تصنیف یعنی ۱۹۱۶ء تک ۱۲ سال گذرے[2] مکاتیب شبلی جلد دوم مکتوب ۱۴ [3] مکاتیب شبلی جلد ۲ مکتوب ۵۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳۔

اس لئے بہت جلد اس کا نام زبانوں پر آگیا، یہ دیکھ کر بعض مستعجل اصحاب قلم نے اس نام سے کئی کتابیں شائع کیں لیکن مجھے اس کا غم نہیں ہوا، اور اُمید ہے کہ میری طرح ناظرین کو بھی غم نہ ہوگا کہ یہ مُصنّف الفاروق کی سنت ہے جو بہر حال مُصنّفِ سیرت عائشہؓ کو پیش آئی تھی۔ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ۔

سیرت عائشہ کی اہمیت اردو کی نشاۃ جدیدہ نے ہماری زبان میں جن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا ہے، اُن سے رجالِ اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آگئے ہیں، لیکن مخدرات اسلام کے کارہائے نمایاں اب تک پردہ خفا میں ہیں، سیرت عائشہؓ پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ سے اس صنف کے کارناموں کو بے نقاب کیا گیا ہے، اس کے بعد حالات نے اجازت دی تو نساء الاسلام مرتب ہوگی۔

آج مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط میں ان کے انحطاط کا بحصۂ رسدی آدھا سبب "عورت" ہے، وہم پرستی، قبر پرستی، جاہلانہ مراسم، غم و شادی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان بی بیوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردہ ہوگئی ہے، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے "مسلمان عورت" کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ نہیں، آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو نبوتِ عظمیٰ کی ۹ سالہ مشارکت زندگی کی بناء پر خواتین خیر القرون کے حرم میں کم و بیش ۴۸ برس تک شمع ہدایت رہی۔

ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت عائشہؓ میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات، اور مصائب، شادی، رخصتی، سسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں، پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے پاک زندگی مالامال ہے۔ اس لئے سیرت عائشہؓ اس کے لئے ایک آئینہ ہے جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی

تصویر کیا ہے؛

ایک خاص نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لئے قابلِ احترام ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے، کہ یہ دُنیا کے بزرگ ترین انسانؐ کی زندگی کا وہ نصف حصّہ ہے جو مرآۃ کاملہ (کامل عورت) کا بہترین مُرقّع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

ماخذ | سوانح عمریوں کے لئے عموماً تاریخ کی کتابیں کارآمد ہوتی ہیں، لیکن اس وقت جس زمانہ کے واقعات لکھنا ہیں اس کی تاریخ صرف حدیث کی کتابیں ہیں، یہ تمام ذخیرہ درحقیقت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المومنینؓ اور اصحاب کبارؓ کی مقدس زندگیوں کی عملی تاریخ ہے، اس بناء پر میری معلومات کا ماخذ صرف احادیث کی کتابیں ہیں۔ جوامع، مسانید اور سنن سے عموماً اور کہیں کہیں اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، تہذیب ابن حجر وغیرہ اور فتح الباری، قسطلانی، نووی وغیرہ۔ شروح احادیث سے بھی مدد لی گئی ہے۔ عام تاریخ کی کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا ہے۔ جنگ جمل کے متعلق بے شبہ مجبوری تھی کہ اس کا مفصل تذکرہ احادیث میں نہیں، اس لئے اس باب میں زیادہ تر طبری پر اعتماد کیا گیا ہے۔

حدیث کی زیادہ تر کتابوں میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور مسند امام احمد بن حنبل میرے پیش نظر رہی ہیں، ان کتابوں کا ایک ایک حرف میں نے پڑھا، مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہؓ کے مرویات میں ان کے حالات کثرت سے ملے، اس کتاب کے ماخذوں میں سب سے نادر کتاب حاکم کی مستدرکؒ اور سیوطی کی عین الاصابہ فی استدراک عائشہؓ علی الصحابہ ہے عین الاصابہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ

ؒ اس کتاب کی تصنیف کے وقت یہ کتاب قلمی تھی چھپی نہ تھی لیکن اب دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اس کو شائع کر دیا ہے۔ "س"

نے اپنے معاصرین کی غلطیاں یا غلط فہمیاں ظاہر کی ہیں۔

ارباب نظر جانتے ہیں کہ کتبِ احادیث خصوصاً بخاری میں حالات اس قدر متفرق اور منتشر ہیں کہ ان کو ڈھونڈ کر یکجا کرنا چیونٹیوں کے مُنہ سے شکر کے دانے چننا ہے تاہم مسلسل مُطالعہ نے جو سرمایہ فراہم کر دیا ہے وہ پیش نظر ہے۔ اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ایک ہی واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں میں یا ایک ہی کتاب کے مختلف ابواب میں مذکور ہوتا ہے، میں نے جہاں کہیں کسی کتاب یا کتاب کے باب کا حوالہ دیا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ واقعہ حدیث کی دوسری کتابوں یا دوسرے ابواب میں نہیں ہے بلکہ جہاں جو حوالہ مناسب سمجھا گیا دے دیا گیا اس لئے آپ کہیں کہیں ایک ہی واقعہ کے مختلف حوالے پائیں گے۔

انتساب | سیرت عائشہؓ کا آغاز گو مصنّف نے اپنے شوق سے کیا تھا، لیکن الحمد للہ کہ اس کا انجام اس کے آغاز سے بہتر ہوا۔ ان اوراق میں جس مخدومۂ جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات لکھے گئے ہیں، اس کے مقدس شریکِ زندگی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارک، تاجِ ہند ہز ہائینس والیۂ عالیہ بھوپال کی اعانت سے ہماری زبان میں تصنیف ہو رہی ہے، ایسی حالت میں ضرور تھا کہ حرم نبوت کی سیرتِ پاک کی تصنیف کا ایما بھی ادھر ہی سے ہوتا۔

اس تصنیف کی تکمیل کا باعث درحقیقت حضور ممدوحہ ہی کا ارشاد ہے، پہلے مولانائے مرحوم کے ذریعہ[1] سے اور ان کی وفات کے چند روز بعد ۲۹ نومبر ۱۴ء کو جب مجھے باریابی کا شرف حاصل ہوا تو مشافہۃً سرکارِ عالیہ نے اس کی تکمیل کا حوصلہ دلایا۔ برسوں کی محنت اور زحمت کشی کے بعد بحمد اللہ کہ ایک علمی خدمت کے انجام کے ساتھ تعمیلِ ارشاد کی مسرت بھی حاصل کر رہا ہوں

سید سلیمان

۱۹۲۰ء

---

[1] مکاتیب شبلی جلد ۲ ص ۱۲۸ و ۱۲۹۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰلِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۔

نام، نسب، خاندان

عائشہؓ نام، صدیقہ لقب، اُم المومنین خطاب، اُم عبداللہ کنیت اور حمیرا لقب[1] ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق سے خطاب فرمایا ہے[2]۔

عبداللہ، حضرت عائشہؓ کے بھانجے یعنی آپ کی بہن حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے تھے، جو زیادہ تر اپنے باپ کی نسبت سے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام سے مشہور ہیں، عرب میں کنیت شرافت کا نشان ہے، چونکہ حضرت عائشہؓ کے اولاد نہ تھی اس لئے کوئی کنیت بھی نہ تھی، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسرت کے ساتھ عرض پرواز ہوئیں کہ اور بی بیوں نے تو اپنی سابق اولادوں کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے، میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں فرمایا اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر[3]، چنانچہ اسی دن سے اُم عبداللہ حضرت عائشہؓ کی

---

[1] جن روایتوں میں حضرت عائشہؓ کا لقب حمیرا مذکور ہے محدثین کے نزدیک وہ سنداً ثابت نہیں ہیں جیسا کہ کتب موضوعات میں زیر حدیث خذوا شطر دینکم من الحمیراء مذکور ہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ نسائی کی ایک روایت میں بسند صحیح یہ لقب مذکور ہے، لیکن مجھ کو تلاش پر بھی یہ روایت نہیں ملی، بلکہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے (کشف الخفاء مزیل الالتباس عما اشتہر علی السنۃ الناس احمد عطار حلبی جلد ا صفحہ ۲۰۲) بہر حال مصنفین کتب رجال نے حمیرا آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ حمراء اس کی تصریح ملتی ہے واللہ اعلم۔

[2] ترمذی تفسیر سورۂ مومنین [3] ابوداؤد کتاب الادب و مسند ابن حنبل مسند عائشہؓ جلد ۶ صفحہ ۹۳ و ص ۱۰۷۔

کنیت قرار پائی۔

حضرت عائشہؓ کے والد کا نام عبداللہ، ابوبکرؓ کنیت اور صدیقؓ لقب تھا، ماں کا نام اُم رومان تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد ابن تیم، بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک، اور ماں کی طرف سے عائشہؓ بنت اُم رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ، بن سبیع، بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ باپ کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے اور ماں کی جانب سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جا کر ملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے والد حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں وفات پائی، ان کی ماں اُم رومان کی نسبت اکثر مورخوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے ۴ھ یا ۵ھ میں انتقال کیا۔[1] لیکن یہ صحیح نہیں، معتبر حدیثوں سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک زندہ رہیں، ۶ھ کے "واقعہ افک" کے سلسلہ میں تمام حدیثوں میں ان کا نام آیا ہے۔ ۹ھ کے "واقعہ تخییر" کے وقت بھی وہ زندہ تھیں،[2] صحیح بخاری میں مسروق تابعی کی روایت ان سے متصلاً مروی ہے،[3] امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ان کا نام ان لوگوں میں لکھا ہے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں انتقال کیا اور پہلی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اس پر محققانہ نقد لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام بخاری کا بیان بالکل صحیح ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵۸۳ مطبوعہ مصر۔

[2] طبقات النساء ابن سعد صفحہ ۲۷۶ طبع یورپ و صحیح بخاری و مسلم واقعہ تخییر و مسند ابن حنبل جلد ۶،

[3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور ۔ تاریخ صغیر امام بخاری صفحہ ۲۱ طبع الٰہ آباد۔

ولادت

حضرت اُم رومانؓ کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا، عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے عقد میں آئیں، ان سے حضرت ابوبکرؓ کی دو اولادیں ہوئیں، عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ، حضرت عائشہؓ کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ وسیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔

مورخ ابن سعدؔ نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اسی کی تقلید کی ہے کہ حضرت عائشہ نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں اُن کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال ان کی عمر ۶ سال کی نہیں بلکہ سات سال کی ہوگی، اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق چند باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں۔ ہجرت سے تین برس پہلے ۶ برس کی عمر میں بیاہی گئیں، شوال ۱ھ میں ۹ برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی، ۱۸ سال کی عمر میں یعنی ربیع الاول ۱۱ھ میں بیوہ ہوئیں، اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا، یعنی شوال ۹ھ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء۔

آئندہ کے تاریخی واقعات کے سمجھنے کے لئے یہ جان لینا چاہیئے کہ نبوت کے ۲۳ سال میں سے تقریباً ۱۲ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں گزرے ہیں، حضرت عائشہؓ جب پیدا ہوئی تھیں تو نبوت کے چار سال گزر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برجِ سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو افگن ہوئیں، اس بناء پر حضرت عائشہؓ اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، ان کو مسلمان پایا۔[1]

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۵۵۲ مصحح مولانا احمد علیؒ۔

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا، وائل کی کنیت ابو القعیس تھی، وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی اُن سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں اور ان کے رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی اُن سے ملنے آیا کرتے تھے[1]۔

بچپن

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنے حرکات و سکنات اور نشو ونما میں ممتاز ہوتے ہیں، ان کے ایک ایک خط و خال میں کشش ہوتی ہے۔ ان کے ناصیۂ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے، حضرت عائشہؓ بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے تاہم بچہ بچہ ہے وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضا ہے، حضرت عائشہؓ بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں، لیکن اس لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کھیلتی ہوتیں، اردگرد سہیلیوں کا ہجوم ہوتا، اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے، وہ جلدی سے گڑیوں کو چھپا لیتیں، سہیلیاں آپ کو دیکھ کر چھپ جاتیں، لیکن چونکہ آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے تھے اور ان کے کھیل کود کو بُرا نہیں سمجھتے تھے، اس لئے لڑکیوں کو پھر بُلا بُلا کر حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے[2]۔ تمام کھیلوں میں ان کو دو کھیل سب سے زیادہ مرغوب تھے۔ گڑیاں کھیلنا اور جھولا جھولنا[3]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ ص ۳۶۰ [2] صحیح بخاری جلد ص ۱ ۳۶ [3] ابن ماجہ باب مدارۃ النساء صحیح مسلم فضائل عائشہؓ [4] ابو داؤد کتاب الادب۔

گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے، آپ نے استفسار فرمایا، عائشہ! یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ "گھوڑا ہے"۔ آپ نے فرمایا "گھوڑوں کے پر تو نہیں ہوتے" انھوں نے برجستہ کہا کیوں؟ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تو تھے"۔ آپ اس بے ساختہ پن کے جواب پر مسکرا دیئے[1]۔ اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کی فطری حاضر جوابی، مذہبی واقفیت، ذکاوتِ ذہن اور سرعتِ فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انھیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں، ان کی روایت کرتی تھیں، ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں، لڑکپن کے جزئی جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں۔ لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں کہ مکہ میں یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی[2]۔ ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ برس کا تھا، لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں، ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے[3]۔

شادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ہیں، آپ کا سن شریف اس وقت پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں، اس کے

[1] مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء ابو داؤد کتاب الادب میں ہے کہ غزوۂ خیبر یا غزوہ تبوک کے زمانہ کا واقعہ ہے غزوۂ خیبر ۷ھ میں اور تبوک ۹ھ میں ہوا۔ اس لحاظ سے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۳ یا ۱۵ برس کی ہوگی [2] بخاری تفسیر سورۂ قمر [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

بعد وہ پچیس برس تک شرفِ صحبت سے ممتاز رہیں، رمضان ؁۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انھوں نے وفات پائی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس برس کی تھی اور حضرت خدیجہؓ ۶۵ برس کی تھیں۔

اسلام میں بیوی کا جو درجہ ہونا چاہیئے وہ اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں اپنے عزیز شوہر کے بعد حضرت خدیجہؓ دوسری مسلمان تھیں، تنہائی کے اضطراب میں، مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستم گاریوں کے تلاطم میں ہر جگہ وہ اپنے مقدس شوہر کے ساتھ تھیں، وہ ہر ایسے موقع پر آپ کو تسکین دیتی تھیں، آپ کے ساتھ ہمدردی کرتی تھیں اور آپ کی مصیبتوں میں آپ کا ہاتھ بٹاتی تھیں، اب ایسی رفیق و غمگسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ملول رہا کرتے تھے، بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہو گئی تھی[1]۔ جاں نثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی، حضرت عثمانؓ بن مظعون المتوفی ؁۲ھ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کی بیوی خولہؓ بنتِ حکیم آپ کے پاس آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کرلیں؛ آپ نے فرمایا، کس سے؟ خولہؓ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے، فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہؓ نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں، اور کنواری ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ، ارشاد ہوا بہتر ہے تم

---

[1] ابن سعد جلد ۸ ص ۳۶ طبع لیڈن ؎ یورپ کے مستشرقوں اور عیسائی محققوں کی شرمناک جہالتوں کا ایک نمونہ یہ ہے کہ چونکہ بکر عربی میں کنوارے کو کہتے ہیں اور عائشہؓ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تنہا کنواری بیوی تھیں، اس شرف و امتیاز کی بنا پر ان کے باپ کا خطاب اسلام میں ابوبکر قرار پایا" اگر بیگانوں کو اصل واقعہ کی خبر نہ ہو تو محل افسوس نہیں، افسوس تو یہ ہے کہ اپنوں کو بھی گھر کی اطلاع نہیں، مسٹر امیر علی جو ہماری جدید تعلیم کے بہترین پیداوار ہیں، لائف آف محمد باب ۱۲ میں اس غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں، عرب میں کنیت، عزت کا نشان سمجھا جاتا تھا، کنیت سے خطاب کرنا عربوں میں انتہائی تعظیم تھی، جو لوگ انتہائی معزز ہوتے تھے کنیت کے آگے ان کے اصلی نام گم ہو جاتے تھے، ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب، ابوذر کو سب جانتے ہیں لیکن، ان کے نام کون جانتا ہے، ابوبکر کا بھی یہی حال ہے، یہ کنیت نہ صرف حضرت عائشہؓ کی پیدائش بلکہ خود اسلام کی پیدائش سے بھی پہلے رکھی جا چکی تھی، پھر اُن کو کون بتائے کہ عربی میں کنوارے کو بکر نہیں کہتے، وہ لفظ بالکسر بِکر ہے، بکر، زید، عمر وغیرہ کی طرح عرب کا ایک مشہور علم ہے، بنو بکر بن وائل مشہور قبیلہ تھا، اس کا بِکر کے لفظ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

ان کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں، اور اُن سے تذکرہ کیا، جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا، خولہ! عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے، حضرت خولہؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، آپ نے فرمایا ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں، اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے[۱]۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہؓ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں، اس لئے ان سے بھی پوچھنا ضرور تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جبیر سے جاکر پوچھا کہ تم نے عائشہؓ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو، جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا، جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا، اس کی بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بددین ہو جائے گا۔ ہم کو یہ بات منظور نہیں[۲]۔

حضرت عائشہؓ کم سن بچی تھیں، کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے ماں کی خلاف مرضی کوئی بات کر بیٹھتی تھیں، تو ماں سزا دیتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں دیکھتے تو رنج ہوتا اس بنا پر حضرت اُم رومان سے تاکید فرما دی تھی، کہ ذرا میری خاطر سے ان کو ستانا نہیں، ایک بار آپ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کواڑ سے لگ کر رو رہی ہیں آپ نے حضرت اُم رومانؓ سے کہا کہ تم نے میری بات کا لحاظ نہیں کیا۔ انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ باپ سے میری بات جاکر لگاتی ہے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ بھی کرے۔ لیکن اس کو ستاؤ نہیں[۳]۔

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۷۶۰ باب تزویج الصغار من الکبار [۲] مسند احمد جزء ۶ [۳] مستدرک حاکم۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے، پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں، آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہؓ تھیں۔[۱]

حضرت عائشہؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں۔ اس کم سنی کی شادی کا اصل منشاء نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی، ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے، دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے، اسی کو انگریزی میں "پُری کوشیش" کہتے ہیں۔ بہرحال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا، اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشوونما، ذکاوت، جودتِ ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت عطیہؓ حضرت عائشہؓ کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکرؓ نے آ کر نکاح پڑھا دیا۔

مسلمان عورت کی شادی صرف اس قدر اہتمام چاہتی ہے، لیکن آج ایک مسلمان لڑکی کی شادی مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ مراسم کا مجموعہ ہے۔ لیکن کیا خود سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[۱] صحیح بخاری مناقب حضرت عائشہؓ [۲] بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں نہیں، اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ برس کے بجائے ۱۶ برس کی تھی، لیکن یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے، حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں موجود نہیں، جس کو تفصیل درکار ہو وہ معارف جولائی ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں اس بحث کو دیکھے۔ "ن"

کی یہ مقدس تقریب اس کی عملی تکذیب نہیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی، کہ میرا نکاح ہو گیا، جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔[۱]

ابن سعد کی دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں حضرت عائشہؓ کو ایک مکان دیا تھا جس کی قیمت پچاس درہم تھی یعنی دس روپے، لیکن درایۃً یہ صحیح نہیں ہے، دس روپے تو بدحیثیت سے بدحیثیت اور چھوٹے سے چھوٹے مکان کی قیمت بھی نہیں ہو سکتی، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ چار سو درہم مہر مقرر ہوا تھا، لیکن ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے جو خود حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش[۲] تھا یعنی پانچ سو درہم، جس کے قریباً سو روپے ہوتے، یہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مہر عموماً پانچ سو درہم ہوتا تھا[۳]۔ مسند ابن حنبل میں بھی خود انہی سے روایت ہے کہ ان کا مہر پانچ سو درہم[۴] تھا، بہر حال مہر کی اس مقدار کا مقابلہ آج کل کے زرِ مہر کی تعداد سے کرو جو ہمارے ملک میں جاری ہے، آج مہر کی کمی خاندان کی ذلت سمجھی جاتی ہے، لیکن کیا اسلام کا کوئی خاندان، خانوادۂ صدیقؓ سے شریف تر ہے اور کوئی مسلمان لڑکی صدیقۂ کبریٰؓ سے زیادہ بلند پایہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ازدواج کی تاریخ میں اختلاف ہے، علامہ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح سنہ ہجرت سے دو برس پہلے، اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا[۵]۔ بعض اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تھا، اور بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، اسی

---

[۱] طبقات ابن سعد ص۴۰ لائیڈن ج۸، [۲] ص۴۳ کتاب النکاح، [۴] مسند عائشہؓ ص۹۴۔

[۵] عمدۃ القاری جلد۱ ص۲۵ قسطنطنیہ۔

سال حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا۔

ممکن تھا کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کی تاریخ سے نکاح کی تاریخ مقرر کی جاتی لیکن خود حضرت خدیجہؓ کے انتقال کی تاریخ بھی متفق علیہ نہیں، ایک روایت ہے کہ سنہ ہجرت سے پانچ برس پہلے انتقال ہوا، دوسری روایت ہے کہ چار برس پہلے اور بعض روایتوں میں ہے کہ تین برس پہلے ہوا، اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہؓ کا قول زیادہ معتبر ہو سکتا تھا لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں، ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا[1] اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے[1]۔ جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایتوں کا مستند حصہ اسی کا موید ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان المبارک میں انتقال کیا، اور اسی کے ایک مہینہ کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا، اور اس وقت حضرت عائشہؓ کا چھٹا سال تھا، اس حساب سے شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا۔ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے بھی اسی قول کی توثیق کی ہے، حضرت عائشہؓ سے جو دو روایتیں مذکور ہیں، میری رائے میں اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے، نکاح تو اسی سال ہوا جس سال حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی، لیکن زن و شوئی کے تعلقات تین برس بعد قائم ہوئے جب وہ نو برس کی ہو چکی تھیں۔

ہجرت

حضرت عائشہؓ نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکہ ہی میں رہیں۔ دو برس، تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔

---

[1] صحیح بخاری فضل خدیجہؓ و مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۸ ، تزویج عائشہؓ و مسند عائشہؓ ص ۱۱۸

مسلمانوں نے اپنے وطن سے دو بار ہجرتیں کی ہیں، پہلے ملک حبش میں اور اس کے بعد مدینہ میں، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی تھی، اور برک الغماد تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے، پہنچ چکے تھے کہ اتفاق سے ابن الدغنہ نام ایک شخص کہیں سے آ رہا تھا، اس نے یہ دیکھ کر کہ ابوبکرؓ بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں، قریش کی بدقسمتی پر اس کو افسوس ہوا، اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں مکہ واپس لایا۔ ممکن ہے کہ اس سفر میں حضرت عائشہؓ اور ان کا خاندان بھی ہمراہ ہو۔

دوسری مرتبہ جب مکہ کے مشرکوں کے ظلم و ستم کے شعلے مسلمانوں کے صبر و تحمل کے خرمن میں آگ لگا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ روزانہ صبح یا شام کو حضرت ابوبکرؓ کے گھر بلاناغہ آیا کرتے تھے ایک دن خلافِ معمول چہرۂ مبارک چادر سے لپیٹے، دوپہر کو تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ کے پاس حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ دونوں صاحبزادیاں بیٹھی تھیں، آپ نے پکار کر آواز دی کہ ابوبکرؓ ذرا لوگوں کو ہٹا دو، میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کوئی غیر نہیں، آپ ہی کے اہل خانہ ہیں، آپ تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے مل جل کر سامانِ سفر درست کیا، دونوں صاحبوں نے مدینہ کی راہ لی، اور تمام اہل و عیال کو یہیں دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ گئے، جس دن یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا، نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی۔

مدینہ میں ذرا اطمینان ہوا تو آپ نے اہل و عیال کے لانے کے لئے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ابو رافعؓ اپنے غلام کو مکہ بھیجا، حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنا آدمی بھیج دیا، چنانچہ حضرت

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۵۲، باب الہجرۃ [2] پوری تفصیل خود حضرت عائشہؓ کی زبانی صحیح بخاری باب الہجرۃ جلد اول صفحہ ۵۵۲ میں ہے۔

عبداللہ بن ابی بکرؓ اپنی ماں اور دونوں بہنوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں، وہ بھاگ نکلا، اور اس زور سے دوڑا کہ ہر منٹ پر یہ ڈر تھا کہ پالان گرا، اور اب گرا، عورتوں کا جیسا کہ قاعدہ ہے، ماں کو اپنی پروا تو نہ تھی لیکن لختِ جگر کے لئے زار و قطار رونے لگیں، آخر میلوں پر جا کر جب اونٹ پکڑا گیا تو ان کو تشفی ہوئی۔ یہ مختصر قافلہ جب مدینہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی اور اس کے آس پاس مکانات بنوا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور آپ کی بیوی حضرت سودہؓ بنت زمعہ اسی نئے گھر میں فروکش ہوئیں[1]۔

رُخصتی

حضرت عائشہؓ اپنے عزیزوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں اتریں اور سات آٹھ مہینے تک یہیں اپنی ماں کے ساتھ رہیں، اکثر مہاجرین کو مدینہ کی آب و ہوا ناموافق آئی، متعدد اشخاص بیمار پڑ گئے، حضرت ابو بکرؓ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے، کم سن بیٹی اس وقت اپنے بزرگ باپ کی تیمارداری میں مصروف تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت پوچھتی، وہ یہ شعر پڑھتے۔

كل امرء مُصَبَّحٌ في اهله ۔۔۔ والموت ادنى من شراك نعله

ہر آدمی پر اپنے اہل و عیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے ۔۔۔ اور موت اس کی چپل کے تسمہ سے بھی اس سے قریب ہے

حضرت عائشہؓ نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت عرض کی، آپ نے دعا فرمائی اس کے بعد وہ خود بیمار پڑیں اور اب باپ کی غمخواری کا موقع آیا، حضرت ابو بکرؓ بیٹی کے پاس جاتے اور حسرت سے منہ پر منہ رکھ دیتے، یہ اس شدت کی علالت تھی کہ حضرت عائشہؓ

---

[1] طبقات النساء ابن سعد صفحہ ۴۲ میں یہ کل تفصیل موجود ہے [2] ابو داؤد کتاب الادب۔

کے سر کے تمام بال گر گئے[1]، صحت ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے روپے نہیں ہیں، گذارش کی کہ میری دولت قبول ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپے حضرت ابوبکرؓ سے قرض لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھجوا دیئے[2]، اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، جو مہر کو دنیا کا وہ فرض سمجھتے ہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہے، مہر عورت کا حق ہے اور اس کو ملنا چاہیے۔

مدینہ گویا حضرت عائشہؓ کی سسرال تھی، انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں، حضرت ام رومانؓ نے بیٹی کو آواز دی، وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں، آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی کانپتی دوڑی آئیں، ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازے تک لائی، وہاں منہ دھلا کر بال سنوار دیئے، پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں، دلہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے علی الخیر والبرکۃ وعلیٰ خیر طائر یعنی تمہارا آنا بخیر و بابرکت اور فال نیک ہو، کہہ کر استقبال کیا، دلہن کو سنوارا، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے[3]۔

اس وقت آپ کی ضیافت کے لیے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت اسماء بنت یزید حضرت عائشہؓ کی ایک سہیلی بیان کرتی ہیں کہ میں اس وقت موجود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پی کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں، میں نے کہا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو" انھوں نے شرماتے شرماتے

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ میں یہ تمام واقعات مذکور ہیں [2] طبقات النساء ابن سعد صہ ۴۳
[3] صحیح بخاری تزویج عائشہؓ صہ ۵۵۱ و صحیح مسلم کتاب النکاح۔

لے لیا، اور ذرا سا پی کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ اس وقت ہم کو اشتہا نہیں۔ فرمایا، جھوٹ نہ بولو، آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے[1]۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی صحیح روایتوں کی بنا پر دن کے وقت شوال ۱ھ میں ہوئی۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی تھی[2]۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہؓ کا دسواں سال ہوگا، حالانکہ حدیث اور تاریخ کی تمام کتابیں متفق ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ صرف نو سال کی تھیں۔

مذکورہ بالا بیانات سے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح، مہر، رخصتی، غرض ہر رسم کس سادگی سے ادا کی گئی تھی، جس میں تکلف، آرائش اور اسراف کا نام تک نہیں، وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تقریب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے عرب کی بہت سی بے ہودہ اور لغو رسموں کی بندشیں ٹوٹیں۔ سب سے اول یہ کہ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی لیے خولہ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے حیرت سے کہا، کیا یہ جائز ہے، عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَنْتَ اَخِيْ فِي الْاِسْلَامِ۔ تم صرف اسلامی بھائی ہو۔

دوسری رسم یہ تھی کہ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، پہلے کبھی شوال میں عرب میں طاعون ہوا تھا، اس لیے ماہ شوال کو وہ منحوس سمجھتے تھے اور اس مہینے میں شادی کی کوئی تقریب انجام نہیں دیتے تھے[3]۔

حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں، اور اسی لیے وہ شوال ہی

---

[1] احمد بن حنبل مسند اسماء بنت یزید [2] عمدۃ القاری جلد ۸ ص ۵۲ طبع قسطنطنیہ [3] طبقات النساء ابن سعد ص ۴۱۔

کے مہینہ میں اس قسم کی تقریبوں کو پسند کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میری شادی اور رخصتی دونوں شوال ہی میں ہوئیں اور بایں ہمہ شوہر کے حضور میں مجھ سے خوش قسمت کون تھی۔[1]

عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ دلہن کے آگے آگے آگ جلاتے تھے اور یہ بھی رسم تھی کہ شوہر اپنی عروس سے پہلی ملاقات محل یا محفہ[2] کے اندر کرتا تھا، بخاری اور قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔[3]

تعلیم و تربیت

عرب میں خود مردوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا تو عورتوں میں کیا ہوتا جب اسلام آیا تو قریش کے سارے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی لکھ پڑھ سکتے تھے ان میں شفاء بنت عبداللہ عدویہ صرف ایک عورت تھیں۔[3] اسلام کی دینی برکتوں میں یہ واقعہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نوشت و خواند کا فن بھی فروغ پاتا جاتا تھا، بدر کے قیدیوں میں جو نادار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دیں،[4] صفہ والوں میں کم و بیش سو اصحاب داخل تھے، ان کو دیگر تعلیمات کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔[5]

ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما لکھنا پڑھنا جانتی تھیں حضرت حفصہؓ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ فن شفاء بنت عبداللہ عدویہ سے سیکھا تھا۔[6] بعض اور صحابیات بھی نوشت و خواند سے آشنا تھیں۔[7]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازدواج اور خصوصاً حضرت عائشہؓ کی اس کم سنی کی شادی میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی فیضانِ صحبت نے سینکڑوں

---

[1] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح [2] کتاب النکاح [3] فتوح البلدان بلاذری امر الخط [4] مسند جلد ا صفحہ ۲۴۶

[5] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ [6] ابوداؤد کتاب الطب [7] فتوح البلدان بلاذری امر الخط۔ ع‍ ۵ عورتوں کی سواری کی پالکی ۱۲

مردوں کو سعادت کے درجۂ اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا، لیکن فطرۃً یہ موقع عام عورتوں کو میسر نہیں آسکتا تھا، صرف ازواجِ مطہراتؓ اس فیض سے متمتع ہو سکتی تھیں اور پھر یہ نور آہستہ آہستہ انہی ستاروں کے ذریعہ سے پوری کائنات نسوانی میں پھیل سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات بیوہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں داخل ہوئی تھیں، اس بنا پر ان میں حضرت عائشہؓ ہی تنہا خالص فیضانِ نبوت سے مستفیض تھیں، لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گونہ سے الگ کر کے کاشانۂ نبوت میں پہنچا دیا کہ ان کی ذاتِ اقدس پُر نور اور کامل بن کر دنیا کی صنف لطیف آبادی کے لئے شمع راہ بن جائے۔

حضرت ابوبکرؓ سارے قریش میں علم انساب و شعر کے ماہر تھے۔ قریش کے شاعروں کے جواب میں اسلام کے زبان داں شاعر چوٹی کے جو شعر کہتے تھے، کفار کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ حضرت صدیقؓ کی اصلاح و مشورہ کے بغیر لکھے گئے ہیں[۱]، حضرت عائشہؓ نے اسی باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی، اس لئے علم انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا[۲]۔

حضرت ابوبکرؓ اپنی اولاد کی تربیت میں نہایت سخت تھے، اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اس جرم پر کہ انھوں نے مہمان کو جلد کھانا کیوں نہیں کھلا دیا، ایک دفعہ مارنے کو تیار ہو گئے تھے[۴]۔ حضرت عائشہؓ شادی کے بعد بھی اپنی لغزشوں سے باپ سے ڈرا کرتی تھیں[۵]۔ کئی موقعوں پر حضرت ابوبکرؓ نے ان کو سخت تنبیہ کی، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ موقع پیش آیا، تو آپؐ نے ان کو بچا لیا[۶]۔

---

[۱] صحیح مسلم مناقب حسان [۲] اصابہ و استیعاب ذکر حضرت حسانؓ بن ثابت [۳] مستدرک حاکم ذکر حضرت عائشہؓ
[۴] صحیح بخاری [۵] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات [۶] صحیح بخاری باب التیمم و صحیح مسلم باب القسم للزوجات۔
[۷] ابوداؤد کتاب الادب باب المزاح۔

حضرت عائشہؓ کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد سے شروع ہوتا ہے انھوں نے اسی زمانہ میں پڑھنا سیکھا، قرآن دیکھ کر پڑھتی تھیں[1]، ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں[2]، احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے لیے ان کا غلام ذکوان قرآن لکھتا تھا[3]، اس سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ خود لکھنا نہ جانتی ہوں گی، لیکن بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ "فلاں خط کے جواب میں انھوں نے یہ لکھا[4]" ممکن ہے کہ راویوں نے مجازاً "لکھوانے" کے بجائے لکھنا کہہ دیا ہو جیسا کہ ایسے موقعوں پر عموماً بولتے ہیں۔

بہرحال نوشت و خواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے، حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے، انسانیت کی تکمیل، اخلاق کا تزکیہ، ضروریاتِ دین سے واقفیت، اسرارِ شریعت کی آگاہی، کلامِ الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے اور حضرت عائشہؓ اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ اندوز تھیں، علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا[5]۔

تاریخ و ادب کی تعلیم تو خود پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی، طب کا فن اُن وفود عرب سے سیکھا تھا، جو گاہ گاہ اطرافِ ملک سے بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے آخر دنوں میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب جو دوائیں بتایا کرتے تھے حضرت عائشہؓ ان کو یاد کر لیتی تھیں[6]۔

علومِ دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا، معلّمِ شریعت خود گھر میں تھا اور شب و روز اس کی صحبت میسر تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، جو حجرہ عائشہؓ سے بالکل ملحق تھی، اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو

---

[1] صحیح بخاری باب تالیف القرآن و بلاذری، فصل خط [2] صحیح بخاری صلوٰۃ الوسطیٰ، مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۷۳۔
[3] مسند جلد ۶ صفحہ ۷۸ و ترمذی صفحہ ۳۹۷ [4] مستدرک للحاکم ذکر عائشہ فی الصحابیات [5] ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۶۷
[6] ابن حنبل، مسند عائشہؓ صفحہ ۶۷۔

درس دیتے تھے وہ اس میں شریک رہتی تھیں، اگر کبھی بُعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب زنان خانہ میں تشریف لاتے، دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں[1]، کبھی اُٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں[2]، اس کے علاوہ آپ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لئے متعین فرما دیا تھا[3]۔

شب و روز میں علوم و معارف کے بیسیوں مسئلے ان کے کان میں پڑتے تھے، ان کے علاوہ خود حضرت عائشہؓ کی عادت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کو بے تامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیتی تھیں اور جب تک تسلی نہ ہو لیتی صبر نہ کرتیں[4]، ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ مَن حوسِبَ عُذِّبَ قیامت میں جس کا حساب ہوا اس پر عذاب ہو گیا، عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو فرماتا ہے،

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ (انشقاق) اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپؐ نے فرمایا یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح و قدح شروع ہوئی وہ تو برباد ہی ہوا[5]۔

ایک دفعہ انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ! خدا فرماتا ہے[6]:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ	جس دن زمین و آسمان دوسری زمین سے
وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ	بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خدائے
الْقَهَّارِ (ابراہیم)۔	واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی،

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی،

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	تمام زمین اس کی مٹھی میں ہو گی اور آسمان
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (زمر)۔	اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔

"جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے؟" آپ نے فرمایا "صراط" پر[7]۔

---

[1] مسند عائشہ صفحہ ۷۵ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۹ [3] صحیح بخاری کتاب العلم [4] ایضاً ص ۲۱ [5] صحیح بخاری ص ۲۱ کتاب العلم [6] مسند احمد ص ۳۵ [7] مسند ص ۱۱۰۔

اثنائے وعظ میں ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ قیامت میں لوگ برہنہ اُٹھیں گے" عرض کی یارسول اللہ زن و مرد یکجا ہوں گے تو کیا ایک دوسرے کی طرف نظریں نہ اُٹھ جائیں گی، ارشاد ہوا کہ عائشہؓ! وقت عجب نازک ہوگا یعنی کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی، ایک بار دریافت کیا کہ یارسول اللہ! قیامت میں ایک دوسرے کو کوئی یاد بھی کرے گا؟ آپ نے فرمایا تین موقعہ پر یاد کرے گا؟ ایک تو جب اعمال تولے جارہے ہوں گے، دوسرے جب اعمال نامے بٹ رہے ہوں گے، تیسرے جب جہنم گرج گرج کر کہہ رہی ہوگی کہ میں تین قسم کے آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں[1]۔

ایک دن یہ پوچھا تھا کہ کفار و مشرکین نے اگر عمل صالح کیا ہے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ عبداللہ بن جدعان مکہ کا ایک نیک مزاج اور رحم دل مشرک تھا، اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خونریزی کے انسداد کے لئے اس نے تمام رؤسائے قریش کو مجتمع کر کے ایک صلح کی مجلس قائم کی تھی، جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، حضرت عائشہؓ نے سوال کیا "یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں لوگوں سے بمہربانی پیش آتا تھا، غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ دے گا؟" آپ نے جواب دیا "نہیں عائشہؓ! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ خدایا قیامت میں میری خطا معاف کرنا[2]"

جہاد اسلام کا ایک فرض ہے، حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں زن و مرد کی تمیز نہیں، یہ فرض عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا، ارشاد ہوا کہ "عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے[3]"

نکاح میں رضامندی شرط ہے، لیکن کنواری لڑکیاں اپنے منہ سے آپ تو رضامندی نہیں ظاہر کر سکتیں، اس لئے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! نکاح میں عورت سے اجازت لے لینی چاہیئے۔ فرمایا ہاں، عرض کی وہ شرم سے چپ رہتی ہے، ارشاد ہوا کہ اس کی خموشی ہی اس کی اجازت ہے[4]

---

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۶ باب کیف الحشر [2] مسند عائشہؓ ص ۹۳ [3] مسند عائشہؓ ص ۶۳۔

[4] صحیح بخاری باب حج النساء [5] صحیح مسلم باب النکاح۔

اسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں، اور اس ادائے حق کا سب سے زیادہ موقع عورتوں کو ہاتھ آتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ دو پڑوسی ہوں تو کس کو ترجیح دی جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ یہ سوال پیش کیا، جواب ملا کہ "جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو"[1]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا ان سے ملنے آئے، انھوں نے انکار کیا کہ اگر میں نے دودھ پیا ہے تو عورت کا پیا ہے، عورت کے دیور سے مجھ سے کیا تعلق؟ آپ جب تشریف لائے تو دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ "وہ تمہارا چچا ہے تم اس کو اندر بلا لو"[2]

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ	(اور وہ لوگ جو کام کرتے ہیں اور ان کے دل
وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ.	ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے
(مومنون۔ ۴)	پاس لوٹ کر جانا ہے)

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے، بدکار ہے، شرابی ہے، لیکن خدا سے ڈرتا ہے، کیا وہ اس سے مراد ہے، آپ نے فرمایا "نہیں عائشہؓ! اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے روزہ دار ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے"[3]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا جو خدا کی ملاقات پسند کرتا ہے خدا بھی اس کی ملاقات پسند کرتا ہے اور جو اس کی ملاقات کو ناگوار سمجھتا ہے، اس کو بھی اس سے ملنا ناگوار ہوتا ہے، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے موت کو کوئی پسند نہیں کرتا ہے؟ فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں، مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل خدا کا مشتاق ہو جاتا ہے، خدا بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے اور کافر جب خدا کے عذاب اور ناراضی کے واقعات کو سنتا ہے، تو اس کو خدا کے سامنے سے نفرت ہوتی ہے۔ خدا بھی اس سے نفرت رکھتا ہے[4]۔

---

[1] مسند احمد ص ۱۷۵، [2] صحیح بخاری ص ۹۰۹ باب تربت یمینک [3] ترمذی و ابن ماجہ و مسند ص ۵۹ ۔
[4] جامع ترمذی کتاب الجنائز ۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے بیسیوں سوالات اور مباحث احادیث[1] میں مذکور ہیں جو درحقیقت ان کے روزانہ تعلیم کے مختلف اسباق ہیں۔

ان موقعوں پر بھی جہاں بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برہمی اور آزردگی کا اندیشہ ہو سکتا تھا، وہ سوال اور بحث سے باز نہیں آتی تھیں اور درحقیقت خود آپ بھی اس کو برا نہیں مانتے تھے، ایک دفعہ آپ نے کسی بات پر آزردہ ہوکر ایلا کر لیا تھا، یعنی عہد فرمایا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ کے پاس نہ جائیں گے۔ چنانچہ ۲۹ روز تک آپ ایک بالاخانہ پر تشریف فرما رہے۔ تمام ازواجؓ بے قرار تھیں، اتفاق سے مہینہ ۲۹ روز کا تھا، آپ یکم کو یعنی تیسویں دن بالاخانہ سے اتر کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ جس کی خوشی میں حضرت عائشہؓ کو سب کچھ بھول جانا چاہیئے تھا، اور پھر اس واقعہ پر نکتہ چینی بظاہر آپ کو دوبارہ آزردہ کرنا تھا، لیکن مزاج شناسِ نبوت ان سب پر خود نفسِ شریعت کی گرہ کشائی مقدم سمجھتی تھی، عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں نہ آئیں گے آپ ایک دن پہلے کیونکر تشریف لائے، فرمایا "عائشہ مہینہ ۲۹ روز کا بھی ہوتا ہے"[1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہونا چاہا، آپ نے فرمایا آنے دو، وہ اپنے خاندان میں برا ہے، جب وہ آکر بیٹھا تو آپ نے اس سے نہایت توجہ اور لطف و محبت سے باتیں فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ کو تعجب ہوا، جب وہ اٹھ کر چلا تو عرض کی یا رسول اللہ آپ تو اس کو اچھا نہیں جانتے تھے، لیکن جب وہ آیا تو آپ نے اس لطف و محبت کے ساتھ گفتگو فرمائی، ارشاد ہوا کہ "عائشہؓ بدترین آدمی وہ ہے جس کی بداخلاقی سے ڈر کر لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں"[2]

بادیۂ عرب کے اجڈ بدوی اور دیہقانی چونکہ بداحتیاط اور شرائع اسلام سے ان کو پوری آگاہی نہ تھی، اس لئے آپ ان کی چیز کھانے سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ ام سنبلہ نام

---

[1] صحیح بخاری باب الغرفہ ص ۳۳۵ [2] صحیح بخاری باب الغیبہ۔

ایک گاؤں کی عورت آپ کے پاس تحفۃً دودھ لائی، آپ نے پی لیا، حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے انھوں نے بھی پیا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ ان کی چیز کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ فرمایا کہ عائشہؓ! یہ وہ لوگ نہیں ہیں، ان کو تو جب بلایا جاتا ہے، آتے ہیں؎۔ یعنی اسی سبب سے ان کو شریعت کے احکام معلوم ہیں۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا، "اعتدال کے ساتھ کام کرو، لوگوں کو اپنے نزدیک کرو، اور خوشخبری سناؤ کہ لوگوں کا عمل ان کو جنت میں نہ لے جائے گا، بلکہ رحمت الٰہی، حضرت عائشہؓ کو یہ آخری بات عجیب معلوم ہوئی، سمجھیں کہ جو لوگ معصوم ہیں وہ تو اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں، فرمایا نہیں لیکن یہ کہ خدا اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانک لے؎۔

ایک دفعہ نماز تہجد کے بعد بے وتر پڑھے آپ نے سونا چاہا، عرض کی یارسول اللہ! آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں، ارشاد ہوا، عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا؎۔ بظاہر حضرت عائشہؓ کا یہ سوال گستاخی معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر وہ یہ نہ پاتیں نہ جرأت نہ کرتیں تو آج امت محمدیہ نبوت کی حقیقت سے ناآشنا رہتی۔

ان سوالات اور مباحث کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حضرت عائشہؓ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتے اور جہاں لغزش نظر آتی، ہدایت و تعلیم فرماتے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند یہودی آئے اور بجائے السلام علیک کے (تم پر سلامتی ہو) زبان دبا کر السام علیک (تم کو موت آئے) کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں صرف وعلیکم (اور تم پر) فرمایا، حضرت عائشہؓ سن رہی تھیں، وہ ضبط نہ کرسکیں، بولیں، علیکم السام واللعنۃ (تم پر موت اور لعنت) آپ نے فرمایا، عائشہؓ نرمی

؎ مسند عائشہ ص ۱۳۳ ؎ صحیح بخاری باب القصد والمداومۃ علی العمل۔

؎ صحیح بخاری باب فضل من قام رمضان۔

چاہیئے۔ خدائے عز و جل ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے[1]۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت عائشہؓ کی کوئی چیز چرائی، زنانہ رسم کے مطابق انھوں نے اس کو بددعا دی، ارشاد ہوا لا تسبخی عنہ[2] یعنی بددعا دے کر اپنا ثواب اور اس کا گناہ کم نہ کرو۔ ایک بار وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ پر سوار تھیں، اونٹ کچھ تیزی کرنے لگا، عام عورتوں کی طرح ان کی زبان سے بھی فقرۂ لعنت نکل گیا، آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کو واپس کر دو، ملعون چیز ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی[3]۔ یہ گویا تعلیم تھی کہ جانور تک کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔

عام طور سے لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پرواہ نہیں کرتیں، آپ نے حضرت عائشہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا، یَا عَائِشَۃُ اِیَّاکِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، عائشہؓ! معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو، خدا کے ہاں ان کی بھی پرسش ہوگی[4]۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں، اثنائے گفتگو میں بولیں کہ وہ پست قد ہے۔ آپ نے فوراً ٹوکا کہ عائشہؓ! یہ بھی غیبت ہے[5]۔

حضرت صفیہؓ کسی قدر پست قد تھیں، ایک دن انھوں نے کہا یا رسول اللہ! بس یہ کیجئے صفیہ تو اتنی ہیں؛ آپ نے فرمایا "تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو مل سکتی ہو یعنی یہ غیبت ایسی تلخ بات ہے کہ سمندر کے پانی میں ملا دی جاتے تو کل پانی بدمزہ ہو جائے" عرض کی یا رسول اللہ! میں نے تو ایک شخص کی نسبت واقعہ بیان کیا، فرمایا کہ اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی یہ بیان نہ کروں[6]۔ یعنی مجھ کو کسی قدر بھی لالچ دلائی جائے تو میں ایسی بات کسی کے متعلق نہ کہوں۔

ایک دفعہ کسی سائل نے سوال کیا، حضرت عائشہؓ نے اشارہ کیا، تو لونڈی ذرا سی چیز لے کر دینے چلی، آپ نے فرمایا "عائشہ گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ خدا تم کو بھی گن گن کر دے گا[7]۔" دوسرے

---

[1] صحیح بخاری ص ۸۹۰ باب الرفق فی الامر کلہ [2] مسند ص ۴۵ [3] ایضاً ص ۷۲ [4] ایضاً ص ۷۰ [5] ایضاً ص ۲۰۶
[6] ایضاً ص ۷۰ [7] ابوداؤد کتاب الادب۔

موقع پر فرمایا "عائشہؓ! چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو وہی سائل کو دے کر آتشِ جہنم سے بچو۔ اسے بھوکا کھائے گا تو کچھ تو ہوگا اور پیٹ بھرے گا۔ اس سے کیا بھلا ہوگا۔"[1]

ایک موقع پر آپ نے یہ دعا مانگی "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی ہی میں موت دے اور مسکینوں ہی کے ساتھ قیامت میں اٹھا" حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ کیوں؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا "مسکین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے، اے عائشہ کسی مسکین کو بے نیلِ مرام واپس نہ کرنا، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے پاس جگہ دیا کرو۔"[2]

ان مختلف اخلاقی نصائح کے علاوہ، نماز، دعا اور دینیات کی اکثر باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سکھایا کرتے تھے، وہ نہایت شوق سے ان کو سیکھا کرتی تھیں اور ہر ایک حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں۔[3]

خانہ داری

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی بنی نجار کے محلّہ میں مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے۔ ان ہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہؓ کا مسکن تھا۔ یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رُخ اس طرف واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔[4] جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے اور حضرت عائشہؓ بالوں کے اندر کنگھا کر دیتیں۔[5] کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے۔[6]

---

[1] مسند عائشہ ص ۹۰، [2] جامع ترمذی ابواب زہد، [3] مسند عائشہ ص ۱۳۸ و ۴۷، و ۵۰ [4] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ سمہودی باب ۴ فصل ۴ [5] صحیح بخاری [6] مسند ۶ ص ۱۰۱ [7] صحیح بخاری کتاب الحیض۔

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقف تھا، اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا، دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا، پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا، جس کو مشربہ کہتے تھے، ایلاء کے ایام میں آپ نے اسی بالاخانہ پر ایک مہینہ بسر فرمایا تھا۔

گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ مسکن مبارک گو منبع انوار تھا، لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

گھر میں کل آدمی دو تھے، حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کچھ دن کے بعد بریرہؓ نام ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ جب تک حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ صرف دو بیویاں رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیچ دے کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں شب باش ہوتے تھے، اس کے بعد جب اور ازواج بھی اس شرف سے ممتاز ہوئیں تو حضرت سودہؓ نے اپنی کبر سنی کے سبب اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ایثاراً دے دی۔ اس بنا پر نو دن میں دو دن آپ حضرت عائشہؓ کے گھر مقیم رہتے۔

---

[1] مسند ابن حنبل و ابن سعد و ادب المفرد امام بخاری باب البناء و سمہودی باب ۴ فصل ۴

[2] سمہودی باب ۴ فصل ۴ [3] ابوداؤد و صلوٰۃ الامام قاعدا [4] احادیث میں مختلف موقعوں پر ان چیزوں کے نام آتے ہیں، دیکھو صلوٰۃ اللیل و کتاب الحیض و کتاب الطہارۃ [5] صحیح بخاری ص ۳، باب التطوع خلف المرأۃ [6] مسند طیالسی ص ۲۰۷، [7] صحیح بخاری ص ۳۴۸ باب استعانۃ المکاتب و ما قوانک و باب الصدقہ۔

گھر کے کاروبار کے لئے بہت زیادہ اہتمام وانتظام کی ضرورت نہ تھی، کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو[1]، فرماتی تھیں گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی[2] چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا[3]، فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لئے وظائف مقرر کر دیئے تھے[4]، اسی وسق (بار شتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق جو۔ لیکن ایثار و فیاضی کی بدولت سال بھر کے لئے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔

صحابہ اپنی محبت سے تحفے اور ہدیے عموماً بھیجتے رہتے، بالخصوص جس دن حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی، لوگ قصداً ہدیے بھیجا کرتے تھے[5]، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ باہر سے تشریف لاتے اور دریافت فرماتے کہ عائشہؓ کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں اور پھر گھر بھر روزہ ہوتا[6]، کبھی بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے، اسی پر قناعت کر لیتے[7]۔

اس عقل و شعور کے باوجود، جو فطرتاً فیاض قدرت کی طرف سے اُن کو عطا ہوا تھا کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بری نہ تھیں، گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں، اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی[8]، ایک دن کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں۔ شب کا وقت تھا، آپ آئے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوس کی بکری آئی، اور سب کھا گئی[9]، دوسری مُسن بی بیوں کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا

---

[1] صحیح بخاری معیشت النبی و مسند ص ۲۵۵ [2] مسند ۶ ص ۲۱۷، ۲۳۷ و مسند طیالسی ص ۲۰۷ وغیرہ، صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں "ایک مہینہ" کا لفظ ہے [3] صحیح بخاری باب کیف کان عیش النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
[4] ابوداؤد حکم ارض خیبر [5] حوالہ سابق [6] صحیح بخاری فضل عائشہؓ [7] مسند ۶ ص ۴۹ [8] ایضاً ص ۲۴۴، [9] صحیح بخاری قصۂ افک [10] ادب المفرد امام بخاری باب لا یوذی جارہ۔

نہیں پکائی تھیں[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خانگی انتظام حضرت بلالؓ کے سپرد تھا، وہی سال بھر کا غلہ تقسیم کرتے تھے، ضرورت کے وقت باہر سے قرض لاتے تھے[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا، اور تمام صوبوں سے بیت المال میں خزانے کے خزانے لدے چلے آتے تھے، تاہم جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اُس دن حضرت عائشہؓ کے گھر میں ایک دن کے گزارے کا سامان بھی نہ تھا[3]۔

عہدِ صدیقی میں بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ غلہ ملتا رہا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں سب کے نقد وظائف مقرر کر دیئے، دیگر ازواج کو دس ہزار درہم سالانہ ملتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ بارہ ہزار پاتی تھیں[4]۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اختیار دیا تھا کہ خواہ وہ غلہ لیں خواہ زمین لے لیں، حضرت عائشہؓ نے زمین لے لی (بخاری باب المزارعہ بالشطر) لیکن اس رقم کا اکثر حصہ فقراء اور مساکین پر وقف تھا، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی غالباً یہی طریقہ قائم رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو امیر معاویہؓ کے بعد خلیفہ حجاز ہوئے، وہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، وہ خالہ کے تمام مصارف کے ذمہ دار تھے، لیکن جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا، اسی دن شام کو گھر میں فاقہ ہوتا[5]۔

معاشرتِ ازدواجی

عورت کے متعلق مشرق و مغرب کا مذاق باہم نہایت مختلف ہے۔ مشرق میں عورت کی محبت دامنِ تقدس کا داغ ہے، وہ فقط ایوانِ عیش کی شمع دلفروز ہے، جس کی روشنی

---

[1] ابوداؤد باب من افسد شیئا یغرم مثلہ [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [3] ترمذی ص ۷۰۴ مطبع العلوم دہلی،
[4] مستدرک للحاکم ذکر عائشہ فی الصحابیات [5] صحیح بخاری باب مناقب قریش۔

عزلت نشینانِ حریم قدس کے تنگ حجروں کو اور بھی تاریک کر دیتی ہے۔

دوسری طرف محبت کیش مغرب اس کو خدا سمجھتا ہے یا خدا کے برابر جانتا ہے اور کہتا ہے کہ "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی"۔ یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے معقول ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کا کیا درجہ قائم کیا ہے۔

اسلام کا صراطِ مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے، وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے، اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی کہ وہ مرد کے لئے اس کشمکش گاہ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ	اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا	اس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً	کیں کہ تم ان کے پاس پہنچ کر تسلی پاؤ اور اسی نے تم
وَّرَحْمَةً (روم ۳)	دونوں کے درمیان لطف و محبت پیدا کیا۔

بہرحال اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں کہ اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں، یہاں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی زندگی کا کیا حال تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا	تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب
خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ[1]	سے اچھا ہو اور میں اپنی بیویوں کے لئے تم
	سب سے اچھا ہوں۔

اس کی عملی تصدیق اس سے ہوگی کہ حضرت عائشہؓ کی ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی، لیکن اس طویل مدت میں واقعہ ایلا کے سوا کوئی واقعہ باہمی غیر معمولی کشیدگی کا پیش نہیں

---

[1] صحیح بخاری دوم، باب حسن المعاشرہ۔

آیا، ہمیشہ لطف و محبت اور باہمی ہمدردی وخلوص کی معاشرت قائم رہی، خصوصاً جب یہ تصور کیا جائے کہ خاندان نبوت کی دنیاوی زندگی کس عسرت اور فقر و فاقہ سے گذری تھی تو اس لطف و محبت کی قدر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے

بیوی سے محبت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا، چنانچہ لوگ قصداً ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے، جس روز حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ اور ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا، لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہؓ کو آمادہ کیا، وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، آپ نے فرمایا لخت جگر، جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی، سیدۂ عالم کے لئے اتنا ہی کافی تھا، وہ واپس چلی آئیں، ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ کو بیچ میں ڈالا، وہ نہایت سنجیدہ اور متین بی بی تھیں، انھوں نے موقع پا کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی، آپ نے فرمایا ام سلمہؓ مجھ کو عائشہؓ کے معاملے میں دق نہ کرو، کیونکہ عائشہؓ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی[1]۔

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا، آپ نے فرمایا، یہ میں اس کو دوں گا، جو دنیا میں مجھ کو سب سے محبوب ہو گا، سب نے کہا یہ ابن قحافہ کی بیٹی (عائشہؓ) کے ہاتھ لگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک وخالص محبت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ہوئی اس لئے آپ نے وہ ہار اپنی کمسن نواسی حضرت زینبؓ کی صاحبزادی امامہؓ کو عنایت فرمایا[4]۔

حضرت عمروؓ بن العاص جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں، ارشاد ہوا کہ "عائشہؓ کو" عرض کی یا رسول اللہ!

---

[1] صحیح بخاری دوم، باب حسن المعاشرۃ فضل عائشہ [2] باب الہدیہ [3] نسائی حب الرجل بعض نسائہ
[4] مسند ۶ ص ۱۰۱۔

مردوں کی نسبت سوال ہے. فرمایا "عائشہ کے باپ کو"[1] ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو سمجھایا کہ عائشہؓ کی ریس نہ کیا کرو، وہ تو حضورؐ کو محبوبؓ ہے۔

ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف کو بھاگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا، وَاعَرُوْسَاہُ[3] ہائے میری دلہن۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا، اس لئے کراہ رہی تھیں، آپ نے فرمایا "ہائے میرا سر" اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپ کا مرض الموت[4] تھا، مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آج کون سا دن ہے، لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے[5]۔ چنانچہ آپ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات[6] پائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ کی قدر و قیمت) اس کو معاف کرنا[7]۔

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کو حضرت عائشہؓ سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، ازواج مطہرات میں حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ بھی حسین تھیں، ان کے محاسن ظاہری کی تعریف احادیث اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں موجود ہے[8] اور اسی کے ساتھ کمسن اور گویا کنواری بھی تھیں، لیکن حسن و جمال کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ

---

[1] صحیح بخاری مناقب ابی بکر ۵۱۷ [2] صحیح بخاری ص ۷۸۵، حب الرجل لبعض نسائہ [3] مسند ۶ ص ۲۴۸ [4] صحیح بخاری ص ۸۴۶ کتاب المرضیٰ و مسند ص ۲۲۸ [5] صحیح بخاری ص ۱۸۶ ما جاء فی قبر النبی [6] صحیح بخاری ص ۶۴۰ باب مرض النبی [7] ابوداؤد وغیرہ باب القسم بین الازواج [8] زرقانی وغیرہ کتب سیر میں ان کی عمدہ حالات دیکھو۔

کے متعلق ایک دو موقع کے سوا حدیث و تاریخ و سیر میں ایک حرف مذکور نہیں، ایک مستثنیٰ موقع یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حفصہؓ سے کہا تھا کہ "تم عائشہؓ کی ریس نہ کرو کہ وہ تم سے خوبصورت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا یہ فقرہ سنا تو تبسم فرمایا[1]۔ بہرحال اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت حفصہؓ پر ترجیح رکھتی تھیں۔

اصل یہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ راوی ہیں[2] اور صحیح مسلم و ابوداؤد در کتاب النکاح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: شادی کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بناء پر ہو سکتا ہے، دولت، حسن و جمال، حسب و نسب اور دینداری، تم دیندار کی تلاش کرو، اس لئے ازواج میں وہی زیادہ منظورِ نظر ہوئیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آسکتی تھی، حضرت عائشہؓ فہم مسائل، اجتہادِ فکر اور حفظِ احکام میں تمام ازواج سے ممتاز تھیں اس بناء پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، علامہ ابن حزم نے ملل و نحل میں اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس نتیجہ کو بدلائل ثابت کیا ہے[3]۔ صحاح میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کمل من الرجال کثیر و لم یکمل	مردوں میں تو بہت کامل گزرے لیکن مریم
من النساء غیر مریم بنت عمران	بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا
و آسیة امرأة فرعون و ان	عورتوں میں کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہؓ
فضل عائشة علی النساء کفضل	کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح
الثرید علی سائر الطعام[4]	ثرید کو تمام کھانوں پر۔

اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس محبت اور قدر و منزلت کا باعث کیا تھا، ظاہری حسن و جمال یا باطنی فضل و کمال، باطنی کمالات میں حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت ام سلمہؓ کا درجہ

---

[1] صحیح بخاری باب موعظۃ الرجل ابنتہ بحال زوجہا۔ [2] ابن حنبل مسند عائشہؓ ص ۱۵۲

[3] ملل و نحل بحث افضلیت صحابہؓ۔ [4] صحیح مسلم باب فضل خدیجہؓ

تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں حالانکہ عمر کے لحاظ سے وہ مسن تھیں، حضرت خدیجہؓ ۶۵ برس کی ہو کر فوت ہوئیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی محبت[1] اس شدت سے قائم رہی کہ حضرت عائشہؓ کو بھی اس پر رشک آتا تھا چنانچہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے بُرے طریقے سے ان کا نام لیا تو آپ نے برہمی ظاہر فرمائی۔

شوہر سے محبت حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف محبت تھی بلکہ شغف و عشق تھا، اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا چنانچہ باہم ازواج مطہراتؓ میں اس کا بڑا خیال تھا، تفصیل آگے آتی ہے، کبھی راتوں کو حضرت عائشہؓ بیدار ہوتیں اور آپ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں، ایک بار شب کو آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا، راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، ادھر اُدھر ٹٹولنے لگیں، آخر ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ملا، دیکھا تو آپ سر بسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔ ایک دفعہ یہی واقعہ پیش آیا، تو شک سے خیال کیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں، اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں، دیکھا تو آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں، اپنے قصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں[2]"

ایک شب کا اور واقعہ ہے کہ آنکھ کھلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، شب کا نصف حصہ گزر چکا تھا، ادھر اُدھر ڈھونڈا، لیکن محبوب کا جلوہ نظر نہیں آیا، آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچیں، دیکھا تو آپ دعا و استغفار میں مشغول ہیں، الٹے پاؤں واپس آئیں، اور صبح کو آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا ہاں رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی

---

[1] بخاری و مسلم باب فضائل خدیجہؓ [2] صحیح بخاری باب التطوع خلف المرأۃ و موطا باب صلوٰۃ اللیل

[3] موطا امام مالک باب ما جاء فی الدعاء

[4] نسائی باب الغیرۃ و باب الدعا فی السجود۔

وہ تم ہی تھیں[1]۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آپ کے ساتھ تھیں، رات کو بلا ناغہ آپ حضرت عائشہؓ کی محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا، باتیں کیا کرتے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے کہا لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں، رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لائے، دیکھا تو حضرت حفصہؓ تھیں، آپ سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت عائشہؓ تشریف آوری کی منتظر تھیں، جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہؓ سے ضبط نہ ہو سکا، محمل سے اتر پڑیں، دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیتے اور بولیں خداوندا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی، تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آکر ڈس لے[2]۔

دیکھو اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کر لیا تھا، یعنی عہد کر لیا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ آئیں گے، باہر حجرہ سے متصل حضرت عائشہؓ کا ایک مردانہ بالا خانہ تھا وہیں قیام فرما تھے، تمام بی بیاں گریہ وزاری میں مصروف تھیں[3]، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی وہاں جا بھی نہیں سکتی تھیں، حضرت عائشہؓ کا یہ حال تھا کہ مہینہ گزرنے کے انتظار میں ایک ایک دن گنتی تھیں[4]، مہینہ جب ختم ہوا تو سب سے پہلے آپ انہی کے کمرے میں تشریف لائے،

چونکہ ازواج مطہرات میں مختلف درجوں کی عورتیں تھیں، بعض بعض امراء اور رئیس گھرانوں کی بیٹیاں تھیں اور وہ اس طرح فقیرانہ زندگی بسر کرنے پر راضی نہ تھیں اس بنا پر تخییر کی آیت نازل ہوئی کہ جو چاہے اس شرف کو قبول کرے اور جو چاہے خانۂ نبوت سے الگ ہو جائے، ازواج مطہرات

---

[1] حدیث کی مختلف کتابوں میں کسی قدر اختلاف ہے مگر مقصد ایک ہے، صحاح میں باب زیارۃ القبور دیکھئے۔ خصوصاً نسائی باب الاستغفار للمومنین و باب الغیرۃ [2] صحیح بخاری ص ۷۸۵، باب القرعہ بین النساء [3] صحیح بخاری ص ۷۸۳، باب ہجرۃ النبی نسائہ [4] ایضاً ص ۳۳۵ باب الغرفہ۔

میں کون ایسی بدقسمت تھی جو کنارہ کشی پسند کرتی، سب نے بخوشی اسی زندگی کو ترجیح دی، لیکن سب سے پہلے حضرت عائشہؓ نے ہی ابتدا کی، اور فضل تقدیم کے لئے منع کر دیا کہ یارسول اللہ! میرا جواب کسی کو نہ بتایئے گا[1]۔ اس فقرہ میں نسوانی فطرت کی جھلک نمایاں ہے۔

اسی کشمکش کے آخر زمانہ میں ارجاء کی آیت نازل ہوئی، یعنی جس بی بی کو آپ چاہیں رکھیں ورجس کو چاہیں الگ کر دیں، گو آپ نے اپنے فطری رحم و مروّت کی بنا پر کسی کو الگ کرنا گوارا نہ فرمایا یکن یہ اختیار بہرحال حاصل ہو چکا تھا حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں، یارسول اللہ اگر یہ اختیار مجھ کو ملا ہوا ہوتا تو میں اس شرف میں کسی اور کو ترجیح نہیں دیتی[2]۔

غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ کو سخت ملال ہوا، اسلام میں نوحہ ممنوع ہے، ایک صاحب نے آکر اطلاع دی کہ حضرت جعفرؓ کے ہاں عورتیں نوحہ کر رہی ہیں آپ نے فرمایا منع کر دو، وہ گئے اور واپس آئے کہ نہیں مانتیں، آپ نے فرمایا ان کے منہ میں خاک ڈال دو، وہ پھر گئے اور واپس آکر کچھ کہنے لگے، حضرت عائشہؓ دروازہ کی درز سے دیکھ رہی تھیں اور بے قرار ہو رہی تھیں کہ نہ یہ صاحب جو آپ کہتے وہ کرتے ہیں اور نہ آپ کی جان چھوڑ کر جاتے ہیں[3]۔

آپ اکثر حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے سو جاتے، آپ ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکرؓ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپ کے خواب راحت میں خلل واقع ہوگا[4]۔

بیوی کی مدارات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی انسانی معاشرت کے لئے نمونہ تھی اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لئے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیئے۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۷۰۱، روایت عائشہؓ [2] ایضاً تفسیر سورۂ احزاب و مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۷۶،

[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز [4] صحیح بخاری باب تیمم، [5] وہ سبب یہ تھا کہ اس سفر میں حضرت عائشہ رضہ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کا ذکر آگے صفحہ ۹۷ پر آرہا ہے۔

آپ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ اوپر گزر چکا ہے۔ کہ آپ حضرت عائشہؓ کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی، اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو معمولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ آپ باہر سے تشریف لائے تو فرمایا، "عائشہ گیت اور راگ تو ہے نہیں؟"[1]

ایک دفعہ عید کا دن تھا۔ حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ تماشا دیکھنا چاہا۔ آپ آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہو گئیں، اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں، آپ برابر اوٹ کئے کھڑے رہے۔[2]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آگئے، انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً آڑے آگئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ ہٹ گئے، تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا؟[3]

ایک دفعہ ایک لونڈی کو لئے ہوئے آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ پھر پوچھا کہ تم اس کو پہچانتی ہو؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے۔ تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو۔ انھوں نے اپنی مرضی ظاہر کی، وہ تھوڑی دیر تک گاتی رہی، آپ نے گانا سن کر فرمایا، اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے۔ یعنی اس قسم کے گانے کو آپ نے بذاتہ مکروہ سمجھا۔[4]

دل بہلانا کبھی کبھی دل بہلانے کو آپ کہانی بھی کہا کرتے تھے، ایک دفعہ اثنائے گفتگو

---

۱ مسند جلد ۶ ص ۲۶۹ و بخاری کتاب النکاح و فتح الباری ۔ ۲ صحیح بخاری باب حسن المعاشرة
۳ ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح ۴ مسند احمد ، عائشہؓ

میں خُرافہ کا نام آیا، فرمایا خُرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا، اس کو جن اٹھا کر لے گئے، وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے، واپس آکر اُن کو لوگوں سے بیان کیا تھا، اس بنا پر جب کوئی عجیب بات آپ لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو خُرافہ کی بات[1] ہے (ہماری زبان میں اسی کی جمع خُرافات مستعمل ہے)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کہانی کہنی شروع کی، اس کہانی میں عبارت کی جو خوبی ہے اس کا بیان تو کہیں اور آئے گا۔ یہاں صرف نفسِ قصہ[2] کا ترجمہ کیا جاتا ہے، کہ عرب کا مذاق قائم رہے۔

ایک دن گیارہ سہیلیاں ایک جگہ مل کر بیٹھی تھیں، باہم طے پایا کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم و کاست کہہ سنائے۔ پہلی بولی کہ میرا شوہر اونٹ کا وہ گوشت ہے، جو کسی پہاڑ پر رکھا ہو، نہ میدان ہے کہ کوئی وہاں تک پہنچ جائے، اور نہ گوشت ہی اچھا ہے کہ اس کو کوئی اٹھا لے جائے۔ دوسری نے کہا میں اپنے شوہر کا حال نہیں بیان کروں گی، اگر بیان کروں تو اس قدر لمبا ہے کہ ڈر ہے کہ کچھ چھوڑ نہ دوں، اور اندر باہر کا سب حال نہ کہہ دوں۔ تیسری نے کہا میرا شوہر بڑا لحنت ہے بولوں تو طلاق پا جاؤں اور چپ رہوں تو سمجھو کہ بیاہی ہوں نہ بن بیاہی۔ چوتھی بولی میرا شوہر حجاز کی رات ہے نہ گرم نہ سرد، نہ ڈر ہے نہ ملال۔ پانچویں نے کہا میرا شوہر گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے باہر جاتا ہے تو شیر ہو جاتا ہے، جو عدہ کرے اس میں پھر پوچھنے کی حاجت نہیں، چھٹی نے کہا میرا شوہر ساتھ کھاتا ہے تو اکیلا سب چٹ کر جاتا ہے، پیتا ہے تو سب سڑپ جاتا ہے، لیٹتا ہے تو سب خود اوڑھ لیتا ہے کبھی دریافت حال کے لئے ہاتھ اندر نہیں کرتا۔ ساتویں نے کہا میرا شوہر بے وقوف اور نامرد ہے، کبھی سر

---

[1] شمائل ترمذی باب حدیث خرافہ و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۵۷۔ [2] نسائی نے یہ کہانی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے۔

چھوڑ دے، کبھی کچھ توڑ دے۔ آٹھویں نے کہا میرا شوہر چھونے میں خرگوش (نرم وگداز) اور سونگھنے میں کوسم ہے۔ نویں نے کہا میرے شوہر کا بڑا مکان ہے، امیر ہے اس کی تلوار کا پرتلا لمبا ہے (بلند و بالا ہے) اس کے چولہے میں راکھ کا ڈھیر ہوتا ہے (فیاض ہے) دسویں نے کہا میرا شوہر مالک ہے اور تم مالک کو کیا سمجھیں، وہ ان سب سے بہتر ہے، اس کے اونٹوں کا بڑا گلہ ہے، وہ گھر میں پڑے رہتے ہیں، چرنے کو نہیں جاتے۔ باجے کی آواز سن لیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ موت کا دن آگیا۔ گیارہویں نے اپنی بڑی لمبی کہانی شروع کی، میرے شوہر کا نام ابوزرع ہے، تم ابوزرع کو کیا سمجھیں، اس نے زیوروں سے میرے کان، اور چربی سے میرے بازو بھر دیئے، مسرت سے میرا دل خوش کر دیا۔ بکری والوں کے گھرانے میں مجھے پایا، لیکن ہنہنانے والے گھوڑوں، بلبلانے والے اونٹوں، غلّہ ملنے والوں اور پھٹکنے والوں مزدوروں میں لا کر مجھے رکھ دیا، بولتی ہوں تو کوئی برا نہیں کہتا، سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں پیتی ہوں تو سب پی جاتی ہوں، ام ابی زرع ام ابی زرع کیسی ہے؟ اس کے کپڑوں کی گٹھری بھاری، اور اس کے رہنے کا گھر وسیع ہے، ابوزرع کا بیٹا، ابوزرع کا بیٹا کیسا ہے؟ سوتا ہے تو ننگی تلوار معلوم ہوتا ہے، کھاتا ہے تو حلوان کا دست کھاتا ہے، ابوزرع کی بیٹی! ابوزرع کی بیٹی کیسی ہے؟ والدین کی فرمانبردار اور سوکن کے لیے رشک، ابوزرع کی لونڈی! ابوزرع کی لونڈی کیسی ہے؟ کہیں گھر کی کوئی بات باہر نہیں دہراتی، اناج کو فضول نہیں برباد کرتی، گھر کو کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحمّل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے، پھر فرمایا عائشہ!

---

[1] عرب میں یہ فیاضی کے بیان کا طریقہ ہے [2] اس خیال سے کہ خدا جانے مہمان کس وقت آجاتے اور ان کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑے [3] یعنی کوئی تقریب ہے، اس میں ذبح ہونا ہوگا، صحیح بخاری ص ۸۰، باب حسن المعاشرۃ۔

میں تمہارے لئے ویسا ہی ہوں، جیسا ابو زرع ام زرع کے لئے[1] لیکن عین اسں وقت جب آپ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے، دفعۃً اذان کی آواز آتی، آپ اٹھ کھڑے ہوتے، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ ہم کو پہچانتے ہی نہیں[2]۔

ساتھ کھانا | آپ اکثر حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک دسترخوان، بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے، ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ گزرے، آپ نے ان کو بھی بلا لیا، اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا[3]، اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا، کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہؓ چوستی تھیں، پیالہ میں وہیں پر منہ رکھ کر پیتے تھے، جہاں حضرت عائشہؓ منہ لگاتی تھیں[4]۔ ایک دفعہ دونوں ساتھ کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت سودہؓ شکایت لے کر پہنچیں کہ عمرؓ مجھ کو ضرورت سے بھی باہر نکلنے میں ٹوکتے ہیں[5]، راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا[6]۔

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ کی دعوت کی، آپ نے فرمایا، عائشہؓ بھی ہوں گی اس نے کہا نہیں، ارشاد ہوا تو میں بھی قبول نہیں کرتا، میزبان دوبارہ آیا، اور پھر یہی سوال و جواب ہوا، اور وہ واپس چلا گیا، تیسری دفعہ پھر آیا، آپ نے پھر فرمایا، عائشہؓ کی بھی دعوت ہے عرض کی "جی ہاں"۔ اس کے بعد آپ اور حضرت عائشہؓ اس کے گھر گئے[7]۔

---

[1] یہ واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم باب اسرار الخشوع میں نقل کیا ہے، بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ میں اس کے قریب قریب ایک حدیث ہے [2] معجم طبرانی صفحہ ۵۴ [3] ادب المفرد امام بخاری باب اکل الرجل مع امرأتہ [4] مسند جلد ۶ صفحہ ۶۴ و سنن ابو داؤد باب مواکلۃ الحائض [5] صحیح بخاری کتاب النکاح باب خروج النساء [6] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۰۲ [7] یہ واقعہ غالباً ہجرت کے اوائل سال کا ہوگا، محدثین بیان کرتے ہیں (مسلم ص ...) بقیہ بر صفحہ ۵۷

ہم سفری سفر میں تمام ازواج تو ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں، اور کسی کو خاص طور پر ترجیح دینا بھی خلافِ انصاف تھا، اس بناء پر آپ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے جن کا نام آتا وہ شرفِ ہمرہی سے ممتاز ہوتیں۔ حضرت عائشہؓ بھی متعدد سفروں میں آپ کے ساتھ رہی ہیں۔ غزوۂ بنی المصطلق میں ساتھ ہونا تو یقینی طور پر ثابت ہے، انہی میں وہ سفر بھی ہے جس میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ کے بدلنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک اور ہمسفری کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس میں حضرت عائشہؓ دوڑی تھیں۔

غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں دو عجیب واقعے پیش آئے اور دونوں میں خدائے پاک نے حضرت عائشہؓ کو امتیاز و شرف کی لازوال دولت بخشی، پہلے واقعہ کا نتیجہ حکمِ تیمم کا نزول ہے اور دوسرے واقعہ میں معصوم اور پاکباز عورتوں کی برأت کا قانون ہے، تفصیل آگے آتی ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کے سفر میں بھی حضرت عائشہؓ ہمراہ تھیں، اور حجۃ الوداع میں تو اکثر ازواج ساتھ تھیں، جن میں ایک یہ بھی تھیں۔

ساتھ دوڑنا آپ کو شہسواری اور تیر اندازی کا بہت شوق تھا، صحابہؓ کو اس کی ترغیب دیتے تھے، اور خود اپنے سامنے لوگوں سے اس کی مشق کراتے تھے، ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ رفیقِ سفر تھیں، تمام صحابہ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ سے فرمایا آؤ دوڑیں

(ص ص) کہ آپ نے تنہا دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس روز خانۂ نبوی میں فاقہ تھا، آپ نے مروت اور حسنِ اخلاق سے دور سمجھا کہ گھر میں بیوی کو بھوکا چھوڑ کر خود شکم سیر کریں، پڑوسی نے اس لئے دو دفعہ انکار کیا کہ اس کے ہاں سامان ایک ہی آدمی کے لئے تھا، تیسری دفعہ کچھ سامان کر کے حاضر ہوا، فقہاء نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بے تکلف دوستوں سے انکار دعوت یا کسی اور مہمان کے بڑھانے کے لئے اصرار کرنا جائز ہے یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الاطعمہ میں ہے، نووی بھی دیکھنا چاہیئے۔

[1] صحیح بخاری باب القرعۃ بین النساء۔ [2] مسند عائشہ جلد ۶۔

دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، یہ دُبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں، کئی سال کے بعد اسی قسم کا ایک موقع پھر آیا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اب میں بھاری ہو گئی تھی، اب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ فرمایا عائشہؓ یہ اس دن کا جواب[1] ہے۔

نازو انداز | دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کے خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں، نازو انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں لوگ ان کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں، وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے

چنانچہ اس قسم کے جو چند واقعات صحاح میں ہیں وہ اسی حیثیت کے ہیں اور ان کو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے۔ فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم اترا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (یعنی مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے، لیکن جب ارجاء کی آیت اتری، جس میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس بلائیں یا اس کے پاس رات گزاریں، اور جس کو چاہیں نہ بلائیں، تو میں نے کہا کہ "آپ کا خدا دیکھتی ہوں کہ آپ کی ہر خواہش کو جلد پوری کرتا ہے[2]"۔ حضرت عائشہؓ کے اس قول کا منشاء نعوذ باللہ اعتراض نہیں، بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے۔ خواصِ امت کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے قول کا مطلب اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشوں کو بھی پورا فرما دیتا ہے، اور اس سے مقصود اس کی جمعیت خاطر ہوتی ہے تاکہ وہ دل جمعی سے اپنے کام میں لگا رہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس اجازت الٰہی کے بعد بھی یہی رہا، آپ ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرمایا کرتے تھے[3]۔

---

[1] سنن ابی داؤد، باب السبق [2] صحیح بخاری تفسیر احزاب [3] صحیح بخاری تفسیر احزاب۔

آپ حضرت خدیجہؓ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے، جس سے دوسری مدعی محبت بیویوں کو تکلیف ہوتی تھی، ایک بار آپ اسی طرح ان کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ بول اٹھیں یا رسول اللہ! آپ کیا اس بڑھیا کا بار بار ذکر چھیڑا کرتے ہیں، خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں دی ہیں، آپ نے فرمایا مجھ کو خدا نے اسی سے اولاد دی۔ یہی روایت مسند ابن حنبل میں اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف شروع کی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا، اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے ہیں۔ آپ کو اس سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں، یہ سن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد روزی کی جب کہ دوسری بیویوں سے اولاد سے مجھے محروم کیا۔

(مسند ابن حنبل جلد ۶ مسند عائشہؓ صد ۱۱۸ و ۱۵۰)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں، تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا، اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا، تمہارے لئے دعا کرتا، عرض کی یا رسول اللہ! آپ میری موت مناتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری فصل خدیجہؓ [2] صحیح بخاری صد ۸۴۶ کتاب المرض و مسند جلد ۶ ص ۲۲۸۔

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا، اور وہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بند تھا، یہ ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، وہ ادھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا۔ آپ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا، دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا، غصہ میں فرمایا "تمہارے ہاتھ کٹ جائیں" پھر باہر نکل کر صحابہ کو خبر کی، وہ گرفتار ہو کر آیا، آپ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں، پوچھا عائشہؓ کیا کرتی ہو، عرض کی "دیکھتی ہوں کون ہاتھ کٹے گا" آپ متاثر ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے[۱]۔

ایک دن در پردہ عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دو چراگاہیں ہوں، ایک اچھوتی اور دوسری چری ہوئی، تو آپ کس میں اونٹ چرانا پسند فرمائیں گے، جواب دیا پہلی میں[۲]، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ بیویوں میں صرف حضرت عائشہؓ ہی ایک کنواری تھیں،

افک کے واقعہ میں جس کا ذکر آگے آئے گا، جب وحی سے حضرت عائشہؓ کی برأت ظاہر ہوئی تو ماں نے کہا بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو، تنک کر بولیں میں اپنے خدا کے سوا جس نے میری برأت ظاہر کی، کسی اور کی شکر گزار نہیں ہوں

آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ! جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے، ناراض ہوتی ہو تو "ابراہیم کے خدا کی قسم" اور خوش رہتی ہو تو "محمد کے خدا کی قسم" کھاتی ہو، عرض کی یا رسول اللہ! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں[۳]۔

مارگیولیوس "لائف آف محمد" میں اسی واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:-

"جب محمد ان کو (عائشہؓ کو) ناراض کرتے، تو وہ ان کو پیغمبر خدا کہنے سے انکار کر دیتی تھیں، اور ان کی وحی پر سخت نکتہ چینی کرتی تھیں[۴]"

---

[۱] مسند جلد ۶، ص ۵۲ [۲] صحیح بخاری ص ۷۶، باب نکاح الابکار [۳] صحیح بخاری صفحہ ۸۹۰، باب ما یجوز من الہجران [۴] مارگیولیوس کی لائف آف محمد ص ۲۵۱۔

یورپ کی عربی دانی، راست گوئی اور مذہبی بے تعصبی کی یہ کتنی اچھی مثال ہے![1]

خدمت گذاری گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی، لیکن حضرت عائشہؓ آپ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں[2]، آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں، بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں[3]، وضو کا پانی خود لاکر رکھتی تھیں[4]، آپ قربانی کے لئے جو اونٹ بھیجتے اس کے لئے خود قلادہ بٹتی تھیں[5]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھیں[6]، جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں[7]، آپ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں[8]، سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں[9]، مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں[10]، گھر میں آپ کا کوئی مہمان آتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں، چنانچہ حضرت قیس غفاریؓ جو صفہ والوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا چلو عائشہؓ کے گھر چلو، جب حجرہ میں پہنچے تو فرمایا عائشہؓ ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ وہ چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی تو چھوہارے کا حریرہ پیش کیا، پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا، اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں[11]۔

اطاعت اور احکام کی پیروی بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے، حضرت عائشہؓ نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپ کے کسی حکم کی کبھی مخالفت

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب لایوذی جارہ [2] صحیح بخاری واقعہ افک [3] صحیح بخاری و ابوداؤد کے شمائل ترمذی میں عام ازواج کا ذکر ہے [4] [5] صحیح بخاری کتاب الحج۔ [6] مسند جلد ۶ ص ۸۶ [7] صحیح عتکاف [8] صحیح بخاری حج [9] صحیح بخاری غسل و ابوداؤد و باب الاعادۃ من النجاسۃ یکون فی الثوب

[10] مسند احمد جلد ۶ ص ۵۴۔

[11] ابوداؤد باب الطہارۃ۔

[12] ابوداؤد کتاب الادب، شاید یہ قبل حجاب کا واقعہ ہو۔

نہیں کی، بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصوّر پردہ لٹکایا، آپ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی، فوراً تیوری پر بل پڑ گئے، حضرت عائشہؓ یہ دیکھ کر سہم گئیں، عرض کی یا رسول اللہ! قصور معاف، مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی، فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں، فرشتے داخل نہیں ہوتے، یہ سُن کر حضرت عائشہؓ نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو مصرف میں لے آئیںؓ۔ ایک صحابی کو ولیمہ کی دعوت کرنی تھی، لیکن گھر میں سامان نہ تھا، آپ نے فرمایا جاؤ عائشہؓ سے جا کر کہو کہ غلّہ کی ٹوکریں بھیج دیں، انھوں نے حضرت عائشہؓ کو آکر پیغام سُنایا، اسی وقت حضرت عائشہؓ نے پوری ٹوکریؓ اٹھوا دی اور گھر میں شام کے کھانے کو کچھ نہیں رہا۔

شوہر کی زندگی میں تو شاید بہت سی عورتیں اس صف میں حضرت عائشہؓ کی حریف نکلیں لیکن اصلی اطاعت تو بیڑیوں کے کٹ جانے کے بعد بھی اپنے کو قیدی بنائے رکھنا ہے یعنی شوہر کی وفات کے بعد بھی اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل اسی طرح کی جائے جس طرح اس کی زندگی میں کی جاتی تھی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو فیاضی کی تعلیم دی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے، اس حکم کے سُننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم تر حج سے خالی جاتا تھاؓ، ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں کچھ کپڑا اور کچھ نقد روپیہ بھیجا، پہلے واپس کر دیا، پھر لوٹا کر قبول کر لیا۔ اور فرمایا کہ ایک بات یاد آ گئی ہے، ایک دفعہ عرفہ کے دن

---

[1] صحیح بخاری کتاب اللباس باب التصاویر، [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸، [3] صحیح بخاری باب حج النساء، [4] مسند جلد ۶ ص ۲۵۹۔

روزہ سے تھیں، گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جا رہے تھے کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجئے، فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میں روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں[1]؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں[2]۔ ایک دفعہ ایک عورت نے آکر پوچھا کہ ام المومنین! مہندی لگانا کیسا ہے؟ جواب دیا میرے محبوب کو اس کا رنگ پسند لیکن بو پسند نہ تھی، حرام نہیں، تم چاہے لگاؤ۔

باہمی مذہبی زندگی حضرت عائشہؓ کا گھر ایک پیغمبر کا خلوت کدہ تھا، یہاں نہ دولت اور تمول کا سامان تھا اور نہ ان کو اس کی پرواہ تھی، اسلام دین و دنیا کا جامع ہے، گذشتہ ابواب میں زندہ دلی کے جو مناظر نظر آتے تھے، وہ صرف انسانی فطرت کے تماشا گاہ تھے، خلوت کدۂ نبوت کو اب واقعات ذیل کی روشنی میں دیکھو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دہراتے۔

لو کان لابن آدم وادیان	آدم کے بیٹے کی ملکیت میں گر دولت
من مال لابتغی وادیًا	ومال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں
ثالثًا ولا یملاء فمہ	وہ تیسرے کی حرص کرے گا اس کی حرص کے
الا التراب وما جعلنا	منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے، خدا فرماتا ہے
المال الا لاقام الصلوٰۃ	کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دلانے اور
وایتاء الزکوٰۃ ویتوب اللہ	مسکینوں کی مدد کرنے کے لئے پیدا کی ہے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۲۸ [2] مسند جلد ۶ ص ۱۳۸۔

عَلٰی مَنْ تَابَ[1] — جو خدا کی طرف لوٹے تو خدا بھی اس کی طرف لوٹے گا۔

ان الفاظ کی روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہل بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

عشا پڑھ کر آپ حجرے میں داخل ہوتے، مسواک کر کے فوراً سو رہتے، پچھلے پہر بیدار ہوتے، تہجد کی نماز ادا فرماتے[2]، جب رات آخر ہوتی، حضرت عائشہؓ کو اٹھاتے، اور وہ اٹھ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتیں، اور وتر ادا کرتیں[3]، جب صبح کا سپیدہ نمودار ہو جاتا تو آپ صبح کی سنت پڑھ کر کروٹ لیٹ جاتے اور حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتے، پھر فریضۂ صبح کے لئے باہر نکلتے[4]، کبھی رات بھر وہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے، وہ مقتدی ہوتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ بقرہ، آل عمران اور نساء وغیرہ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے، جہاں خدا سے ڈرنے والی کوئی آیت آتی، خدا کی پناہ چاہتے، جب کوئی رحمت و بشارت کا موقع آتا، خدا سے اس کی آرزو کرتے، اسی طرح یہ پُر اثر روحانی منظر تمام رات قائم رہتا[5]۔ غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے، یہ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جماعت کو نماز پڑھاتے، یہ اپنے حجرے میں کھڑی ہو کر اقتدا کر لیتیں[6]۔

نماز پنجگانہ اور تہجد کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں[7]، اکثر روزے رکھا کرتیں، کبھی وہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مل کر ایک ساتھ روزے رکھتے اور رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۵۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۵۲ [4] صحیح مسلم صلوٰۃ اللیل وبخاری باب من تحدث بعد رکعتین [5] مسند جلد ۶ ص ۹۲ [6] صحیح بخاری صلوٰۃ الکسوف [7] مسند جلد ۶ ص ۱۵۱۔

کرتے تھے، کبھی حضرت عائشہؓ بھی اس فرض میں شریک ہوجاتی تھیں، مسجد کے صحن میں خیمہ نصب کرالیتیں، صبح کی نماز پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھوڑی دیر کو وہاں آجاتے، ۱۰ھ میں حج کے لئے بھی ساتھ ہی گئیں، حج وعمرہ دونوں کی نیت کی تھی، لیکن زنانہ مجبوری سے وہ طواف سے معذور ہوگئیں توان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ رونے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لاتے تو سبب دریافت کیا اور تسلی دے کر مسئلہ بتایا، پھر اپنے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کے ساتھ جاکر باقی فرائض ادا کئے۔[1]

گھر میں فرائض نبوت تعلقات زن وشو کا یہ آخری عنوان ہے، باہمی لطف ومحبت کے جو واقعات اوپر گزر چکے ہیں، ان کو پڑھ کر ایک کورباطن خیال کرسکتا ہے کہ آپ گھر میں آکر فرائض نبوت کو بھول جاتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہؓ کا قول تم سن چکے ہو کہ وہ کیا کہتی تھیں، فرماتی تھیں کہ آپ باتوں میں مشغول ہوتے، دفعۃً اذان ہوتی آپ اٹھ جاتے، پھر یہ معلوم ہوتا کہ ہم کو پہچانتے بھی نہیں۔

آپ نے غزوہ تبوک سے جب فاتحانہ مراجعت فرمائی تو حضرت عائشہؓ نے خوشی میں خیرمقدم کے طور پر ایک مصور پرنقش ونگار پردہ آویزاں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دروازہ پر قدم رکھا چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، عرض کی یارسول اللہ! قصور معاف ہو کیا خطا ہوئی، ارشاد ہوا کہ عائشہ ہم کو خدا نے اینٹ اور مٹی کی آرائش کے لئے دولت نہیں دی۔

ایک شب آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے، اور پھر چپکے اٹھ کر ایک سمت کو روانہ ہوئے۔ حضرت عائشہؓ بھی چھپ کر پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں۔ آپ بقیع کے قبرستان میں پہنچے، وہاں ہاتھ اٹھاکر دعا میں مشغول ہوگئے، حضرت عائشہؓ چھپی کھڑی رہیں، واپسی میں آپ نے دیکھ لیا، حضرت عائشہؓ لپک کر کمرہ کے اندر داخل ہوگئیں، آپ نے پوچھا عائشہ

---

[1] صحیح بخاری باب اعتکاف النساء، نیز حج۔

یہ کیا تھا؟ چونکہ یہ تجسس میں داخل تھا، جو منع ہے، عرض کی میرے ماں باپ آپؐ قربان اور پھر سارا واقعہ بیان کر دیا۔[۱]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ایک یہودی کو جس نے آپ کو موت کی بد دُعا دی تھی، سختی سے جواب دیا، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ خدا مہربان ہے وہ نرمی کو پسند کرتا ہے، نرمی سے وہ دیتا ہے جو سختی سے نہیں دیتا، اور نہ کسی اور طرح دیتا ہے۔[۲]

گو ریشم اور سونے کا استعمال اسلام میں عورتوں کے لئے مباح ہے لیکن چونکہ دنیا کے آرائشی تکلفات سے آپ کو طبعاً نفرت تھی، اس بنا پر اپنے گھر میں اتنی حشمت کا اظہار بھی ناپسند تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے، آپ نے فرمایا، میں تم کو اس سے بہتر تدبیر نہ بتاؤں، تم ان کنگنوں کو اتار دو، اور چاندی کے دو کنگن بنوا کر ان پر زعفران کا رنگ چڑھا دو۔[۳] حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے ہم کو پانچ چیزوں سے منع فرمایا ریشمی کپڑے، سونے کے زیور، سونے اور چاندی کے برتن، سرخ نرم گدے اور کتان آمیز ریشمی کپڑے، میں نے عرض کی، اگر تھوڑا سا سونا ہو جس میں مُشک باندھا جا سکے تو کچھ مضائقہ ہے فرمایا نہیں، چاندی کو تھوڑی زعفران سے رنگ لیا کرو۔[۴]

گھر میں ہمیشہ ہر موقع پر اخلاقی نصائح کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں، اوپر گزر چکی ہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں، آپ باہر سے تشریف لائے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوسن کی بکری

---

[۱] یہ واقعہ مختلف الفاظ میں تمام احادیث میں مذکور ہے، اس وقت ہمارے سامنے نسائی باب الاستغفار للمومنین ہے [۲] صحیح مسلم باب فضل الرفق [۳] نسائی کتاب الزینۃ [۴] مسند جلد ٦ ص ۲۲۹۔ عورتوں کے لئے ریشمی کپڑے اور سونے کے زیور گو دوسری حدیثوں سے جائز ہیں، لیکن شاید خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے ان کو پسند نہیں فرمایا گیا یا یہ کہ ان میں زیادتی اور غلو کو پسند نہیں فرمایا گیا ہے۔

آکر ان کو کھا گئی، حضرت عائشہؓ دوڑیں کہ بکری کو ماریں، آپ نے روکا کہ "عائشہ! ہمسایہ کو تکلیف نہ دو[1]"

عرب میں سوسمار کھانے کا دستور تھا، لیکن آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار کسی نے اس کا گوشت تحفۃً بھیجا، آپ نے نہیں کھایا، حضرت عائشہؓ نے کہا "یا رسول اللہ محتاجوں کو نہ کھلادیں"، فرمایا "جس کو تم آپ کھانا پسند نہ کرو دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ[2]"

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

عورت کے لئے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے، حضرت عائشہؓ کی ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں، تاہم شرفِ صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے زنگ وغبار سے پاک تھے۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ نے کئی اسباب سے مختلف اوقات میں دس نکاح کئے ان میں سے ام المساکین حضرت زینبؓ جن سے ۳ھ میں نکاح ہوا تھا، صرف دو تین مہینے زندہ رہیں، باقی نو بیویاں آپ کی وفات تک زندہ تھیں، یہ بیویاں حسب ذیل سنین میں شرفِ نکاح سے ممتاز ہوئیں، اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہؓ کو کس سال تک کتنی سوکنوں سے سابقہ رہا۔

شمار	نام	نکاح کا سال
۱	حضرت سودہؓ بنت زمعہ	۱۰ نبوی
۲	حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ	۳ھ
۳	حضرت اُمِّ سلمہؓ	۵ھ

[1] ادب المفرد امام بخاری باب الایوذی جارہ [2] مسند جلد ۶ ص ۶۳۔

۴	حضرت جویریہؓ بنی مصطلق رئیس زادی	سنہ ۵ھ
۵	حضرت زینبؓ بنت جحش قریشیہ	سنہ ۵ھ
۶	حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیان	سنہ ۶ھ
۷	حضرت میمونہؓ	سنہ ۷ھ
۸	حضرت صفیہؓ خیبر کی رئیس زادی	سنہ ۷ھ

حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں گو زندہ نہ تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہی، آپ اکثر حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکرِ خیر کیا کرتے، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ "جس قدر خدیجہؓ پر مجھ کو رشک آتا تھا، کسی دوسری بی بی پر نہیں آتا تھا، اور یہ اس لئے کہ آپ اسکو بہت یاد کیا کرتے تھے" اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحفہ بھیجتے تھے، لیکن بایں ہمہ انکی فضیلت اور شرف سے حضرت عائشہؓ کو انکار نہ تھا، فرماتی تھیں کہ خدا نے اپنے رسول کی معرفت ایک بے غم و رنج بہشت کی بشارت دی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے وہ تمام کارنامے جو آغازِ اسلام سے متعلق ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دینا، مصائب میں مستقل رہنا اور مشکلات میں آپ کی دلدہی کرنا حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ سے مروی ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ گو آگے پیچھے ایک ساتھ نکاح میں آئیں، تاہم چونکہ حضرت عائشہؓ تقریباً نکاح کے بعد ساڑھے تین برس تک میکہ ہی میں رہیں، اس بنا پر اس عرصہ میں عملاً حضرت سودہؓ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا بیوی تھیں، سنہ ۱ھ میں جب حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر آئیں تو حضرت سودہؓ سوکن موجود تھیں، ان حالات میں عموماً ایک دوسرے کو اپنے حق میں خلل انداز تصوّر کر سکتی تھیں، لیکن نتائج اس قیاس طبعی کے

لہ صحیح بخاری فضائل خدیجہؓ۔

بالکل برخلاف ہیں، تمام واقعات باہمی اتحاد اور موانست کے موید ہیں، اکثر خانگی مشوروں میں وہ حضرت عائشہؓ کی رفیق تھیں۔ دو چار برس کے بعد جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو ان کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں اور شرفِ صحبت سے محروم ہو جائیں اس بنا پر انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی، اور انھوں نے خوشی سے قبول کرلی۔[1] حضرت سودہؓ کی وہ بے حد معترف تھیں، فرماتی تھیں کہ سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔ گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی۔[2]

حضرت حفصہؓ ۳ھ میں ازواج میں داخل ہوئیں، اس بنا پر تقریباً ۸ برس حضرت عائشہؓ کے ساتھ رہیں۔ ان دونوں میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پارہ جگر تھی، تو دوسری فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قرۃ العین، دونوں میں نہایت لطف و محبت تھی، تمام امور خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی، اور برابر کی شریک رہتی تھیں، دیگر ازواج کے مقابلہ میں دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں۔[3] تاہم عشق و محبت کی شریعت دوسری ہے، ع

با سایہ ترا نمی پسندم

ایک دفعہ سفر میں دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھیں، رات کو جب قافلہ چلتا، آپ حضرت عائشہؓ کی محمل میں آکر تشریف فرما ہوتے، حضرت حفصہؓ نے کہا آؤ سواری کا اونٹ بدل لیں، حضرت عائشہؓ نے ایثار سے اس کو قبول کر لیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف نہ لائے تو فطرت بشری کے مطابق ان کو سخت تکلیف ہوئی۔[4]

عقل و فہم میں حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت ام سلمہؓ تمام بیویوں میں ممتاز تھیں، صلح

---

[1] صحیح بخاری باب الہدیا و باب تحریم [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح و جواز ہبۃ نوبتہا عن تہا [3] صحیح مسلم باب جواز ہبۃ نوبتہا لضرتہا [3] بخاری باب الہدایا و باب التحریم و باب الایلاء و ترمذی مناقب صفیہؓ و نسائی باب الغیرۃ [4] صحیح بخاری القرعۃ بین النساء فی السفر۔

حدیبیہ میں قربانی کے موقع پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا[1]۔ فقہی مسئلوں اور فتووں میں بھی حضرت عائشہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے[2]۔ اسی لئے گو وہ سن رسیدہ تھیں، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قدر فرماتے تھے، ان وجوہ سے وہ حضرت عائشہؓ کی ہمسر تھیں، تاہم ایک معمولی سے اتفاقیہ واقعہ کے سوا کوئی واقعہ ان کے باہمی اختلاف کا مذکور نہیں۔ وہ اتفاقیہ واقعہ یہ ہے کہ بعض ازواج نے ان کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ لوگوں کے تحفے جہاں آپ ہوں وہیں بھیجے جائیں، عائشہؓ کی باری کی تخصیص نہ ہو، وہ یہ پیغام لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آئیں اور نہایت متانت سے اپنی درخواست پیش کی، آپ نے جواب دیا وہ خاموش ہوگئیں، حضرت عائشہؓ نے بھی یہ گفتگو سنی، لیکن کوئی آزردگی نہیں ظاہر کی[3]۔

حضرت جویریہؓ اور حضرت عائشہؓ میں بھی کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے، البتہ وہ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پہلے گھبرا اٹھی تھیں[4] کہ ان کے مقابلہ میں ان کا رتبہ کم نہ ہو جائے، لیکن آخر ان کا خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کی قدر و منزلت کے اسباب ہی کچھ اور تھے، اس کا تعلق ظاہری حسن سے کچھ نہ تھا۔

حضرت زینبؓ بنت حجش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، خوددار اور مزاج کی تیز تھیں، چنانچہ اسی لئے ان کو پہلے شوہر سے مفارقت کرنی پڑی، اس کے علاوہ وہ رشتہ میں سب بیویوں سے زیادہ آپ سے قریب تھیں، اس بنا پر وہ اپنے کو اوروں سے زیادہ عزت کا مستحق سمجھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تمام بی بیوں میں

---

[1] صحیح بخاری ذکر حدیبیہ [2] طبقات ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۲۶ [3] صحیح بخاری و مسلم، فضل عائشہؓ [4] ابن سعد ترجمہ جویریہؓ۔

یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں، بعض بی بیوں نے حضرت اُم سلمہؓ کی خاموشی کے بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بناکر بھیجا، انھوں نے بڑی دلیری سے آکر تقریر کی حضرت عائشہؓ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ جب خاموش ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر یہ کھڑی ہوئیں اور ایسی مسکت اور مدلل گفتگو کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہوکر رہ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: کیوں نہ ہو، آخر ابوبکرؓ کی بیٹی ہے؛[1]

رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے، حضرت عائشہؓ بھی مسجد کے صحن میں خیمہ کھڑا کر کے اتنے دن اعتکاف میں بسر کرتیں، ہر روز صبح کو بضرورت آپ وہاں آجایا کرتے، ایک سال جب یہ موقع آیا، اور انھوں نے حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر خیمہ کھڑا کیا تو حضرت حفصہؓ نے بھی اجازت چاہی، حضرت زینبؓ نے سُنا تو انھوں نے بھی اپنا خیمہ برابر میں لگایا، صبح اٹھ کر آپ نے دیکھا کہ مسجد کے صحن میں متعدد خیمے کھڑے ہیں، دریافت سے معلوم ہوا تو فرمایا کیا انھوں نے یہ خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے، یہ کہہ کر تمام خیمے اکھڑوا دیئے اور اس سال اعتکاف کا مہینہ بدل دیا۔[2]

ایک دفعہ شب کو حضرت زینبؓ حضرت عائشہؓ کے گھر آئیں، اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اسی اثنا میں آپ تشریف لائے تو سیدھے ایک طرف کو بڑھے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ زینبؓ ہیں، ان کو اس پر غصہ آگیا، اور کچھ بول گئیں، حضرت عائشہؓ نے بھی برابر کا جواب دیا، باہر مسجد نبوی میں حضرت ابوبکرؓ تھے، انھوں نے یہ آوازیں سُنیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ باہر تشریف لے آئیں، حضرت عائشہؓ باپ

---

[1] صحیح مسلم فضل عائشہؓ [2] صحیح بخاری باب الاعتکاف۔

کی ناراضی دیکھ کر سہم گئیں، نماز کے بعد حضرت ابوبکرؓ بیٹی کے گھر آئے، اور گو ابتدائی قصور ان کا نہ تھا، تاہم بہت کچھ سمجھایا اور تنبیہ کی۔[1]

ان چند واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے، کہ باہم ان کے دل صاف نہ تھے، جہاں چند آدمی ایک جگہ رہتے ہیں، ان میں کیسی ہی موافقت اور میل ملاپ ہو، ناممکن ہے کہ کبھی کبھی حقیقت میں یا غلط فہمی سے وقتی اور فوری رنجش نہ پیدا ہو، خاص کر جہاں عورتوں کا مجمع ہو اور وہ بھی سوکنوں کا، وہاں مختلف واقعات پر کبھی کبھی ناگواری کا پیدا ہونا عورت کی جنسی فطرت ہے، فیض صحبت انسان کو اعلیٰ ترین انسان بنا دیتا ہے، لیکن اس کی فطرت کو نہیں بدلتا، عورت کی طبعی خواہش یہ ہے کہ اس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہاں یہی چیز مفقود تھی کہ ایک ہی شمع کی سب پروانہ تھیں، تاہم محبت کا ایک ہی چراغ سب کے سینوں میں جل رہا تھا، پھر بھی اتفاقی اور فوری جذبات کو چھوڑ کر تمام سوکنوں میں لطف و مدارات کی بہتر سے بہتر مثال قائم تھی۔

یہی حضرت زینبؓ جب حلقہ ازواج میں داخل ہوئیں، تو حضرت عائشہؓ نے آپ کو مبارک باد دی۔[2] ادھر کا حال سنیئے مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہؓ پر الزام لگایا۔۔۔۔ تو بہن کی محبت میں حمنہ بنت حجش (حضرت زینبؓ کی بہن) بھی اس سازش میں مبتلا ہوگئیں، لیکن حضرت زینبؓ کا قدم حق اور صواب کے راستے سے ذرا بھی نہیں ہٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے حضرت عائشہؓ کی نسبت دریافت فرمایا، تو انھوں نے صاف کہا۔

مَا عَلِمْتُ فِيهَا اِلَّا خَيْرًا۔ خوبی کے سوا ان میں اور کچھ میں نے نہیں جانا۔

اگر وہ چاہتیں تو ایک ہی فقرہ میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں، لیکن شرف صحبت نے ان کمزوریوں سے ان کو بالا بنا دیا تھا، حضرت عائشہؓ ان کے اس احسان، در

---

[1] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات [2] صحیح بخاری تفسیر آیۃ لاتدخلوا بیوت النبی۔

خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔[1]

ایک دفعہ حضرت زینبؓ نے حضرت صفیہؓ کو یہودیہ کہہ دیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے اور دو مہینے تک ان سے کلام نہ کیا، آخر وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں کہ تم بیچ میں پڑ کر میرا قصور معاف کرا دو، اب وہی موقع حضرت عائشہؓ کو بھی حاصل تھا، لیکن انھوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگار کیا، آپ آئے تو اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت و گذشت ہو گیا۔[2]

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کی اخلاقی زندگی کو حیات جاودانی بخشتا ہے، حضرت عائشہؓ نے اپنے حریف پر یہ آب حیات بھی برسایا، بیان کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیویوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے لئے ہم لوگ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، لیکن سب سے پہلے جب زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقے سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ خیرات کیا کرتی تھیں (عربی میں مجازاً فیاضی کو طول ید سے تعبیر کرتے ہیں)

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہؓ میں ایک معاملہ کے متعلق ناگوار حد تک گفتگو پہنچ گئی تھی، حضرت عائشہؓ اس واقعہ کو دہراتی ہیں لیکن حسن نیت اور پاک باطنی دیکھو کہ ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں، کہتی ہیں کہ "اس کے بعد زینبؓ بنت جحش آئیں، تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قدر و منزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا، میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، سخی، مخیر، اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی،

[1] صحیح بخاری قصہ افک [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۵

فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی[1]۔

حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا کوئی موافق یا مخالف واقعہ احادیث میں مذکور نہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ مرض الموت میں حضرت اُم حبیبہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بلوایا، وہ آئیں تو حضرت اُم حبیبہؓ نے کہا "سوکنوں میں کچھ نہ کچھ کبھی ہو ہی جاتا ہے، اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم دونوں کو معاف کرے" حضرت عائشہؓ نے کہا "خدا سب معاف اور اس سے تم کو بری کرے" حضرت ام حبیبہؓ نے کہا، تم نے مجھے اس وقت مسرور کیا، خدا تم کو بھی خوش رکھے[2]۔

حضرت میمونہؓ کی نسبت بھی احادیث میں کچھ مذکور نہیں، رجال کی کتابوں میں ہے کہ جب انھوں نے وفات پائی، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا "وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں[3]"۔

حضرت صفیہؓ صرف تین برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہیں اور عام امہات المومنین سے وہ بیگانہ بھی تھیں، کیونکہ وہ خیبر کی رہنے والی اور نسلاً یہودیہ تھیں، خیبر ہی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، خیبر کی واپسی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محمل میں سوار ہوئیں کہ مدینہ کے پاس آکر محمل کی رسی ٹوٹ گئی اور محمل گر پڑا، مدینہ میں خبر ہوئی تو لونڈیاں تک دیکھنے آئیں اور اس واقعہ کو حضرت صفیہؓ کی نحوست سمجھ کر ان کو بُرا بھلا کہنے لگیں[4]۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے اُن کو ایک انصاریہ کے گھر اتارا، مختلف اسباب سے ان کی آمد اہم ہو گئی تھی، اکثر عورتیں اُن کو دیکھنے کو گئیں حضرت عائشہؓ بھی چھپ کر نقاب پوش بھیڑ میں کھڑی ہو گئیں، بایں ہمہ وہ چھپ نہ سکیں

---

[1] صحیح مسلم باب فضل عائشہ و نسائی باب حب النساء۔ [2] ابن سعد جزء نساء ص ۷۱، [3] تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۱۲ ص ۴۵۳ [4] صحیح مسلم فضیلۃ اعتاق امتہ ثم تیزوجہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا، وہ شرما کر واپس چلیں، تو آپ بھی ان کے ساتھ اٹھے، قریب پہنچ کر پوچھا "عائشہ! کہو تم نے کیا پایا؟" بولیں کہ "ہاں یہودیہ ہے"۔ آپ نے فرمایا "یہ نہ کہو وہ مسلمان ہوگئی ہے"۔

حضرت صفیہؓ کو کھانا پکانے میں خاص سلیقہ تھا، خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے بہتر کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا، ایک دن دونوں نے آپ کے لئے کھانا پکایا، حضرت صفیہؓ کا کھانا جلد تیار ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تھے، انھوں نے وہیں ایک لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا، حضرت عائشہؓ اپنی محبت کی بربادی کو دیکھ کر جھنجلا اٹھیں، اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، آپ خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چننے لگے، اور خادم سے فرمایا کہ "تمہاری ماں کو غصہ آگیا"۔ چند لمحوں کے بعد حضرت عائشہؓ کو اپنے فعل پر خود ندامت ہوئی، عرض کی، "یا رسول اللہ! اس جرم کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے"؟ آپ نے فرمایا، ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا، چنانچہ نیا پیالہ اُن کو واپس کیا گیا[۱]۔

حضرت صفیہؓ ذرا پست قد تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! بس کیجئے صفیہؓ تو اتنی ہیں"۔ آپ نے فرمایا "عائشہ تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر کے

---

[۱] ابن سعد ترجمہ صفیہ۔ یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اور اس سے فقہ کا ایک بڑا اصول مستنبط کیا گیا ہے کہ تاوان کس طرح ادا ہونا چاہیئے (بخاری کتاب المظالم و باب الغیرۃ) مسلم و ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت میں اُمہات المومنین کے نام مذکور نہیں ہیں، لیکن مسند ابن حنبل، ابوداؤد اور نسائی میں خود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں ناموں کی تصریح ہے (ابوداؤد کتب البیوع نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ و مسند جلد ۶) قصہ کی پوری تصویر تمام روایتوں کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتی ہے، نسائی کی ایک روایت میں اور نیز معجم طبرانی (حدیث علی بن اسحٰق ص ۱۱۸) میں دوسری بیوی کا نام اُم سلمہ مذکور ہے۔

پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ میں نے تو ایک شخص کی صورت حال بیان کی، ارشاد ہوا کہ اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی میں کسی کی نسبت کوئی بات نہ کہوں۔ اس امر کا ثبوت کہ یہ وقتی امور دوامی محبت و قدر شناسی میں عائق نہ تھے، یہ ہے حضرت صفیہؓ اور حضرت عائشہؓ ایک ہی ٹولی میں تھیں اور باہم ایک دوسرے کی حامی تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنی سوکنوں کے ساتھ کس لطف، کس انصاف اور کس عزت کا برتاؤ کرتی ہیں، اور کس کھلے دل سے ان کی خوبیوں اور نیکیوں اور تعریفوں کا اظہار کرتی ہیں، کبھی کبھی بشری فطرت سے کوئی خلاف فعل سرزد ہو جاتا ہے تو کس قدر جلد نادم ہو جاتی ہیں سوکنوں پر حملہ کرنے میں بھی پہل نہیں کرتیں، ہاں کوئی پہل کرتی ہے تو وہ چپ بھی نہیں رہتیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تعریف میں کمی نہیں کرتیں۔

مشتبہ اور غلط روایات عام طور سے سوکنوں کے درمیان خلوص اور محبت کا رواج بہت کم ہے لیکن حریم نبوت کی حجلہ نشینوں سے جن اخلاقی خوبیوں کی دنیا توقع کر سکتی ہے بحمد اللہ کہ وہ اس توقع میں ناکامیاب نہیں، واقعات میں کہیں کہیں جو بدنمائی ہے وہ درحقیقت یا منافقوں کی بنائی ہوئی ہے یا بعض ناعاقبت اندیش فرقوں کی جاہلانہ کوشش ہے، چنانچہ عہد نبوی میں ایک عورت تھی، سیر اور رجال کی کتابوں میں اس کی نمایاں خصوصیت یہ لکھی ہے کہ "ازواج مطہرات کو باہم لڑایا کرتی تھی" كانت تحرش بين ازواج النبى صلى الله عليه وسلم اور اس گناہ کا وہ[۱] خود اعتراف کرتی تھی، لوگوں نے پوچھا تمہاری بات کو وہ سچ کیونکر جانتی تھیں، اس نے کہا سچ نہ جانتیں تو میں کہتی کیونکر۔"

اوپر جو روایتیں گزر چکی ہیں، گو وہ صرف صحاح سے ماخوذ ہیں، تاہم ان میں جہاں بھی کچھ بدنمائی ہے، اگر غور کیا جائے تو دفعۃً تمام بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ پیالہ توڑنے کا واقعہ تمام

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الہبہ ایامنہ اصابہ ابن حجر ذکر ام حبیبہ مدح۔

حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن بخاری و مسلم میں کہیں بھی حضرت عائشہؓ کا نام مذکور نہیں ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور بعض کم درجہ کتابوں میں راوی حضرت عائشہؓ کا نام لیتے ہیں، اور لطف یہ کہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کرتے ہیں، اس طریقہ کی اول راوی جسرۃ بنت دجاجہ ہے جس کی محدث عجلی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے، تاہم اس کے متعلق امام بخاری کی یہ رائے ہے۔

عند جسرۃ عجائب۔ جسرہ کی روایتوں میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔ (تہذیب)

ابن حزم نے اس کی حدیث کو باطل کہا ہے۔ (تہذیب)

دوسرا راوی فلیت عامری (یا افلت عامری) ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اس کی بھی توثیق کی ہے، لیکن اکثر ائمہ فن کی یہ رائیں ہیں۔

امام احمد۔ لا باس بہ میں اس کی روایت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا (یعنی کسی قدر ضعیف ہے)

امام احمد۔ (یہ روایت خطابی دلغوی) مجہول الحال ہے۔

ابن حزم۔ غیر مشہور ہے، ثقاہت کے ساتھ معروف نہیں ہے، اور اس کی ایک خاص حدیث باطل ہے۔

شب کے وقت حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ کی باہمی سخت گفتگو کی روایت گو صحیح مسلم میں ہے لیکن ذرا ان حالات کو پیش نظر رکھئے، اس واقعہ کے راوی اول حضرت انسؓ ہیں، جو ۵ھ سے امہات المومنین کے حجروں میں نہیں جاتے تھے۔ یہ واقعہ ۵ھ کے بعد کا ہے، یہ واقعہ زنان خانہ میں پیش آیا جہاں وہ موجود نہ تھے۔ اس لئے سلسلۂ روایت اخیر راوی تک نہیں پہنچتا، اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ مسجد نبوی میں موجود تھے اور اندر سے آوازیں آرہی تھیں جن کو وہ سُن رہے تھے، تو اس رات کے وقت میں جب کہ اول تو وہ حجرہ کے

اندر موجود نہ تھے، اور دوسرے یہ کہ وہاں چراغ نہ تھا، وہ کیونکر دیکھ سکے کہ آپ نے کدھر ہاتھ بڑھایا، اور کیا واقعہ پیش آیا، اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت عائشہؓ کے دل کی بات کیونکر جان لی کہ وہ ڈر گئیں، کہ اب والد ضرور آکر مجھ کو تنبیہ کریں گے، اس لئے یہ روایت کسی قدر غیر محتاطانہ معلوم ہوتی ہے،

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آپ نے سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ عائشہؓ اور حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم آپ کی نظر میں زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیویاں بھی ہیں اور چچازاد بہنیں بھی، آپ نے تسلی دی، اور فرمایا، تم نے نہیں کہا کہ مجھ سے زیادہ معزز کیونکر ہو سکتی ہو میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسےؑ ہیں، اس روایت کو تمام اہل سیر نقل کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد اس روایت کے متعلق امام ترمذی کی جو رائے ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے:۔

ھذا حدیث غریب لا نعرفہ	یہ حدیث غریب ہے، ہاشم کوفی کے
الا من حدیث ھاشم الکوفی و	سوا کسی اور طریقہ سے ہم لوگ اس کو
لیس اسنادہ بذاک۔	نہیں جانتے اور اس کی سند کچھ ایسی
(فضل ازواج النبی)	نہیں ہے۔

ہاشم کوفی کی نسبت محدثین کی یہ رائے ہے:۔

امام احمد۔ لا اعرفہ۔ میں اس کو نہیں جانتا۔

ابن معین۔ لیس بشئ۔ یہ کچھ نہیں۔

ابو حاتم۔ ضعیف الحدیث، ضعیف الحدیث ہے۔

ابن عدی۔ مقدار مایرویہ لایتابع علیہ، ان کے دوسرے ساتھی ان کی تصدیق اور تائید نہیں کرتے،

اس کے بعد حضرت انسؓ کی جو حدیث ہے، اس میں حضرت عائشہؓ کا نام نہیں،

مسند ابن حنبل میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بیٹھی تھیں، رات کا وقت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، حضرت ام سلمہؓ کو نہیں پہچانا، حضرت عائشہؓ چپکے چپکے اشارہ کر رہی تھیں، اور آپ نہیں سمجھتے تھے۔ آخر آپ بھی سمجھ گئے، حضرت ام سلمہؓ بہت برہم ہوئیں اور حضرت عائشہؓ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور اٹھ کر حضرت فاطمہؓ کے پاس گئیں کہ "عائشہؓ تم کو یہ کہتی ہے، یہ کہتی ہے ......" اس حدیث کا دوسرا راوی علی بن زید تیمی ہے، اس کے متعلق ائمہ فن کے اقوال سنو۔

ابن سعد۔ فیہ ضعف ولا یحتج بہ۔ اس میں ضعف ہے، اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔

امام احمد۔ لیس بالقوی، لیس بشئ، ضعیف الحدیث، قوی نہیں، کچھ نہیں، ضعیف ہے۔

یحیٰی۔ ضعیف، ضعیف فی کل شئ، ضعیف ہے، ہر چیز میں ضعیف ہے۔

جوزانی۔ واھی الحدیث، واہی ہے۔

حاکم۔ لیس بالمتین عندھم، محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

ابوزرعہ۔ لیس بالقوی، قوی نہیں۔

امام بخاری۔ لا یحتج بہ، اس سے حجت لانا جائز نہیں۔

اس قسم کی تصریحات اور ائمہ کی بھی ہیں، ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں "وہ جو حدیثیں آج سناتے ہیں وہ کل اور ہو جاتی تھیں"۔[1]

سیر کی عام کتب میں اور اس قسم کے چند واقعات ملیں گے جن کا زیادہ تر ذخیرہ واقدی اور کلبی کے مزخرفات سے فراہم کیا گیا ہے، مثال کے لئے ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں:۔

احادیث میں ہے کہ آپ نے ایک قبیلہ کی رئیسہ سے نکاح کیا، جب وہ مدینہ آئی اور آپ

---

[1] یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال سے ماخوذ ہیں۔

حجلۂ عروسی میں گئے تو فرمایا "تم اپنے آپ کو میرے حوالہ کرو"، اس نے کہا، کیا ایک شہزادی اپنے آپ کو ایک رعایا کے حوالہ کر سکتی ہے"، آپ نے اس کی تسکین کے لئے اس کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے کہا میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، آپ نے فرمایا "تم نے بڑے کی پناہ مانگی" ...... یہ کہہ کر واپس چلے آئے اور اس کو رخصت کر دیا۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، ابن سعد، ہشام بن محمد سے راوی ہیں کہ اس کو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے سکھایا تھا کہ تم اس طرح کہنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنے سے خوش ہوتے ہیں، ہشام بن محمد کون بزرگ ہیں، دنیا ان کو کلبی کے نام سے جانتی ہے ان کے مخصوص صفات یہ ہیں، متروک، غیر ثقہ، رافضی۔

امام احمد فرماتے ہیں۔

انما کان صاحب سمر ونسب ما	یہ ایک نسب دان اور داستان گو تھا
ماظننت ان احدا یحدث عنہ	میں نہیں جانتا کہ کوئی اس سے حدیث
(میزان)	روایت کرنا گوارا کرے گا۔

صحیح بخاری (کتاب الاشربہ) میں یہ تصریح مذکور ہے، کہ یہ خاتون آپ کو پہچانتی نہ تھی اس لئے یہ گستاخی کی اور جب بعد کو اس کو معلوم ہوا کہ یہ آپ تھے، تو اس نے سر پیٹ لیا، خود حضرت عائشہؓ بھی اس بدنصیب کا قصہ بیان کرتی ہیں، لیکن یہ نہیں کہتیں کہ یہ میری تعلیم تھی، حالانکہ ان کی آزاد بیانی اور اگر اپنا جرم ہو، تو روایت میں اس کا اعتراف مشہور ہے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الطلاق۔

[2] صحیح بخاری آخر کتاب الاشربہ۔

[3] صحیح بخاری کتاب الطلاق۔

[4] دیکھو ان کے اخلاق و عادات کا بیان نیز روایت حدیث کا باب۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضرت عائشہؓ کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِ کلثوم، حضرت فاطمہؓ زہرا۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے سوا اور سب اپنی اپنی سسرال جا چکی تھیں، اس کے علاوہ ان میں حضرت رقیہؓ کا ۲ھ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے ایک سال کے بعد انتقال ہو گیا، البتہ حضرت زینبؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ نے بہ ترتیب ۸ھ و ۹ھ میں وفات پائی اور سات آٹھ برس ان کے سامنے زندہ رہیں، تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں۔

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ جو راہِ الٰہی میں شہید ہوئیں، ان کی نسبت حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا "وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی، جو میری محبت میں ستائی گئی"[1] حضرت زینبؓ کے بطن سے ایک لڑکی امامہ نام تھی۔ آپ ان کو بہت پیار کرتے تھے، ان کو گود میں لے کر مسجد جاتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے[2] تو ان کو کندھے پر بٹھا لیتے تھے، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ کو اس سے بہت محبت تھی، کہیں سے ایک ہار آیا تھا، عورتوں نے کہا یہ عائشہؓ کی قسمت کا ہے، لیکن آپ نے وہ امامہ کو عطا فرمایا[3]۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہؓ گو کنواری تھیں، لیکن ان سے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں، غالباً ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم، دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ رہی ہوں گی۔ ۲ھ کے بیچ میں وہ حضرت علیؓ سے بیاہ دی گئیں، شادی کے لئے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا، ان میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم ترجمہ زینبؓ [2] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ [3] مسند جلد ۶ ص ۱۰۱۔

کے حکم سے انھوں نے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا، مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کیے، لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا[1]، شادی کے بعد حضرت فاطمہؓ جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا، بیچ میں ایک دریچہ تھا، جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہوتی تھی[2]۔

حدیث کی کتابوں میں کوئی صحیح واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ ماں بیٹی کے دل باہم صاف نہ تھے حدیثیں تمام تر اسی کی مؤید ہیں کہ دونوں میں یک جہتی، محبت اور میل ملاپ تھا، حضرت فاطمہؓ سسرال میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے کرتے تھک گئی تھیں ایک لونڈی کی درخواست کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو ماں ہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں[3]، بیٹی کا برتاؤ یہ تھا کہ جب دوسری ماؤں نے حضرت عائشہؓ کے مقابل میں سفیر بنا کر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور انھوں نے ان کی طرف سے درخواست پیش کی ہے اور آپ نے فرمایا ہے "بیٹی جس کو میں چاہوں، اس کو تم نہیں چاہوگی" تو فوراً شرما کر واپس چلی آئیں، اور پھر ماؤں کے دوبارہ اصرار سے بھی درخواست کے لئے نہیں گئیں[4]۔

بیٹی کی تعریف میں کہتی ہیں "میں نے فاطمہؓ سے ان کے باپ کے سوا کوئی اور بہتر انسان کبھی نہیں دیکھا[5]، ایک تابعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟" بولیں "فاطمہ"! کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہؓ سے زیادہ نشست و

---

[1] بخاری تفصیل ابن ماجہ باب الولیمہ میں ہے [2] خلاصۃ الوفا فصل رابع [3] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب عمل المرأۃ فی بیت زوجہا و مسند ابوداؤد طیالسی مسند علی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [4] صحیح بخاری [5] زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی علی شرط الشیخین ۔

برخاست کے طور طریقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا، جب آپ کی خدمت میں وہ آتیں آپ سروقد کھڑے ہو جاتے، پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، اسی طرح جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں، باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔[1] وہ خاص حدیث جس میں حضرت فاطمہؓ کے اہلِ بیت اور آلِ عبا میں ہونے کا ذکر ہے، وہ حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ سے مروی ہے۔[2]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن ہم سب بیویاں آپ کے پاس بیٹھی تھیں، کہ فاطمہؓ سامنے سے آئیں، بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی، ذرا بھی فرق نہ تھا، آپ نے بڑے تپاک سے بلا کر پاس بٹھا لیا، پھر چپکے چپکے ان کے کان میں کچھ کہا، وہ رونے لگیں، ان کی بے قراری دیکھ کر آپ نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا، وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا "فاطمہؓ! تمام بیویوں کو چھوڑ کر صرف تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو" آپ جب اٹھ گئے تو میں نے واقعہ دریافت کیا بولیں "میں باپ کا راز نہیں فاش کروں گی"، جب آپ کا انتقال ہو گیا تو میں نے دوبارہ کہا "فاطمہؓ! میرا جو تم پر حق ہے، اس کا واسطہ دیتی ہوں، اس دن کی بات مجھ سے کہہ دو" انھوں نے کہا ہاں اب ممکن ہے، میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی، ہنسنے کا باعث یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ "فاطمہؓ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہو"۔[3]

اس حدیث سے دونوں ماں بیٹی کے تعلقات کتنے خوشگوار نظر آتے ہیں، یہ حضرت فاطمہؓ کے اخیر عمر کا واقعہ ہے، اس سے ثابت ہو گا کہ میراث اور فدک کے جھگڑوں نے ان

---

[1] جامع ترمذی باب المناقب میں دونوں حدیثیں ہیں [2] صحیح مسلم باب الفضائل۔

[3] ایضاً و صحیح بخاری باب من ناجی بین یدی الناس۔

پاک روحوں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا اور نہ کوئی اور خانگی آزردگی کا واقعہ ان کے شیشۂ خاطر کو مکدر کر سکا تھا۔

غلط اور مشتبہ روایات مسند ابن حنبل میں انہی بزرگ سے جنھوں نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ شب کے وقت حضرت اُم سلمہؓ حضرت عائشہؓ کے گھر آئیں اور باہمی سخت کلامی کی نوبت آئی، مروی ہے کہ اس کے بعد حضرت اُم سلمہؓ اٹھ کر فاطمہؓ کے گھر گئیں اور ان سے جا کر کہا کہ عائشہؓ تم کو بُرا بھلا کہتی ہے، حضرت علیؓ کے مشورے سے وہ آپ کی خدمت میں دوڑی آئیں اور شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم وہ تمہارے باپ کو پیاری ہے" حضرت علیؓ نے کہا "عائشہؓ نے پہلے جو کچھ کہا وہ کافی نہ تھا، جو جلانے کو، یہ بھی کہہ دیا کہ خدا کی قسم وہ تمہارے باپ کو پیاری ہے"[1]

یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہؓ کی منقبت میں ہے، لیکن اس تصویر کو غور سے دیکھو تو نظر آئے گا کہ نامعقول راوی نے ازواج مطہرات کے اخلاق کا کتنا بدنما نقشہ کھینچا ہے، اس ہجو ملیح کا سرچشمہ علی بن زید تیمی ہے، جو ضعیف، واہی، ناقابلِ حجت ہونے کے ساتھ رافضی بھی تھا۔[2]

یحییٰ نے اپنی مسند میں عیسیٰ بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک دریچہ کھلتا تھا، آپ اس دریچہ سے ان کی خیریت پوچھ لیا کرتے تھے، ایک دفعہ شب کو آپ گھر میں رونق افروز نہ تھے، اسی دریچہ سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کچھ گفتگو ہو گئی، آخر حضرت فاطمہؓ کی درخواست پر آپ نے یہ دریچہ بند کرا دیا۔[3]

ابن عبد الحمید اور عیسیٰ بن عبد اللہ دونوں صاحب جو اس واقعہ کے راوی ہیں، علاوہ اس کے کہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، شیعہ بھی ہیں۔ گو اہلِ فن کے نزدیک شیعہ ہونا ضعف کا سبب نہیں، تاہم یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں ان کی شہادت کبھی قبول نہیں ہو سکتی۔

---

[1] ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۳۰۔ [2] تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ [3] مقدمہ ہدی الساری فصل ۹، ص ۲۰۲، مصر، بحوالہ یحییٰ۔

واقعہ افک

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ مکہ سے بالکل مختلف تھیں، مدینہ میں منافقوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جو ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا، انسان کے لئے سب سے بڑی چیز آبرو ہے، اور اس پر حملہ بڑے کمینہ دشمن کا کام ہے لیکن یہاں اسلام کو جیسے مخلص، وفاشعار اور محبت والے دوست ملے تھے، اسی قسم کے نفاق پرور، عداوت پیشہ اور غدار دشمن بھی ہاتھ آتے تھے، اس قسم کے غلط اور خلافِ آبرو واقعات کی تشہیر اور باہمی خانہ جنگی کے اسباب کی فراہمی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، اگر خدانخواستہ توفیق الٰہی شاملِ حال نہ ہوتی تو ان کی خانہ برانداز کوششیں پہلے ہی کئی بار صحابہ کے درمیان تفریق بلکہ خونریزی میں کامیاب ہو چکی ہوتیں۔

ان کوششوں کی سب سے ذلیل مثال افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے۔ معلوم ہے کہ اس منافق گروہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے اس بنا پر حرم نبوت اور بارگاہ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا، جن کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور کچھ آگے آئیں گی۔

نجد کے قریب مریسیع نام بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا، شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آرا ہوتے تھے، چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہاں کوئی خونریز جنگ نہیں ہو گی، اس لئے منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک ہو گئی تھی، ابن سعد کی روایت ہے۔

وخرج معہ بشر کثیر من المنافقین لم یخرجوا فی غزاۃ قط مثلہا[1]۔	اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی، جو کسی اور غزوہ میں نہیں ہوئی۔

[1] ابن سعد جز مغازی ص ۴۵ لیڈن۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہراتؓ میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا. وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں، اسی طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہؓ ہم رکابی میں تھیں، چلتے وقت اپنی بہن اسماء کا ایک ہار عاریۃً پہننے کو مانگ لیا تھا، وہ ان کے گلے میں تھا، ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چودہ برس کی تھی، یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کے نزدیک معمولی سا زیور بھی وہ گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کر لی جا سکتی ہے۔

سفر میں حضرت عائشہؓ اپنے محمل پر سوار ہوتیں، ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اور چل کھڑے ہوتے تھے، اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں۔

سفر سے واپسی میں کئی بار منافقین نے شرارتیں کیں، ایک دفعہ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں کھینچ کھینچ کر باہم کٹ مریں، آخر مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا گیا، ان شریروں نے انصار کو سمجھایا کہ وہ اسلام کی مالی خدمت چھوڑ دیں، عبداللہ بن اُبیّ نے جو ان کا رئیس تھا، برملا کہا:-

لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن	اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو معززین ان ذلیل
الاعز منہا الاذل (منافقون ۱)	لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کر کے اس واقعہ کی اطلاع دی، تو گو وہ اس جرم میں شریک نہ تھے، تاہم ان کو ندامت ہوئی، اور عبداللہ بن اُبیّ کی طرف سے ایک عام نفرت پیدا ہوگئی، خود اس کے بیٹے نے جب یہ سنا تو باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا "جب تک تم یہ اقرار نہ کر لو کہ ذلیل تم ہو اور معزز محمد ہیں، میں تم کو نہیں

چھوڑوں گا۔"

ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا، پچھلے پہر وہ پھر روانگی کو تیار تھا حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں، فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا، دیکھا تو ہار نہ تھا، ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز، گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں، سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈھ کر واپس آجاؤں گی، اس بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا، ادھر قافلہ چل چکا تھا، پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا، مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے، صفوانؓ بن معطل ایک صحابی تھے، جو ساقہ (ریر گارڈ) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سواد نظر آیا، حکم حجاب سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا، انھوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تھا، دیکھتے ہی پہچان لیا، پاس آکر اناللہ پڑھا، آواز سن کر حضرت عائشہؓ سوتے سے چونک پڑیں، صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا، اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا، قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے نظر آیا، صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی، اور حضرت عائشہؓ محمل میں سوار تھیں، یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں

---

[1] ابن سعد جزء مغازی ص ۴۵، صحیح بخاری و فتح الباری تفسیر سورۃ منافقین، نسائی میں ہے کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے، لیکن بخاری میں حضرت جابرؓ کی جو حدیث ہے کہ اس وقت مہاجرین انصار سے کم تھے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، ابن ابی حاتم اور تمام ارباب مغازی متفق ہیں کہ غزوہ مریسیع میں یہ واقعات پیش آئے، فتح الباری جلد ۸ ص ۴۰۴، ۴۹۶، ۴۹۸

پیش آتا ہے، آج ریل کے زمانہ میں بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں۔

ہندوؤں میں سیتا پر اور بنو اسرائیل میں مریمؑ پر جو کچھ گزری، اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا، عبداللہ بن اُبی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب وہ پاکدامن نہ رہیں، جا بجا اس چیز کو پھیلانا شروع کیا، نیک دل مسلمانوں نے اس آواز کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ سبحان اللہ ھذا بہتان عظیم، حضرت ابوایوبؓ نے اپنی بیوی سے کہا، "ام ایوبؓ اگر تم سے یہ کوئی کہتا کیا تم مان لیتیں"۔ بولیں "استغفر اللہ کسی شریف کا بھی یہ کردار ہے" حضرت ابوایوبؓ نے کہا، تو عائشہؓ تم سے کہیں زیادہ شریف ہیں، کیا ان سے ایسا ہو سکتا ہے عبداللہ بن اُبیّ کے علاوہ مدینہ میں تین اور آدمی بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئے، حسانؓ بن ثابت، حمنہؓ بنت جحش اور مسطحؓ بن اثاثہؓ، حالانکہ ان میں سے دو اول الذکر اس سفر میں شریک تک نہ تھے، حضرت حسانؓ کو معاذ اللہ واقعہ کی صحت سے بحث نہ تھی انکو صفوانؓ کی بدنامی پر مسرت تھی، ان کو ملال تھا کہ بیرونی لوگ ہمارے گھر آ کر ہم سے زیادہ معزز کیوں بن گئے، چنانچہ ایک قصیدہ میں انھوں نے اس کا ماتم کیا ہے[۱]۔

امسیٰ الجلابیب قد عزوا وقد کثروا	ابن الفریعۃ امسیٰ بیضۃ البلد
بس قدر معزز ہو گئے اور کتنے بڑھ گئے	اور فریعہ کا بیٹا (حسان) اتنا ذلیل ہو گیا

حمنہ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن تھیں، وہ سمجھیں کہ اس طرح حضرت عائشہؓ کو زک دے کر اپنی بہن کو بڑھنے کا موقع دلائیں گی، مسطح سے البتہ تعجب ہے، کہ اول تو حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز تھے، پھر ان ہی کا دست فیض ان کے قوت کا سامان تھا۔

دنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں، یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے، غلط سی غلط بات بھی جب کسی آبرودار

---

[۱] ابن ہشام، ذکر افک و دیوان حسان نیز صحیح بخاری و مسلم حدیث افک۔

اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شر پر کمر بیٹھا ہے تو وہ یا شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے۔ اب تک ناصرۂ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھی، اتفاقاً ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کو آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی، حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک صحابی کو گالی دیتی ہو، مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا، سننے کے ساتھ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئی اور یوں ہی لوٹ آئی، تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا، سیدھی میکہ آئیں، ماں سے پوچھا تو انھوں نے تسکین دی، اتنے میں ایک انصاریہ آگئی، اس نے پوری داستان دہرائی، اب شک کا کیا موقع تھا، سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں، والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر گھر رخصت کیا، یہاں پہنچ کر شدت کا بخار اور لرزہ آیا، اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذرا سی بات سے بدگمان ہوتا ہے، آپ باہر سے تشریف لاتے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے، حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پر نہیں، اس بنا پر اجازت لے کر وہ پھر میکہ چلی آئیں، دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے، کہتی ہیں کہ نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا، باپ لطف و محبت سے سمجھاتے تھے کہ روتے روتے تمہارا کلیجہ نہ پھٹ جائے، ماں دلاسا دیتی تھی کہ بیٹی! جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دیں۔

صفوانؓ کو حضرت حسانؓ کی اس ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے تلوار ہاتھ میں لے کر حضرت حسان کی تلاش میں نکلے۔ اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا۔

تلقّ ذباب السیف منی فاننی غلامٌ اذا ھوجیت لست بشاعر

تو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں، جب میری ہجو ہو، میں شاعر نہیں،

وہ پکڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر کئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں حضرت حسانؓ کو جائیداد عنایت فرمائی،

گو ام المومنینؓ کی بے گناہی مسلّم تھی، تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لئے تحقیق ضرور تھی، آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت اسامہؓ نے تسکین دی اور حضرت عائشہؓ کی برأت کی، حضرت علیؓ نے کہا "دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں" (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پرواہ ہو تو طلاق دے دیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجئے وہ سچ سچ بتادے گی، اس سے کنایۃً پوچھا گیا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ بھی نہ سکی، وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی، بولی کہ اور تو کوئی برائی نہیں، ہاں بچپن ہے، سوتی ہیں تو بکری آٹا کھا جاتی ہے، آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا، اس نے کہا "سبحان اللہ خدا کی قسم جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے، اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں" بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو مارا بھی، حضرت علیؓ کے اس تشدد سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہؓ کو اس سے آزردگی ہوئی ہوگی، بنو امیہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت علیؓ پر جو الزامات قائم کئے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا، لیکن امام زہری نے عین وقت پر نہایت بہادری سے اس کی تردید کی، سوکنوں میں حضرت زینبؓ کو حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعوےٰ تھا، اور ان کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھیں، اس لحاظ سے آپ نے ان کی رائے بھی دریافت کی، انھوں نے کان پر ہاتھ رکھا کہ عائشہؓ میں بھلائی کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتی، اس کے بعد آپ نے مسجد میں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوت کی پاکی و طہارت اور عبداللہ بن اُبیّ کی خباثت کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا۔

"مسلمانو! اس شریر کو میری طرف سے کون سزا دے گا، جس کی نسبت مجھے معلوم ہوا ہے

کہ اہل بیت پر عیب لگاتا ہے، قبیلہ اوس کے رئیس حضرت سعدؓ بن معاذ نے اٹھ کر کہا۔ یا رسول اللہ، اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ابھی اس کا سر اڑا دیں گے، اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہے تو آپ حکم دیجئے ہم تعمیل ارشاد کو تیار ہیں۔

اوس و خزرج کی باہمی عداوت اور معرکہ آرائی پشت ہا پشت سے چلی آتی تھی، اسلام نے آکر اس فتنہ کو دبا دیا تھا، لیکن وہ آگ ابھی تک راکھ کے نیچے دبی تھی، ہلکے سے جھونکے سے بھی وہ بھڑک اٹھتی تھی، خزرج کے رئیس سعدؓ بن عبادہ کو یہ برا معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت جو چاہتے کہہ سکتے تھے، لیکن ان کو دوسرے کے قبیلہ کے معاملہ میں دخل دینے کا حق کیا تھا؟ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت حضور میں خود عرض کرتے۔ اور اتفاق یہ کہ شریر اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، اور ابھی حسان کا واقعہ گزر چکا تھا، اس لئے انھوں نے سعد بن معاذ کو خطاب کر کے کہا "تم تو قتل نہیں کر سکتے تم میں یہ قدرت نہیں"۔ ابن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے برابر سے ٹوکا کہ "سعد یہ کیا منافقانہ پن ہے، منافقوں کی طرف داری کرتے ہو"۔ معاملہ نے طول پکڑا اور قریب تھا کہ دونوں قبیلے تلواریں سونت کر سامنے آجائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو چپ کیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

یہاں سے اٹھ کر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے وہ بستر علالت پر پڑی تھیں، آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں۔ والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے، آپ قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہؓ سے خطاب کر کے فرمایا، عائشہؓ اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو، خدا قبول کرے گا، ورنہ خدا خود تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا، والدین کو اشارہ کیا کہ آپ کو جواب دیں، لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعۃً خشک ہو گئے۔ ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا، دل نے اپنی برأت کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا، پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں "اگر میں اقرار کر لوں، حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس الزام

کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا" اگر انکار کروں تو لوگ کب باور کریں گے؟
میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ (کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آیا)
کا سا ہے جنھوں نے کہا تھا، فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ۔

منافقوں نے اس فتنہ انگیزی سے جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے، یعنی۔

(۱) (نعوذ باللہ) پیغمبر اور صدیق کے نام کی اہانت اور بدنامی۔

(۲) خاندان نبوی میں تفریق،

(۳) اسلام کے برادرانہ اتحاد اور اجتماعی قوت میں رخنہ ڈالنا،

وہ سب ایک ایک کر کے حاصل ہو چکے تھے۔

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو، بالآخر وہ گویا ہوئی، حضرت عائشہؓ
کہتی ہیں کہ "آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، پیشانی پر پسینے
کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے، اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ
مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ
خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا
اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى
كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔
لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا
هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ
بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔

جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں
سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو، بلکہ اس
میں تمہاری بہتری تھی (کہ مومنین اور منافقین
کی تمیز ہو گئی) ہر شخص کو حصہ کے مطابق گناہ
اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس کو بڑا
عذاب ہو گا، جب تم نے یہ سنا تو مومن
مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے بھائی اور
بہنوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور
کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح تہمت ہے اور کیوں
نہیں ان افترا پردازوں نے چار گواہ پیش

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ
اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۞ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ
قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا
سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۞
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
فِی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞

(نور ٢٤)

کیے، اور جب گواہ پیش نہیں کیے تو خدا
کے نزدیک جھوٹے ٹھہرے، اگر خدا کی عنایت
و مہربانی دین و دنیا میں تمہارے شاملِ حال
نہ ہوتی تو جو افواہ تم نے اڑائی تھی اس پر
تم کو سخت عذاب پہنچتا، جب تم اپنی زبان
سے اس کو پھیلا رہے تھے اور منہ سے وہ
بات نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور
تم اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے
حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی، تم
نے سنتے کے ساتھ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم کو
ایسی ناروا بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیئے
خدا پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے، خدا
نصیحت کرتا ہے، کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات
نہ کرو، خدا اپنے احکام بیان کرتا ہے، اور وہ
دانا اور حکمت والا ہے، جو لوگ یہ چاہتے ہیں
کہ مسلمانوں میں برائی پھیلے ان کے لئے دین
و دنیا دونوں میں بڑی دردناک سزا ہے
خدا سب جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے،

(٢) اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ

(٢) جو لوگ بھولی بھالی پاک دامن بی بیوں
پر تہمت رکھتے ہیں، وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں
میں ملعون ہوں گے اور ان کو بڑا عذاب

عَظِیۡمٌ ۙ﴿۲۳﴾ یَّوۡمَ تَشۡہَدُ عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ — ہوگا، اس دن جب خود ان کی زبانیں اور

وَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا — ان کے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں

یَعۡمَلُوۡنَ (نور - ۳) — پر گواہی دیں گے۔

ماں نے کہا، لو بیٹی! اٹھو اور شوہر کے قدم لو، حضرت عائشہؓ نے نسوانی غرور وناز کے ساتھ جواب دیا، میں صرف اپنے خدا کی شکرگزار ہوں، کسی اور کی ممنون نہیں۔

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو اسّی اسّی کوڑے کی سزا دی گئی۔[1]

جب حسانؓ نے اپنے جرم کے کفارے میں حضرت عائشہؓ کی منقبت میں چند شعر کہے جو ابن اسحاق کی روایت سے اس کی سیرت میں منقول ہیں، بخاری میں اس قدر ہے کہ حضرت حسانؓ نے اپنے چند شعر حضرت عائشہؓ کو سنائے جن میں سے ایک یہ تھا،

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِیۡبَۃٍ — وَتُصۡبِحُ غَرۡثٰی عَنۡ لُحُوۡمِ الۡغَوَافِلِ

پاکدامن ہے، باوقار ہے، مشتبہ نہیں ہے — بھولی بھالی عورتوں کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی

حضرت عائشہؓ نے یہ شعر سُن کر کہا "یہ سچ ہے مگر تم ایسے نہیں ہو" یہ اشارہ ان کے واقعۂ تہمت میں شرکت کی طرف تھا،

سر ولیم میور کا بیان سر ولیم میور نے لائف آف محمد میں واقعۂ افک کے بیان میں عجیب وغریب

---

[1] یہ تمام مسلسل واقعہ صحیح بخاری وصحیح مسلم (کتاب التوبہ) میں مفصل مذکور ہے، امام بخاری نے بہ تفصیل و اختصار متعدد مقامات میں اس روایات کو درج کیا ہے۔ کتاب الشہادات، کتاب الجہاد، تفسیر سورۂ نور، غزوہ بنی مصطلق میں خصوصیت کے ساتھ تفصیل ہے، زائد باتیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہیں فتح الباری جلد ۸ تفسیر نور سے لی ہیں، اختلافات وروایات کی تطبیق، واقعات کی ترتیب اور مطلب ومعنی کی تصحیح میں حافظ ابن حجر کی تقلید کی ہے۔

تاریخی اور ادبی غلطیاں کی ہیں، جن اغلاط کو اس کتاب سے تعلق نہیں ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں تاہم تاریخی وادبی غلطی کی ایک ایک مثال پر قناعت کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ:۔

"بنی مصطلق کے خلاف بھیجی ہوئی مہم جب مدینہ واپس آئی تو عائشہؓ کا محمل آپ کے سامنے دروازہ کے پاس مسجد کے متصل رکھا گیا، لیکن جب کھولا گیا تو وہ خالی تھا، تھوڑی دیر کے بعد صفوان جو ایک مہاجر تھے نمودار ہوئے، اونٹ پر عائشہؓ بیٹھی ہوئی تھیں اور آگے آگے صفوان تھے"

آگے چل کر کہتا ہے:۔

"اگرچہ صفوان نے بڑی جلدی کی تاہم فوج کو نہ پا سکے، پس لوگوں کے اترنے اور خیمہ نصب کرنے کے بعد عائشہؓ صفوان کی رہبری میں منظر عام کے سامنے داخل شہر ہوئیں"

یہ دونوں بیان حدیث، اور سیر کی ساری کتابوں کے خلاف ہے، اس تصویر کشی سے میور کا مقصود یہ ہے کہ صورت حال اور زیادہ بدنما نظر آئے، حالانکہ متفقہ طور سے ثابت ہے کہ صفوان نے چند گھنٹوں کے فصل سے دوپہر کے وقت اگلی منزل میں فوج کو پالیا، یہ سرے سے مدینہ کا قصہ ہی نہیں۔

لوگ حسانؓ کو برا کہتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ خود اپنی زبان سے برا نہیں کہتی تھیں بلکہ لوگوں کو اس سے روکتی تھیں[1]، صحیح بخاری و مسلم میں اس کا سبب خود حضرت عائشہؓ کی زبانی مذکور ہے کہ وہ یعنی حسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کو جواب دیتے تھے، لیکن ہمارے محقق مورخ کو تیرہ سو برس کے بعد ایک اور لطیف وجہ نظر آتی ہے لکھتا ہے:۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور و مناقب حسانؓ۔

"حسان نے اپنے شاعرانہ تخیل کو بدل کر ایک نہایت عمدہ نظم لکھی جس میں عائشہؓ کی عفت، حُسن، عقلمندی اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف تھی، خوشامد بھری ہوئی تعریف نے عائشہؓ اور شاعر میں میل کرا دیا۔"

کاش انگلینڈ کا مستشرق اعظم ہم کو بتا سکتا کہ تمام شعر میں حضرت عائشہؓ کے حُسن، عقلمندی اور چھریرے خوب صورت بدن کی تعریف کس فقرے میں مذکور ہے اور شاید ہمارے محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت عائشہؓ کو جب یہ شعر سنایا گیا تھا تو ان کا سن اس وقت چالیس برس کا ہوگا، ان کا جسم اس وقت چھریرا نہیں بلکہ پندرہ سولہ ہی برس کے سن میں بھاری ہوگیا تھا۔

سر ولیم میور کے مشرقی تبحر اور عربی دانی کا اس سے بھی عجیب اور مضحکہ انگیز نمونہ یہ ہے کہ:۔

"اس نظم میں عائشہؓ کے چھریرے، خوبصورت بدن کی تعریف تھی، چھریرے بدن کی ہجو سے عائشہؓ کو بہت رنج ہوتا تھا، حسان جب اس فقرے پر پہنچے، جس میں ان کی لاغری کی طرف اشارہ تھا، تو شوخی کے ساتھ شاعر کو روکا اور خود شاعر کی فربہی کی برائی کی۔ (حاشیہ)

ہم نے اسلامی دفتر کا سارا عرصۂ کائنات چھان ڈالا، لیکن حضرت عائشہؓ کے اس طرز اخلاق اور حلیہ کا پتہ نہ چلا، ناچار خود سر ولیم کے بتائے ہوئے اشارہ پر ہم نے جستجو کی تو نظر آیا کہ تصویر کا قصور نہ تھا بلکہ خود یورپ کے سب سے بڑے ماہرِ عربیات کے دماغی شیشہ کا قصور تھا، اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسانؓ کے شعر کا دوسرا مصرع یہ تھا۔

وتصبح غرثیٰ عن لحوم الغوافل — وہ بھولی بھالی عورتوں کا گوشت نہیں کھاتیں

حضرت عائشہؓ نے یہ شعر سُن کر کہا۔ لیکن تم ایسے نہیں ہو۔[1]

عربی محاورہ میں کسی کا گوشت کھانا، اس کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے سے عبارت

---

[1] سنن ابی داؤد، باب السبق علی الرجل۔

ہے، حضرت حسان کا مقصود یہ ہے کہ آپ کسی کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتیں، حضرت عائشہؓ نے تعریضاً کہا، لیکن تم ایسے نہیں ہو، یعنی تم غیبت کرتے ہو، اور پیٹھ پیچھے بُرائی کرنے کے بھی مرتکب ہوتے، یہ واقعۂ افک کی طرف اشارہ تھا، اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ میں دُبلی تو ہوں مگر تم بڑے موٹے ہو۔

اس جاہلانہ کمال کا تماشہ یورپ کے عجائب زار کے سوا ہم کو کہاں نظر آسکتا ہے!

آخر میں ہم کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اصل الزام کے بطلان سے ان کو بھی انکار نہیں لکھتے ہیں:۔

"ان کی (حضرت عائشہؓ کی) ماقبل ومابعد کی زندگی ہم کو بتاتی ہے کہ وہ اس جرم سے بالکل بے گناہ تھیں"۔

تیمّم کے حکم کا نزول

ایک اور سفر میں حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں، وہی ہار گلے میں تھا، قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا، گزشتہ واقعہ سے ان کو تنبیہ ہوگئی تھی، فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا، صبح قریب تھی، آپ نے پڑاؤ ڈال دیا، ور ایک آدمی اس کے ڈھونڈنے کو دوڑایا، اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے منزل کی تھی وہاں پانی مطلق نہ تھا، نماز کا وقت آگیا، لوگ گھبراتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے کہ عائشہؓ نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے، وہ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے دیکھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں، بیٹی کو کہا ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر لاتی ہو اور غصہ سے ان کے پہلو میں کئی کونچے دیئے، لیکن وہ آپ کی تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶، ص ۲۷۲۔

آپ صبح کو بیدار ہوئے تو واقعہ معلوم ہوا، اسلام کے تمام احکام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہمیشہ مناسب واقعات کی تقریب سے نازل ہوتے ہیں، اسلام میں نماز کے لئے وضو فرض تھا، لیکن بیسیوں موقعے ایسے پیش آتے ہیں جہاں پانی نہیں ملتا، یہ موقع بھی اسی قسم کا تھا۔

چنانچہ اس موقع پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیت نازل ہوئی:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ	اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا حاجت ضروری
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ	سے فارغ ہوتے ہو یا عورتوں سے مقاربت
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا	کی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ	قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھ پر پھیر لو
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (نساء)	اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ابھی ابھی مجاہدین کا پرجوش گروہ جو اس مصیبت میں تلملا رہا تھا، اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہوگیا، اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے، حضرت اسید بن حضیرؓ ایک بڑے پایہ کے صحابی تھے، جوش مسرت میں بول اٹھے "اے صدیقؓ کے گھر والو، اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں"[1] صدیق اکبرؓ جو ابھی لخت جگر کی تادیب کے لئے بے قرار تھے فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا، جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے تیرے ذریعہ سے خدا نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی[2]

اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لئے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اُسی کے نیچے ہار پڑا ملا[3]

---

[1] یہ تمام واقعہ مفصل صحیح بخاری کتاب تیمم میں مذکور ہے [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۳۔

[3] صحیح بخاری تیمم۔

تحریم، ایلا اور تخییر

تحریم | اوپر گزر چکا ہے کہ ازواجِ مطہرات کی دو ٹولیاں تھیں، ایک میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت صفیہؓ اور دوسری میں حضرت زینبؓ اور دوسری بیویاں تھیں۔

معمول شریف یہ تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس جاکر بیٹھتے تھے، اگرچہ آپ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا کسی کی طرف پلّہ جھک نہیں سکتا تھا، لیکن اتفاقاً حضرت زینبؓ کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے، اس لئے اوقاتِ مقررہ پر تمام ازواج کو آپ کی آمد کا انتظار تھا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینبؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے، چونکہ شہد آپ کو بے انتہا مرغوب ہے، وہ روز آپ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں، اور آپ اخلاق سے انکار نہیں فرماتے۔ اس سے روزانہ معمول میں ذرا فرق آگیا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ اور حضرت سودہؓ سے ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیئے، آپ نظافت پسند تھے، ذرا سی بُو بھی نہایت ناگوار خاطر ہوتی تھی[1]، شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بُو ہوتی ہے، عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ نے دونوں کو سمجھا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے منہ سے یہ کیسی بُو آتی ہے؛ جب آپ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیئے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپؐ کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۹

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، لیکن یہ ایک شارع اعظم کا فعل تھا، جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے، اس لئے خدائے پاک نے اس پر عتاب فرمایا اور سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔ (تحریم-۱)	اے پیغمبر! خدا نے تیرے لئے جو حلال کیا ہے اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے، خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور اس نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے خداوند تمہارا آقا ہے اور علم و حکمت والا ہے۔

اسی زمانہ میں آپ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے کہی، انھوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دی، قرآن مجید میں اسی کے بعد مذکور ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۖ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (تحریم-۲)	اور پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی، جب اس نے دوسرے سے اس کو کہہ دیا، اور خدا نے پیغمبر پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا، تو پیغمبر نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہیں بتایا، اس نے کہا آپ سے کس نے یہ کہہ دیا، پیغمبر نے جواب دیا مجھ کو اس ماہر دانا نے بتایا۔
اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ	اگر تم دونوں خدا کی بارگاہ میں رجوع کرو (تو تمہارے لئے کوئی ایسی مشکل بات نہیں) کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں

صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (تحریم)

اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کرلیا، تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل، مومنین صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کون سا ایسا راز تھا، جس کے اخفا کے لئے اتنی شدت درکار تھی، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ یہی شہد کی تحریم کا واقعہ تھا[1]. بعض غیر صحیح روایتوں میں ہے کہ ماریہ نامی آپ کی ایک حرم تھیں، آپ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی رضامندی کی خاطر ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اور حضرت حفصہؓ کو تاکید کردی تھی کہ اس راز کو اپنے ہی تک رکھنا، عائشہؓ سے نہ کہنا، انھوں نے کہہ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، لیکن سوال یہ ہے کہ جب اس سے صرف حضرت عائشہؓ ہی کی رضامندی مقصود نہ تھی بلکہ اور ازواج کی بھی جیسا کہ قرآن مجید کا نص ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (تحریم)

اے پیغمبر جو چیز خدا نے تیرے لئے حلال کی ہے اس کو بیویوں کی رضامندی خاطر کیلئے اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے۔

تو پھر انہی کو واقعہ سے بے خبر رکھنا ایک بے معنی سی بات ہے کہ ان کی رضامندی تو اس واقعہ کے جاننے سے حاصل ہوسکتی ہے، اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شئے کو آپ نے حرام کرلیا تھا، وہ ایک کنیز کا تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو یہ صرف حضرت حفصہؓ کا مطالبہ تھا، حالانکہ آیت کا اشارہ ہے کہ وہ کم از کم تین بیویوں[2] کی مشترکہ خواہش ہو، پھر کسی کھانے کی چیز یا کسی کنیز سے احتراز کا راز اس قدر کیا اہم تھا جس کے لئے

---

[1] اکابر محدثین نے تصریح کی ہے کہ روایت صحیح طریقے سے ثابت نہیں۔

[2] کیونکہ قرآن مجید میں جمع کا لفظ آیا ہے اور جمع کا لفظ عربی میں کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔

روئے زمین کے مسلمانوں اور آسمانوں کے فرشتوں کی اعانت درکار ہو، آپ جب شہد نہ کھاتے یا اس کنیز سے تعلقات نہ رکھتے تو لوگ خود سمجھ جاتے کہ آپ نے ایسا کیا ہے، عرب میں لوگ سوسمار کھاتے تھے، آپ کو اس سے کراہت تھی، عام روایت کی رُو سے آپ نے ایک دو بیویوں کو طلاق دے دی تھی یا اس کا اظہار کیا تھا، لیکن ان میں سے کوئی شئے راز نہ تھی۔

جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرزِ ادا سے آگاہی ہے یا محاوراتِ عرب پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ اِذْ کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہے، گزشتہ آیت تک تو تحریم کے واقعہ کا بیان تھا، یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہے اور اس کا بیان خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ وہ کیا شئے ہے، وہ "مظاہرہ" ہے یعنی ایکا کرنا، اس مظاہرہ کی تفصیل صحیح مسلم کے حوالے سے آگے ہم نقل کرتے ہیں،

منافقین مدینہ جن کی شرارت کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، ان کو اپنے خبثِ باطنی کے لئے اس سے زیادہ کیا مسالہ ہاتھ آسکتا تھا، عجب نہیں کہ انھوں نے ایک عظیم الشان سازش کی بنیاد ڈال دی اور یہ صرف قیاس نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت خود قرآن مجید کی آیتوں سے ملتا ہے، اوپر کی آیت جس اہمیت کی مقتضی ہے، اس سے بھی گو اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے لیکن اس آیت کے بعد اس واقعہ کی مناسبت سے مسلمانوں کو یہ نصیحت کر کے کہ آل اولاد اور بیوی بچوں کی محبت اور طرف داری راہِ حق سے تم کو گمراہ نہ کرے، حسبِ ذیل آیت ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ	اے پیغمبر، کفار اور منافقوں سے جہاد
وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ	اور سختی کر، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا برا
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (تحریم)	ٹھکانا ان کا ہے۔

پھر انہی کو خطاب کر کے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

کہ اگر انھوں نے حق پرستی اختیار نہ کی تو اس سے ان پیغمبروں کو ان کی دعوت الٰہی کو کیا نقصان پہنچا۔ اسی طرح اے منافقین! ان بیویوں کی وقتی رضامندی سے تم رسول کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، اس قیاس کی صحت اس آیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو اسی واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی ہے:

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ	اور جب ان منافقین کو امن یا خوف کی
أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ	کوئی خبر معلوم ہوتی ہے تو اس کو پھیلا
إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ	دیتے ہیں، اگر اس کو رسول یا اپنے
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ	صاحب ارائے اشخاص کی طرف رجوع کر دیتے
مِنْهُمْ (النساء)	تو بات کو سمجھنے والے سمجھ جاتے۔

ازالۂ شکوک | آیت دوم کی تفسیر میں بھی ہمارے بعض مفسروں نے غلطیاں کی ہیں ان کے خیال کے مطابق دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ نہایت ضروری ہے) کیونکہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر اس پر ایکا کر لو تو خدا اس کا (پیغمبر کا) آقا ہے۔

۱۔ خط زدہ ترجمہ بالکل غلط ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کی جزاء محاورۂ عرب کے مطابق محذوف ہے، ہم نے وہ جزائے محذوف لَا بَاسَ (کوئی ایسی مشکل بات نہیں) قرار دی ہے، مفسرین کے مطابق وہ فَهُوَ وَاجِبٌ (یہ ضروری ہے) ہوگی، کلامِ عرب پر جن کو عبور ہے وہ تسلیم کریں گے کہ "اِن" کے بعد جب جزا محذوف ہوتی ہے اور اس کے بعد فقد کے ساتھ اس جزا کی علت بیان کر دی جاتی ہے تو ہمیشہ لَا بَاْسَ (کچھ مضائقہ نہیں) یا حرج (کچھ حرج نہیں)، لَا ضَيْرَ (کچھ نقصان نہیں)، فَهُوَ هَيِّنٌ (یہ تو معمولی بات ہے) وغیرہ الفاظ بطور جزا کے

۱؎ صحیح مسلم باب الایلاء

مراد ہیں، اشعارِ عرب میں اور خود قرآن مجید میں اس کی کثرت سے مثالیں[1] موجود ہیں۔

۲۔ صغت کا ترجمہ زاغت (یعنی کج ہونا) بھی صحیح نہیں، حضرت عائشہؓ اور دیگر اُمہات المومنین نعوذ باللہ اس سے بالاتر ہیں کہ ان کے دل کج اور گمراہ ہوں، اردو میں دو مفہوم ہیں، کسی چیز سے ہٹنا اور کسی چیز کی طرف جھکنا، اور مائل ہونا۔ عربی میں ان دونوں مفہوموں کے لئے تین قسم کے لفظ ہیں، اول جو صرف پہلے معنی پر دال ہیں مثلاً انحرف، ادعوی، زاغ، حادَ۔ دوم جو لفظ دوسرے معنی کو بتاتے ہیں مثلاً فَاءَ، تَابَ، التفت، توجہ۔ وہ جو دونوں کو مشتمل ہیں، مثلاً مَال، شَغَلَ، عَدَلَ، رَجَعَ وغیرہ۔

صَغیٰ دوسرے معنی میں مستعمل ہے، بعض مفسروں نے اس کو تیسرے معنی میں لیا ہے اور اکثر نے اول معنی میں، اور یہ سب سے بڑی ادبی غلطی ہے، عرب کے محاورات اور لغات

---

[1] ناظرین میں جو صاحب عربی جانتے ہوں وہ ان آیتوں پر غور کریں۔

۱۔ فَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (آل عمران-۱۹)	اگر تجھ کو جھٹلاتے ہیں تو کوئی بات نہیں کہ تجھ سے پہلے پیغمبر بھی جھٹلائے گئے
۲۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔ (توبہ-)	اگر اس پیغمبر کی مدد نہیں کرتے، تو کوئی نقصان نہیں کہ خدا اس کا مددگار ہے۔
۳۔ وَاِنْ يَعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (انفال ۵)	اگر پھر ایسا کریں تو کوئی حرج نہیں کہ گزشتہ امتوں کا قانون گزر چکا ہے
۴۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ٥ (انعام ۱۰)	اگر یہ اس کے منکر ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کہ ہم نے ایسے لوگ مقرر کئے ہیں جو اس کو مانتے ہیں،

کا ایک حرف بھی اس کے استناد میں نہیں مل سکتا۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ یہ لفظ آیا ہے۔

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ	تاکہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس کی
لَا يُؤْمِنُونَ۔ (انعام۔ ۱۴)	طرف جھکیں، اور اس کی خواہش کریں۔

دیکھو کہ یہاں کجی یا ٹیڑھے ہونے کے معنی نہیں ہیں۔

۳۔ آیت زیر بحث میں یہ نہیں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے دل کس چیز کی طرف جھک چکے ہیں، بعض مفسرین نے نعوذ باللہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف رسانی کی طرف، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں سے جو لفظ محذوف ہوتا ہے ہمیشہ آگے پیچھے وہ کہیں مذکور ہوتا ہے یا قرینۂ غالب سے سمجھا جاتا ہے، اس کے پہلے "توبہ" کا لفظ ہے اس لئے یہی لفظ آگے محذوف ہے، آیت کے محذوفات کو اگر ذکر کر دیں تو یہ عبارت ہوگی۔

ان تتوبا الی اللہ (فهو هین)	اور تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو
فقد صغت قلوبکما،	تمہارے لئے یہ آسان ہے، کیونکہ تمہارے دل
(الی التوبۃ الی اللہ) (تحریم۔۱)	رجوع الی اللہ کی جانب مائل ہو ہی چکے ہیں۔

ایلاء تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، یہ تحریم و ایلاء ۹ھ کا واقعہ ہے، اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگیں ہو چکے تھے، مال غنیمت، فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا، بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اس کا ایک دھندلا سا خاکہ خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج مطہراتؓ کے لئے مقرر تھی، ایک تو وہ

---

[۱] دیکھو لسان العرب، بیضاوی نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے، مولانا حمید الدین صاحب نے "سورۂ تحریم" کی تفسیر میں "مسئلہ شرط اور معنی صغو" کی نہایت تحقیق کی ہے جس کو زیادہ تفصیل و تحقیق مقصود ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

خود کم تھی، پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بہ مشکل کفایت کر سکتی تھی، آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا، ازواجِ مطہراتؓ میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزدیاں داخل تھیں، جنھوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا پہلے شوہروں کے گھروں میں نازونعم کی زندگیاں بسر کی تھیں، اس لئے انھوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے سُنا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی کو سمجھایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو، تم کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو۔ خدا کی قسم حضورؐ میرا لحاظ فرماتے ہیں، ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ایک ایک بی بی کے دروازے پر گئے اور ان کو نصیحت کی، حضرت ام سلمہؓ نے کہا "عمرؓ! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے، اب آپؐ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو" حضرت عمرؓ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں اور اِدھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں، اور مصارف کی مقدار بڑھانے پر مُصر ہیں، دونوں اپنی صاحبزادیوں کے مارنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن انھوں نے عرض کی ہم آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آگئی، حضرت عائشہؓ کے حجرے سے متصل ایک بالاخانہ تھا، جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی، صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے، گھر گھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ازواجِ مطہراتؓ رو رہی تھیں، صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپ سے واقعہ کی تحقیق کی جرأت نہ کی،

ابو داؤد [illegible] صحیح مسلم [illegible]

حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ مسجد نبویؐ میں آئے، تمام صحابہ ملول اور چپ تھے، حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی، دوبارہ کوئی جواب نہ ملا، تیسری دفعہ اجازت ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں، ادھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے توشہ خانہ میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا، یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور عرض کی یارسول اللہ کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی، ارشاد ہوا نہیں، عرض کی کیا میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنادوں، اجازت پاکر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا،

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "میں ایک ایک روز گنتی تھی" ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالا خانہ سے اُتر آئے؛ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا، ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں، ارشاد ہوا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

تخییر چونکہ عام ازواج توسیع نفقہ کی طالب تھیں اور پیغمبر صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے اپنے دامن کو زخارف دنیوی میں ملوث نہیں کرسکتا تھا، اس لئے تخییر کی آیت نازل ہوئی یعنی جو بیوی چاہے فقر و فاقہ کو اختیار کر کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور دنیا کے بجائے آخرت کی نعمت پائے اور جو چاہے کنارہ کش ہو کر دنیا طلبی کی ہوس پوری کرے وہ آیت یہ ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ	اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم
اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	کو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ	آرائش کی ہوس ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ	جوڑے دے کر رخصت کردوں اور اگر خدا
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	اور رسول اور آخرت پسند ہے تو اللہ نے
الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	تم سے نیک عورتوں کے لئے بڑا ثواب

مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (احزاب) مہیا کر رکھا ہے۔

آپ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہؓ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔ عرض کی، ارشاد فرمائیے۔ آپ نے اوپر کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ گزارش کی یارسول اللہ! میں کس امر میں اپنے والدین سے مشورہ لوں، میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں یہ جواب سن کر آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت عائشہؓ نے عرض کی، "یارسول اللہ! میرا جواب دوسری بی بیوں پر ظاہر نہ ہو"۔ ارشاد ہوا کہ میں معلّم بن کر آیا ہوں، جابر بن کر نہیں آیا۔[1]

بیوگی

سنہ ۱۱ھ

اب عورت کے مصائب زندگی میں سے سب سے آخری مرحلہ کا ذکر ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا سفر اختیار کیا۔ ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو محبت و اخلاص تھا وہ ہر جگہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے صفر سنہ ۱۱ھ کے پچھلے مہینے کی کوئی تاریخ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے، وہ سر کے درد میں بے قرار تھیں اور ہائے وائے کر رہی تھیں آپ نے فرمایا اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا، وہ بے تکلفانہ لہجے میں عرض پرداز ہوئیں کہ یارسول اللہ! یہ شاید اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس حجرہ میں کوئی نئی بیوی بیاہ کر آئے، آپ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا کہ "ہائے میرا سر"

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب ایلاء میں یہ تمام واقعات مفصل مذکور ہیں۔

اسی وقت سے درد شروع ہو گیا، حضرت میمونہؓ کے گھر جا کر آپ صاحب فراش ہو گئے، اس حالت میں بھی بیویوں کی خاطر داری منظور تھی، حسب دستور ایک ایک روز ایک ایک حجرہ میں قیام فرما رہتے، لیکن ہر روز استفسار ہوتا کہ کل میں کہاں رہوں گا، ازواج مطہرات نے سمجھ لیا کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام رہے، سب نے اجازت دے دی، اس وقت سے آخر زندگی تک آپ حضرت عائشہؓ ہی کے حجرے میں قیام فرما رہے۔

اس خواہش کا سبب شاید عام لوگ حضرت عائشہؓ کی محبت سمجھیں، لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ خدا نے حضرت عائشہؓ کو فطری کمال، عقل، قوتِ حافظہ، سرعت فہم اور اجتہاد فکر عطا فرمایا تھا عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہو کہ آپ کے آخری اقوال و افعال کا بھی ایک ایک حرف دنیا میں محفوظ رہے، چنانچہ آپ کی وفات کے متعلق اکثر صحیح حالات حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے۔

روز بروز مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مسجد میں امامت کے لئے بھی آپ تشریف نہ لے جا سکے۔ بیویاں تیمارداری میں مصروف تھیں، کچھ دعائیں تھیں جن کو پڑھ کر آپ بیمار کو دم کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بھی وہی دعائیں پڑھ پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کیا کرتی تھیں۔

صبح کی نماز میں لوگ آپ کی آمد کے منتظر تھے، کئی دفعہ آپ نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن ہر دفعہ غش آ گیا۔ آخر حکم دیا کہ ابوبکرؓ امامت کریں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر جو شخص کھڑا ہو گا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے اس لئے[1] عرض کی یا رسول اللہ! ابوبکرؓ بہت رقیق القلب ہیں، ان سے یہ کام نہ بن آئے گا وہ رو دیں گے، کسی اور کو حکم ہو۔ لیکن آپ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا، حضرت عائشہؓ نے

---

[1] حضرت ابوبکرؓ نماز میں رویا کرتے تھے اور یہ تو خاص موقع تھا اس لئے یہ اظہار کچھ غلط نہ تھا۔ دیکھو بخاری باب الہجرۃ۔

حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تم عرض کرو، انھوں نے عرض کی تو فرمایا "تم یوسفؑ والیاں ہو[1]، کہہ دو کہ ابوبکرؓ امامت کریں"۔ چنانچہ انھوں نے امامت کی۔

آپ علالت سے پہلے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہؓ کے پاس رکھوا کر بھول گئے تھے۔ اس وقت یاد آئیں، فرمایا کہ "عائشہؓ! وہ اشرفیاں ہیں؟ ان کو خدا کی راہ میں صرف کر دو، کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟" چنانچہ اسی وقت خیرات کر دی گئیں[2]۔

اب وقت آخر تھا، حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں، آپ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن مسواک لئے اندر آئے۔ آپ نے مسواک کی طرف دیکھا، سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، ان سے مسواک لے کر اپنے دانت سے نرم کر کے آپ کو دی، آپ نے صحیح وتندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔ حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ نے منہ میں لگایا۔

حضرت عائشہؓ آپ کی تندرستی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں، آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، فوراً دست مبارک کھینچ لیا، اور فرمایا "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کا اختیار دیا جاتا ہے، ان الفاظ کو سن کر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کی، تاہم وہ ابھی کمسن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا، عرض کی یا رسول اللہ! آپ کو بڑی تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا تو اب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔

اب تک حضرت عائشہؓ آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں، کہتی ہیں کہ دفعۃً مجھ کو آپ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا، آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں، آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا۔

---

[1] یعنی تم ہی عورتیں ہو جنھوں نے حضرت یوسفؑ کو بہکانا چاہا تھا، [2] مسند ۶، ص ۴۹ [3] مسند ۶، ص ۲۰۶۔

اور روٹھنے لگی، حضرت عائشہؓ کے فضائل ومناقب کا سب سے زرّین باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان ہی کے حجرہ کو پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپردِ خاک ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں، انھوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ سے کیا تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔[1]

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ تھے۔

حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انھوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے جب تک زندہ رہیں، اسی مزارِ اقدس کی مجاور رہیں، قبر نبویؐ کے پاس ہی سوتی تھیں، ایک دن آپ کو خواب میں دیکھا، اس دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔

تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروقؓ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے، حضرت عائشہؓ بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کہ ایک شوہر تھا، دوسرا باپ، حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔[2]

ازواج مطہرات کے لئے دوسری شادی خدا نے ممنوع قرار دی تھی، عرب کے ایک رئیس نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ سے میں عقد کروں گا،[3] چونکہ یہ امر دینی وسیاسی مصالح اور نیز شانِ نبوت کے خلاف تھا، اس لئے خدائے پاک نے فرمایا،

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ ۔۔۔ پیغمبرؐ مسلمانوں سے ان کی جانوں

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۷۲، اس باب میں جن واقعات پر حوالہ نہ ہو وہ صحیح بخاری باب وفات النبیؐ سے ماخوذ ہیں
[2] موطا امام مالک ماجاء فی دفن المیت [3] ابن سعد جلد ثانی قسم ثانی ص ۸۵ بسند حسن۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (احزاب-۱) — سے زیادہ قریب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔ (احزاب-۷) — ۲- اور تمہیں مناسب نہیں کہ تم پیغمبر خدا کو اذیت دو، اور نہ یہ کہ کبھی اس کی بیویوں سے اس کے بعد بیاہ کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی بات ہے۔

اصل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات جو ایک مدت تک حاملِ نبوت کی محرمِ اسرار رہیں، ان کی بقیۂ زندگی صرف اس لئے تھی کہ مقدس شوہر کی تعلیمات اور اسباقِ عمل کو جب تک جیتی رہیں دہراتی رہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ صرف اسی فرض کی بجاآوری میں صرف ہو، وہ مسلمانوں کی مائیں تھیں، ان کا فرض صرف بیٹوں کی تعلیم و تربیت تھی، چنانچہ ان کے فرائض خود خدا نے مقرر کر دیئے تھے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا۔ — اے پیغمبر کی بیویو! تم میں جو برا کرے گی اس کو دونا عذاب ملے گا، اور خدا کے لئے یہ آسان بات ہے اور تم میں سے جو خدا اور رسول کی فرمانبردار ہو گی، اور اچھے کام کرے گی، اس کو ثواب بھی دوبارہ ملے گا اور اس کے لئے ہم نے قیامت میں اچھی اور پاک روزی مہیا کی ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ — اے پیغمبر کی بیویو! تم عام اور معمولی عورتوں میں نہیں ہو، اگر پرہیزگار بنو، دب کر نہ بولا کرو کہ بیمار دل والے (منافقین)

مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِیْ	حوصلہ کریں، اور اچھی بات بولا کرو، اور
بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ	اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہا کرو اور گذشتہ
الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ	زمانۂ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلا کرو
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا	نمازیں پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اور خدا اور
یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ	رسول کی فرمانبرداری کیا کرو خدا تو یہی چاہتا
اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۚ	ہے، اے اہل بیت نبوت! کہ تم سے میل کچیل
وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ	دور کر دے، اور تم کو بالکل پاک و صاف کر
مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ ۭ اِنَّ	دے تمہارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں اور
اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۧ	حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں ان
(احزاب - ۴)	کو یاد کیا کرو، بیشک خدا پاک، اور دانا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی آئندہ زندگی حرف بحرف ان ہی آیاتِ الٰہی کی عملی تفسیر ہے۔

عام حالات

عہدِ صدیقی اب حضرت عائشہؓ کے پدر بزرگوار حضرت صدیق اکبرؓ مسندِ خلافت پر متمکن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور بیعتِ خلافتِ صدیقی کی تکمیل کے بعد ازواجِ مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجیں، اور وراثت کا مطالبہ کریں۔ حضرت عائشہؓ نے یاد دلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا میرا کوئی وارث نہ ہوگا میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے، یہ سن کر سب خاموش ہو گئیں۔[1]

اصل یہ ہے کہ شہنشاہِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتا تھا جو وفات کے بعد تقسیم ہوتا، صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے درہم و دینار، جانور اور مویشی، لونڈی اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفرائض۔

علاوہ کچھ ترکہ میں نہیں چھوڑا[1]، البتہ ولایت عامہ کے طریقوں سے مختلف اغراض و مقاصد کے لئے چند باغ آپ کے قبضہ میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف فرماتے تھے، وہ خلافت راشدہ میں بعینہٖ اسی حیثیت سے اور اسی طرح قائم رہے، آپ اپنی زندگی میں بی بیوں کے سالانہ مصارف اسی جائیداد سے ادا فرماتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ان مصارف کو اسی طرح برقرار رکھا[2]۔

حضرت عائشہؓ کی اس فیاضی کی توقیر کے باب میں انھوں نے کی ہے اس وقت اور قدر بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ جس دن وہ بیوہ ہوئیں، اسی شام کو گھر میں برکت تھی[3]۔

داغ بے پدری عہد صدیقی صرف دو برس قائم رہا، ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی نزع کے وقت صاحبزادی خدمت میں حاضر تھیں، باپ نے کچھ جائیداد بیٹی کو دے دی تھی اب دوسری اولاد کا سامان بھی ضروری تھا، فرمایا، جان پدر! کیا تم وہ جائیداد اپنے اور بھائیوں کو دے دو گی؟ عرض کی "بسر وچشم" پھر دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے، عرض کی "تین سفید کپڑے"[4] پوچھا کس دن وفات پائی، عرض کی "دوشنبہ کے روز" دریافت کیا "آج کون سا دن ہے" بتایا کہ "دوشنبہ ہے" فرمایا "تو آج شب کو میرا بھی چل چلاؤ ہے" پھر اپنی چادر دیکھی، اس میں زعفران کے دھبے تھے، فرمایا کہ اسی کپڑے کو دھو کر اس کے اوپر دو اور کپڑے بڑھا کر مجھ کو کفن دیا جائے، عرض کی "یہ کپڑا پرانا ہے" ارشاد ہوا کہ "مردوں سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے"[5] اسی دن سہ شنبہ کی رات کو وفات پائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ادباً آپ کے مزار مبارک سے کسی قدر پیچھے ہٹا کر دفن کئے گئے، اور اب یہ حجرہ نبوت کے چاند کے ساتھ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوصایا [2] صحیح بخاری کتاب فرض خمس مکالمہ حضرت عباسؓ و حضرت عمرؓ [3] ترمذی کتاب الادب [4] ابن سعد ترجمہ حضرت ابوبکرؓ [5] صحیح بخاری ابواب الجنائز۔

ایک خلافت کے چاند کا بھی مغرب تھا، حضرت عائشہؓ کو بیوگی کے ساتھ اس کم عمری میں دوہی برس کے اندر یتیمی کا داغ بھی اٹھانا پڑا۔

عہدِ فاروقی حضرت فاروقِ اعظم کا عہدِ مبارک نظم و نسق کے لحاظ سے ممتاز تھا، انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفے مقرر کر دیئے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات کو بارہ بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا[1]۔ دوسری روایت جس کو حاکم نے صحت میں بخاری و مسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لئے دس دس ہزار اور حضرت عائشہؓ کا بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا۔ اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمرؓ نے بیان فرمادیا تھا کہ ان کو میں دو ہزار اس لئے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں[2]۔

ازواجِ مطہراتؓ کی تعداد کے مطابق حضرت عمرؓ نے نو پیالے تیار کراتے تھے، جب کوئی چیز آتی، ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے[3]، بخشوں کی تقسیم میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہؓ کے سری اور پایہ تک اُن کے پاس بھیج دیتے تھے[4]، عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی، مالِ غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئی، سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی، حضرت عمرؓ نے کہا آپ لوگ اجازت دیں تو میں ام المومنین عائشہؓ کو بھیج دوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ محبوب تھیں، سب نے بخوشی اجازت دی، چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج دی گئی، کھول کر دیکھا، فرمایا "ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں۔ خدایا! مجھے آئندہ اُن کے عطیوں کے لئے زندہ نہ رکھنا[5]"

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۲۵ [2] مستدرک حاکم جزء صحابیات، ذکر عائشہؓ [3] امام مالک باب جزیۃ اہل الکتاب [4] موطا امام محمد باب الزہد [5] مستدرک حاکم۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں، لیکن کہہ اس لئے نہیں سکتے تھے، کہ گوشۂ عام مردوں سے زیرِ خاک پردہ نہیں، تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے، نزع کے وقت اس خلش سے بے تاب تھے، آخر اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ "ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہو اور عرض کرو کہ عمرؓ کی تمنا ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو،" فرمایا "اگرچہ وہ جگہ میں نے خود اپنے لئے رکھی تھی، مگر عمرؓ کے لئے خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں"

اس اجازت کے بعد بھی حضرت عمرؓ نے وصیت کی کہ میرا جنازہ آستانہ تک لے جاکر پھر اذن طلب کرنا، اگر ام المومنین اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا، ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور حضرت عائشہؓ نے دوبارہ اجازت دی اور جنازہ اندر لے جاکر دفن کیا گیا[۱]، اور آخر اسی حجرۂ اقدس میں خلافت کا دوسرا چاند بھی نگاہوں سے پنہاں ہوا۔

حضرت عثمانؓ کا عہد حضرت عثمانؓ کی خلافت کی مدت بارہ برس ہے، خلافت کا نصف زمانہ سکون اور اطمینان کا زمانہ تھا، اس کے بعد لوگوں کو ان سے مختلف شکایتیں پیدا ہوئیں، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا[۲]،

حضرت عائشہؓ کو عام مسلمانوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، اور فرمان الٰہی کی رو سے تمام مسلمانوں کی ماں تھیں، اس لئے حجاز، شام، عراق و مصر میں ہر جگہ ماں کی طرح مانی جاتی تھیں (اس دعوی کی تصدیق آئندہ واقعات سے ہوگی)، لوگ آکر ان کے پاس اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے تھے، وہ تسلی دیتی تھیں،

---

[۱] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ہے [۲] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۳، [۳] مستدرک حاکم وغیرہ ہے، وَکَانَ اَحْسَنَ رَأیًا فِی الْخَاتِمَۃِ۔

خلافتِ صدیقی و فاروقی اور عہدِ عثمانی کے ابتدائی زمانہ تک بڑے بڑے صحابہ اور اربابِ مشورہ زندہ تھے، مہماتِ امور میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا مناصبِ جلیلہ پر اپنی اپنی استعداد اور استحقاق کے مطابق وہی ممتاز تھے۔ شیخین رض نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا تھا کہ کسی طرف پلہ جھکنے نہیں پاتا تھا، اس لئے تمام ملک میں امن و امان قائم تھا اور اکابر صحابہ میں سے کسی کو ادعا کا موقع حاصل نہ تھا، نوجوانوں میں جو لوگ بلند حوصلہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ رض ابن زبیر رض، محمد بن ابی بکر رض، مروان بن حکم، محمد بن ابی حذیفہ، سعید بن العاص، وہ ان سے دبتے تھے اور خلافت و امارت کو اپنے سے بدرجہا بلند جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رض، صدیق اکبر رض کے نواسے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھتیجے اور حضرت زبیر رض حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے تھے، یہ اپنے آپکو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بعد وراثةً خلافت کو اپنا حق جانتے تھے

محمد بن ابی بکر رض حضرت ابوبکر رض کے چھوٹے صاحبزادے، اور حضرت عائشہ رض کے بے ماں بھائی تھے، ان کی ماں حضرت ابوبکر رض کے بعد حضرت علی رض کے نکاح میں آئی تھیں، اس لئے حضرت علی رض ہی کی آغوش میں انھوں نے تربیت پائی تھی[1]، اور حضرت علی رض بھی ان کو بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔

محمد بن ابی حذیفہ حضرت عثمان رض کے آغوش پرورده تھے، حدِ بلوغ کو پہنچے تو کسی بڑے عہدے کے طالب ہوئے، حضرت عثمان رض نے اس کو مناسب نہیں سمجھا، یہ ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔

مروان اور سعید بن عاص دونوں اموی تھے اور نوجوان و کم عمر تھے، اکابر مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے فرزند و اخلاف، قدیم استحقاق کے مطابق، حقوق و مناصب کے

---

[1] اصابہ ترجمہ محمد بن ابی بکر رض۔

مطالبہ میں سب سے پیش پیش تھے، حضرت عثمانؓ اموی تھے، اور ان کو اپنے خاندان ہی کے لوگوں پر بھروسہ ہوتا ہوگا، اس بنا پر بنوامیہ کے نوجوان انتخاب میں سب سے آگے ہوتے تھے، چنانچہ یہی مروان اور سعید بن عاص بڑے بڑے منصبوں پر ممتاز ہوئے، اس سے قریش کے دوسرے بلند حوصلہ نوجوانوں کو ناگزیر طور پر اشتعال پیدا ہوا، چنانچہ اسی لئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں سب سے زیادہ حصہ لیا، اس کے علاوہ ان نوجوانوں میں کبار صحابہ کی طرح عدل و انصاف، صدق و امانت اور زہد و تقوے کا جوہر نہ تھا، اس لئے عام رعایا اور سپاہیوں میں جنھوں نے پہلے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں، ان کی امارت اور سرداری سے برہمی اور ناگواری پیدا ہوئی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب ہمیشہ سے عجمیانہ غلامی کو شرافت کے دامن کا داغ سمجھتے تھے انھوں نے آزاد آب و ہوا میں پرورش پائی تھی، اسلام نے آکر ان کے اس فتنہ کو اور تیز کر کے عرب کے سارے قبیلوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا تھا، اکابر صحابہؓ جو اسلام کی تعلیم و تربیت کے اصلی پیکر تھے، اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، ان کے بعد کے نوجوان افسروں اور عہدہ داروں نے اس سبق کو بھلا دیا، وہ اعلانیہ اپنی مجلسوں اور درباروں میں اپنی خود مختاری اور خاندانی شرافت کا اظہار کرنے لگے، دوسرے عرب قبائل کے لئے یہ تحکم سخت ناگوار ہوا، ان کو دعویٰ تھا کہ عہد نبوی کے بعد ایران، شام، مصر اور افریقہ کی فتوحات ان کی تلواروں کی بدولت حاصل ہوئے ہیں، اس لئے ان کو بھی برابر کا حق ملنا چاہیئے، نومسلم عجم نہ صرف بنوامیہ اور قریش بلکہ قوم عرب کی حکومت سے فطرۃً نالاں تھے، اس لئے وہ اس قسم کے ہر فتنہ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے، عرب و عجم کے نقطہ اتصال پر کوفہ آباد تھا، فتنہ کا آغاز اسی شہر سے ہوا، یہ عرب قبائل کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی، سعید بن العاص کوفہ کا والی تھا، رات کو اس کے دربار میں شہر کے اکثر قبیلوں کے سرداروں کا مجمع رہتا تھا، اور عموماً عرب کے وقعات جنگ اور عرب قبائل کے خاندانی حسب و نسب کے تذکرے رہتے تھے، یہ وہ موضوع تھا جس

میں ہر قبیلہ دوسرے سے اپنے کو کم درجہ نہیں سمجھتا تھا۔ مناظرہ کا خاتمہ اکثر جنگ۔ وجدال اور سخت کلامی پر ہوتا تھا، اس موقع پر سعید کی زبان سے اپنی قریشیت کا فخاریانہ اظہار آگ میں تیل کا کام دیتا تھا، اس کے اس طرزِ عمل سے قبائل کے سرداروں کو شکایتیں پیدا ہوئیں اور اس نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی۔

اسی زمانہ میں ابن سبا نام ایک یہودی مسلمان ہوگیا تھا، یہودیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ دشمن سے دشمن بن کر انتقام نہیں لے سکتے، تو فوراً سپر ڈال کر اس کے مخلص دوست بن جاتے ہیں، اور آہستہ آہستہ مخفی سازشوں سے اس کا کام تمام کردیتے۔ یہی یہود جب زور و قوت سے حضرت عیسیٰ کی دعوت کو بے اثر نہ کرسکے تو ان میں سے پولس نامی ایک یہودی نے عیسائی بن کر ان کی تعلیم کے اصل جوہر کو فنا کر دیا۔

ابن سبا نے لوگوں میں یہ پھیلانا شروع کیا کہ حضرت علیؓ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق جانشین ہیں اور وصی ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں خلافت کی وصیت کردی تھی، اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں بھی حضرت ہارونؑ کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی اس بدعت کی تبلیغ کے لئے پوری کوشش کی اور جگہ جگہ کی اس سیاسی شورش کو بہانہ بنا کر اپنی سازش کے جال کو اس نے ہر جگہ پھیلا دیا، اس نے سارے ملک کا دورہ کیا، کوفہ، بصرہ اور مصر جہاں بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں انقلاب پسند کچھ نہ کچھ موجود تھے، اس نے مصر کو ان انقلاب پسندوں کا مرکز بنا کر ان تمام متفرق اشخاص کو ایک سلسلہ میں منسلک کردیا، اہل تاریخ نے ان کا نام سبائیہ رکھا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جزائر روم اور افریقہ میں لڑائیاں ہو رہی تھیں اس لئے فوج کا زیادہ حصہ ادھر ہی رہتا تھا، جنگ کی شرکت کے بہانہ سے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ سپاہیوں سے آزادانہ ملتے تھے اور ان میں اشتعال پیدا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ مصر اس بغاوت کا مرکز بن گیا، اس زمانہ میں عبداللہ بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے محمد بن ابی بکر اور

محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ نے عبداللہ بن ابی سرح اور حضرت عثمانؓ کے خلاف علانیہ تحریک شروع کردی، اور مصر میں جدید پولیٹیکل فرقہ کے لیڈر بن گئے۔

اتفاق سے یہ حج کا زمانہ تھا، باہمی قرارداد کے مطابق کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ہزار کی جمعیت نے حج کے بہانہ سے حجاز کا رخ کیا، اور مدینہ کے قریب آکر سب نے خیمے ڈالے حضرت علیؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کیا، یہ تھوڑی دور جاکر پھر لوٹ آئے اور مصر کے گورنر کے نام کا ایک خط پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغناؤں کو ان کے مصر پہنچنے کے ساتھ فوراً قتل کردو یا قید کردو۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اس لئے سب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور دو شرطیں پیش کیں، مروان کو حوالہ کر دیجئے یا خلافت سے دست بردار ہو جایئے۔ حضرت عثمانؓ نے دونوں شرطیں نامنظور کیں، حضرت عائشہؓ نے محمد بن ابی بکر اپنے بھائی کو بُلا کر سمجھایا کہ تم اس ضد سے باز آجاؤ، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے، سال کے دستور کے مطابق حضرت عائشہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلی گئیں، محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ لے جانا چاہا، مگر وہ آمادہ نہ ہوئے اس کے بعد حضرت عثمانؓ دو تین ہفتہ تک محاصرہ میں رہے، اور بالآخر باغیوں کے ہاتھ سے انھوں نے شہادت پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب خلافت کے لئے صرف چار بزرگوں پر نظر پڑ سکتی تھی، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت علیؓ۔ حضرت سعدؓ گوشہ نشین ہو گئے، اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے، اور اہل مصر حضرت زبیرؓ کے حامی تھے، لیکن اہل مصر اور انقلاب پسندوں کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھی، جن میں زیادہ پیش پیش اشتر نخعی، حضرت عمار بن یاسر اور محمد بن ابی بکرؓ تھے۔ طرف دار لوگ خلیفہ ثانی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو پیش کرتے تھے، بنو امیہ خلیفہ ثانی کے بیٹے ابان کا نام لے رہے تھے۔ خلیفہ اول کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نام بھی لیا جا رہا تھا، تین دن کے بعد ان

ہی انقلاب پسندوں کے اصرار اور چند کو چھوڑ کر عام اہل مدینہ کے قبول بیعت سے حضرت علیؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔ ادھر حجاز میں یہ اختلاف در پیش تھے، ادھر شام میں امیر معاویہؓ استقلال اور آزادی کا خواب دیکھ رہے تھے اور مصر میں محمد بن ابی حذیفہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ پیغمبر کے جانشین اور مسلمانوں کے امام کا حرم نبوی کے اندر ماہ حرام میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ایسا حادثۂ عظیم تھا کہ لوگوں کے دل دہل گئے صحابہ میں جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے اختلاف تھا اور جن میں ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بھی داخل ہیں[۱]، وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ حاشا ان کا یہ مقصد تھا۔ واقعہ سے پہلے اشتر نخعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا معاذ اللہ! میں اماموں کے امام کے قتل کا حکم دے سکتی ہوں۔ بعض دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ اس واقعہ میں حضرت عائشہؓ کی شرکت بھی تھی، عجب نہیں کہ ان بدگمانوں کو بدگمانی کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عائشہؓ کے چھوٹے سوتیلے بھائی محمد بن ابی بکر ان انقلابیوں کے لیڈروں میں تھے، لیکن ابھی گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، مگر وہ باز نہیں آئے، خود حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں فرمایا، خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمانؓ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو، اگر میں نے ایسا کبھی پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں، اے عبید اللہ بن عدی! (ان کے یار حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے، اصحاب رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی، جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا، جس نے عثمانؓ پر طعن کیا، اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیے[۲]،

---

[۱] ابن سعد جزو اہل مدینہ ترجمہ مروان بن حکم [۲] طبقات ابن سعد جزو نسا ص ۵۷، ۵۶

وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیئے، اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہیں پڑھنی چاہیئے، ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے؛ اس اعلان سے زیادہ اس افواہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل اور کیا چاہیئے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کا عہد غرض سارے مسلمانوں میں اس وقت ایک ہیجان اور تلاطم برپا تھا صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر سی جماعت جو یہ دیکھ رہی تھی کہ جس باغ کو اس نے اپنے رگوں کے خون سے سینچا تھا، وہ پامال ہوتا ہے، اصلاح کا علم بلند کیا۔ اس جماعت کے ارکان عظام حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ تھیں۔

حضرت طلحہؓ قریشی سابقین اسلام میں داخل عہد نبوت میں معرکوں کے فاتح اور خلیفہ اول کے داماد اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے، حضرت زبیرؓ اسلام کے ہیرو، شجاعان اسلام میں داخل، حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی، ہم زلف اور خلیفہ اول کے داماد تھے۔ اور یہ دونوں اس جماعت میں شامل تھے، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے لئے منتخب کیا۔

گزر چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ ابھی محاصرہ ہی میں تھے کہ حضرت عائشہؓ اپنے سالانہ دستور کے مطابق حج کو چلی گئیں، واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی، آگے بڑھیں تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ملے، جو مدینہ سے بھاگے چلے آ رہے تھے، انھوں نے بیان کیا،

ان تحملنا بفلتنا هرابا من المدينة	ہم لوگ مدینہ سے لدے پھندے بدووں
من غوغاء و اعراب و فارقنا	اور عوام الناس کے ہاتھوں سے بھاگے
قوما حيارى لا يعرفون حقا	چلے آتے ہیں اور لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑا

لہ یہ پوری تقریر امام بخاری نے جزء خلق افعال العباد میں نقل کی ہے ص ۷، مطبع انصاری دہلی۔

ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسھم۔	کہ وہ حیران و سرگرداں ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔

(تاریخ طبری)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ باہم مشورہ کرو کہ اس موقع پر ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

ولو ان قومی طاوعتنی سراتھم	لانقذتھم من الحبال او الخبل
اگر میری قوم کے سردار میری بات مانتے	تو میں ان کو خطرے سے باہر لے آتی

اس کے بعد وہ مکہ معظمہ واپس چلی آئیں، عام لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو لوگ ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کے پاس آنے لگے۔ انھوں نے طلب اصلاح کی دعوت دی۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ اس قوم کی طرح کوئی قوم نہیں جو اس آیت کے حکم سے اعراض کرتی ہو۔[1]

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىھُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰہِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (حجرات ۱۰)	اگر مسلمان جماعتیں لڑ جائیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والی سے لڑو، یہاں تک کہ حکم الٰہی کی طرف سے وہ رجوع کرے اور جب رجوع کرے تو دونوں میں صلح کرادو۔

اصلاح کی دعوت

مسلمان عورت کے فرائض | عہدِ نبویؐ میں ایک صحابی نے اپنی لڑکی کا نکاح اس کے پوچھے بغیر

[1] موطا امام محمد باب التفسیر

کسی سے کر دیا۔ لڑکی نے بارگاہِ نبوی میں استغاثہ کیا، آپ نے باپ کو بُلا کر چاہا کہ نکاح فسخ کرا دیا جائے۔ لڑکی نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں اب اس نکاح کو قبول کئے لیتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری بہنوں کے ذاتی حقوق کی توضیح کی جائے"[1] اگر ام المومنین عائشہؓ سیاست میں آئیں، تو وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمان عورت کے حقوق کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کو اسلام کے حادثہ کا حال معلوم کر کے کیا کچھ صدمہ نہ ہوا ہو گا۔ اور مسلمانوں کو اس ابتری کی حالت میں دیکھ کر ان کو کتنا دکھ ہوا ہو گا اور خصوصاً جب ان کو نظر آیا ہو گا کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی دوسرا نہیں، وہ فطرتاً نہایت بلند حوصلہ، جری اور پُر دل تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اجازت چاہی تھی کہ وہ جہاد میں شریک ہو کریں آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔[2] اس سے پہلے جب حجاب کا حکم نہ تھا، حضرت عائشہؓ بعض غزوات میں شریک رہی ہیں، ایک روایت کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں بھی گئیں جنگ احد میں جب مسلمان خطرے کی حالت میں تھے اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے، حضرت عائشہؓ پائنچے چڑھائے مشک کاندھے پر لئے زخمیوں کو دوڑ دوڑ کر پانی پلا رہی تھیں[3] غزوہ خندق میں جب مسلمان محصوری کی حالت میں تھے، حضرت عائشہؓ زنانہ قلعہ سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھتی تھیں۔[4]

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات، فرائض امامت کے منافی ہیں، اور خود اسلام نے امام کے لئے جو ضروری شرائط قرار دیئے ہیں، ان سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی!

---

[1] سنن نسائی، باب البکر یزوجہا ابوہا وہی کارہۃ و سنن دار قطنی، کتاب النکاح و مسند احمد، [2] صحیح بخاری باب حج النساء [3] صحیح بخاری غزوہ احد [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۱، فتح الباری و قسطلانی باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ۔

اس لئے وہ امامت جمہور اور خلافتِ الٰہی کے فرائض سے سبکدوش ہو، لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی اور فوجی رہبری جائز نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو، اور اس کے خیال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو، امام مالک اور امام طبری اور ایک اور روایت میں امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت اور قضاء کا عہدہ مل سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں بازار کا انتظام ایک عورت کے سپرد کیا تھا[1]۔ خود حضرت عائشہؓ جب مسلمان عورتوں کے مجمع میں ہوتیں، اور نماز کا وقت ہوتا تو بیچ میں امام بن کر کھڑی ہوتیں[2]۔

بہرحال یہ حج کا موسم تھا۔ اعلان کے ساتھ حرمین کے صرف ۶۰۰ آدمیوں نے لبیک کہا۔ ابن عامر اور ابن منبہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درم اور سواری کے اونٹ مہیا کئے فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کی قیام گاہ پر مشورہ کا جلسہ ہو حضرت عائشہؓ کی رائے تھی کہ چونکہ سبائی اور عام باغی مدینہ ہی میں ہیں، اس لئے ادھر رُخ کیا جائے، غالباً اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ واقعہ کی صورت دوسری ہوتی۔ لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی، حضرت عائشہؓ قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک مُشایعت کی، لوگ ساتھ چلتے جاتے اور روتے جاتے تھے کہ آہ! اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے! اور مادرِ اسلام اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلتی ہے، بنی اُمیہ کے نوجوانوں کی فتنہ پردازی کے لئے اس سے بہتر موقع کیا ہاتھ آسکتا تھا، اب

---

[1] اسماء الرجال میں شفاء عدویہ کا حال پڑھو [2] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۶۰ و کتاب الام امام شافعی لبسند جلد اول ص ۱۴۵۔

تک وہ بھاگ بھاگ کر مکہ کے حرم میں پناہ لے رہے تھے اور چھپتے پھرتے تھے اس دعوت کے ساتھ ہی یہ فاسد عنصر بھی تمام تر اس میں منضم ہو گیا، راہ میں اور بہت سے لوگ یہ سُن کر کہ مادرِ اسلام اس فوج کی سرعسکر ہے، نہایت جوش و خروش سے شریک ہوتے چلے گئے منزل کے ختم پر تین ہزار کی جمعیت ہو گئی۔

بنو امیہ کا اصل مقصود اصلاح کی دعوت کو کامیاب کرنا نہ تھا، بلکہ حضرت علیؓ کی مشکلات میں اضافہ کرنا تھا، اُدھر یہ دیکھ کر کہ حضرت عائشہؓ کی سرپرستی میں ایک تیسری قوت اور نشوونما پا رہی ہے، جو ممکن ہے کہ ان کی دوسری حریف بن جاتے، فوج میں مخفی سازشوں کا جال پھیلانا شروع کیا، چونکہ اس فوج میں متعدد اربابِ ادعا تھے، اس لئے سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ کامیابی کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں سے خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس شورش کو دبا دیا تو دوسرے فتنہ نے سر اٹھایا کہ خلافت کا فیصلہ تو بعد کو ہوگا، ان میں سے نماز کی امامت کا مستحق کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بیٹوں کی ایک ایک دن کی باری مقرر کر دی، راہ میں حوآب کا تالاب آیا کتوں نے اس بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر بھونکنا شروع کیا، حضرت عائشہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد آگئی، کہ آپ نے ایک دفعہ اپنی بیویوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ "خدا جانے تم میں سے کس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے" اس پیشین گوئی کا یاد آنا تھا کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی واپسی کا عزم کر لیا، کئی دن تک قافلہ یہیں رُکا رہا، بالآخر گاؤں کے پچاس آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ حوآب نہیں ہے تب حضرت عائشہؓ کو اطمینان ہوا۔

حضرت علیؓ اس فوج کا حال سُن کر بصرہ کے ارادے سے مدینہ سے چل پڑے تھے، لوگوں نے غل کیا کہ چلو بڑھو پیچھے سے علی کا لشکر آرہا ہے، قافلہ نے جلدی جلدی آگے قدم بڑھایا۔ یہ طبری وغیرہ تاریخ کی کتابوں کی روایت ہے، مسند ابن حنبل میں یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی بتصریح مذکور ہے۔

قالت لما اتت علی الحوأب	جب حوأب آیا تو کتوں کے بھونکنے کی آواز
سمعت نباح الکلاب فقالت	میں نے سُنی، میں نے کہا اب تو میں اپنے کو
ما اظننی الا راجعۃ ان رسول	واپس ہونے والی سمجھتی ہوں، آپ نے ایک بار
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لنا	ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس پر
ایتکن تنبح علیہا کلاب الحوأب	حوأب کے کتے بھونکیں گے، زبیر نے کہا تم
فقال لہا الزبیر ترجعین عسی اللہ	واپس جاؤ گی، شاید خدا تعالیٰ تمہارے سبب
ان یصلح بک بین الناس۔	سے لوگوں میں صلح کرا دے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں۔

فقال بعض من کان معہ	آپ کے ہمراہیوں میں سے کسی نے کہا
بل تقدمین فیراک المسلمون	بلکہ آپ آگے بڑھیں کہ مسلمان آپ کو دیکھیں
فیصلح اللہ عز وجل ذات بینہم	تو خدا ان کے درمیان صلح کرا دے۔

ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پیش قدمی اور جماعت بندی سے اصلاح اور صلح کے سوا کچھ اور مقصود نہ تھا۔

مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بصرہ کے بعد عرب کا سب سے بڑا شہر کوفہ تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یہاں کے امیر تھے، دونوں حرف کے وکلاء اپنے اپنے فریق کی حقیقت کا ثبوت دے رہے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ نے اس فتنہ کو سمجھا اور اپنے عام اثر اور خطبوں کے ذریعے سے لوگوں کو گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی ہدایت کی، حضرت عائشہؓ نے کوفہ کے رئیسوں کے نام

لہ جلد ۶، ص ۹۷ و مسند، ص ۵۲، یہ دونوں حدیثیں مسند میں اسماعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہیں۔ قیس کو اکثر محدثین نے ثقہ اور ثبت کہا ہے لیکن بعضوں نے ان پر تنقید بھی کی ہے، اور ان کو ضعیف، منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث بھی کہا ہے اور ان کی حوأب والی اس روایت کی صحت میں کلام کیا ہے (تہذیب التہذیب)

خطوط روانہ کئے، حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عمار بن یاسرؓ اور امام حسنؓ یہاں شرکت دعوت کی غرض سے بھیجے گئے، حضرت عمارؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں موجودہ واقعات پر تقریر کی جس میں حضرت عائشہؓ کی منقبت بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا یہ سب صحیح ہے، لیکن خدا تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ اس کے باوجود تم حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہو یا نہیں، یہ تقریر مؤثر ثابت ہوئی اور کئی ہزار مسلمان ان کے ہم آواز ہو گئے، تاہم عام لوگوں کو پس و پیش رہا کہ ایک طرف ام المومنینؓ و حرم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری طرف نبی کا ابن عم اور داماد ہے ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ نے بصرہ کے قریب پہنچ کر واقعہ کی اطلاع کے لئے چند اشخاص کو بصرہ روانہ کیا، شہر کے عرب سرداروں کے نام خطوط لکھے، بصرہ پہنچ کر بعض رئیسوں کے گھر گئیں، قبیلہ کا ایک سردار آمادہ نہ تھا، اس کو خود جا کر سمجھایا، اس نے کہا "مجھے شرم آتی ہے کہ اپنی ماں کی بات نہ مانوں"۔

حضرت علیؓ کی طرف سے عثمان بن حنیف بصرہ کے والی تھے، انھوں نے عمران اور ابو الاسود کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والی کی طرف سے آمد کا سبب دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں حسب ذیل تقریر کی:۔

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے اور نہ کوئی ماں اصل حقیقت اپنے بیٹوں سے چھپا سکتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر جو حرم محترم تھا حملہ کیا، اور وہاں فتنے برپا کئے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے رکھا، اس بنا پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہیں، علاوہ بریں انھوں نے بے گناہ خلیفہ اسلام کو قتل کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا، اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بے عزتی کی، ماہ مقدس کی توہین کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، مسلمانوں کو

---

[۱] حضرت عثمانؓ ماہ ذوالحجہ میں شہید ہوئے تھے۔

بے گناہ مار پیٹ کی، اور ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی اتر پڑے، جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے، نقصان دہ رہے، نفع رساں نہیں، نیک دل مسلمانوں کو نہ ان سے بچنے کی قدرت ہے اور نہ ان سے مامون ہیں، میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں، ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہیں، خدا فرماتا ہے۔ لا خیر فی کثیر من نجواھم اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاس یعنی ان کی سرگوشی میں زیادہ فوائد نہیں، لیکن یہ کہ یہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں، ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوتے ہیں، جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے، یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں، اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

یہ دونوں اشخاص یہاں سے اٹھ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے، رخصت ہوتے وقت پھر حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، حضرت عائشہؓ نے ان میں سے ایک سے خطاب کر کے کہا، ابوالاسود! دیکھنا تمہارا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ لے چلے، پھر یہ آیت پڑھی،

کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ	خدا کے کام کے لئے آمادہ و سرگرم رہو
بِالْقِسْطِ۔	اور انصاف کے گواہ ہو۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ وفد کے ایک ممبر عمران نے جنگ سے کنارہ کشی کر لی اور بصرہ کے والی کو بھی یہی مشورہ دیا، لیکن وہ باز نہ آیا، جمعہ کے دن آیا، تو اس نے ایک شخص کو پہلے سے تیار کر کے مسجد میں بٹھا دیا کہ جب لوگ جمع ہو چکیں تو یہ تقریر کرنا۔

"حاضرین! میرا نام قیس ہے یہ لوگ جو باہر پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں، اور تم سے اعانت کے خواستگار ہیں، اگر ظالموں سے بھاگ کر آئے ہیں، اور تم سے امن کے طالب ہیں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ مکہ سے آتے ہیں، جہاں پرندے تک کو کوئی چھو نہیں سکتا، اور اگر یہ یہ سمجھ کر آئے

ہیں کہ ہم سے عثمانؓ کے خون کا انتقام لیں تو ہم عثمانؓ کے قاتل نہیں، میری بات مانو یہ جہاں سے آئے ہیں، وہیں انھیں واپس کردو۔"

خطیب کا مغالطہ آمیز منطقی استدلال اپنا کام کر چکا تھا کہ دفعۃً ایک اور زبان آور صف سے نکل کر گویا ہوا۔

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ کے قاتل ہم ہیں؟ نہیں؟ یہ لوگ اس لئے ہمارے پاس آئے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں کو سزا دینے میں وہ ہماری اعانت اور ہمدردی حاصل کریں، اگر یہ سچ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر کر دیئے گئے ہیں تو شہر یا شہر کی آبادی کون ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے؟

یہ تقریر خطابت اور بلاغت کے صول کی بنا پر پہلے سے کم نہ ثابت ہوئی، ادھر مجمع میں یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ اُدھر سے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے طرف داروں کے ساتھ میدان میں آگئے۔ اول حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے تقریریں کیں، ان تقریروں نے مخالفت اور موافقت کا تلاطم برپا کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نہایت پُرجلال اور بلند آواز میں گویا ہوئیں۔ حمد و نعت کے بعد ان کی تقریر کے الفاظ یہ تھے۔

"لوگ عثمانؓ پر اعتراض کیا کرتے تھے، ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، مدینہ آکر ہم سے صلاح و مشورہ پوچھتے تھے، ہم ان کو صلح و آشتی کے متعلق جو رائے دیتے تھے، وہ سمجھتے تھے عثمانؓ کی نسبت ان کو جو شکایتیں تھیں، ان پر جب غور کرتے تھے تو ہم عثمانؓ کو بے گناہ، پرہیزگار، راست گفتار، اور شور و غل کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور دروغ گو پاتے تھے، ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، ان کی تعداد جب بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے۔ اور جس خون کا بہانا جائز نہ تھا، اس کو بہایا، جس مال کا لینا درست نہ تھا، اس کو لوٹا، جس سرزمین کا

احترام ان پر فرض تھا، اس کی بے حرمتی کی،

ہاں ہشیار! وہ کام جواب کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا نازیبا ہے، وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلامِ الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجرا ہے، خدا نے فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ (آلِ عمران۔۳)	کیا ان کو نہیں دیکھتے، جن کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا، کہ کتابِ الٰہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے، پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ ازراہِ اعراض اس سے منحرف ہوتا ہے۔

بعض کتابوں میں اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی جانب ایک اور تقریر منسوب ہے، جو زورِ بیان اور اسلوبِ بلاغت میں اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

لوگو! خاموش!! خاموش!!! اس لفظ کا سننا تھا کہ ہر طرف ایسا سناٹا معلوم ہوتا تھا کہ گویا منہ میں زبانیں کٹ کر رہ گئی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے سلسلہ تقریر کو آگے بڑھایا۔

"تم پر میرا مادری حق ہے اور مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے مجھے اس کے سوا جو اپنے رب کا فرمانبردار بندہ نہیں، کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی، میں آپ کی چہیتی بیویوں میں سے ہوں، خدا نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم صادر فرمایا۔"[1]

---

[1] یہ خطبہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید کے باب الخطیب اور ذکر واقعہ جمل میں پورا نقل کیا ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں (مقصد دوم ذکر جمل میں) اس کے ایک ٹکڑے کا حوالہ دیا ہے۔ احمد ابن ابی طاہر (المولود ۲۰۴ھ) نے بلاغت النساء میں اس تقریر کو نقل کیا ہے[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ایک کنواری بیوی تھیں[3] واقعہ افک کی طرف اشارہ ہے۔

پھر میرا باپؐ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے۔ اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا، اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس سے خوش ہو کر اور اس کو خلافت کا طوق پہنا کر، اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لئے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سر چشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، ہم اس وقت آنکھیں بند کئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے، اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انھیں تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انھیں دوبارہ پلایا، جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے لڑائی کی آگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھری کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔

وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا، جس کی طرف اگر جھکتے تو محافظ بن جاتا گمراہی سے اس قدر دور جتنی دور مدینہ کی دونوں پہاڑیاں، دشمنوں کی گوشمالی اور جاہلوں سے درگزر کرتا، اسلام کی نصرت میں راتوں کو جاگا کرتا، اپنے پیشرو کے قدم بہ قدم چلا، فتنہ و فساد کے شیرازہ کو درہم برہم کیا، قرآن میں جو کچھ تھا اس کی ایک ایک چول بٹھا دی۔

ہاں میں لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیونکر فوج لے کر نکلی، میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ، اتمام حجت اور تنبیہ کے لئے خدا سے

---

[۱] اس کے ہم معنی مختصر خطبہ معجم طبرانی میں بروایت محمد بن حسن مذکور ہے ص ۲۱۸ مطبوعہ انصاری دہلی [۲] اس فقرہ کا ترجمہ مشکوک ہے۔

پاک سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر محمدؐ پر درود نازل کرے، اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر مقرر کردے"

یہ تقریر اس قدر موثر تھی کہ لوگ ہمہ تن گوش تھے، تقریر کا ایک ایک حرف دشمنوں کے دلوں میں بھی تیر بن کر پیوست ہوگیا، اور بے اختیار بول اٹھے، خدا کی قسم سچ فرماتی ہیں، اور اپنی صف سے نکل کر اصلاح طلب فوج کے پہلو میں جاکر کھڑے ہوگئے جو بدگمان تھے، انھوں نے اس پر اعتراض کئے، دوسروں نے ان کا جواب دیا،

اب فریقین میں سوالات وجوابات شروع ہوگئے، اور آخر بڑھتے بڑھتے معاملہ نے طول پکڑا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے اپنی جماعت کو واپسی کا حکم دیا، والی بصرہ کے طرفداروں میں جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی تقریر سن کر اپنی رائے بدل دی تھی وہ بھی اپنی جماعت کو چھوڑ کر حضرت عائشہؓ کے لشکرگاہ میں چلے آئے۔

دوسرے دن دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہوکر میدان میں آئیں، حکیم نام ایک شخص مخالف سواروں کا افسر تھا، اس نے خود جنگ میں پیش دستی کی، اصلاح طلب فوج اب تک نیزے تانے خاموش کھڑی تھی، حضرت عائشہؓ برابر سکون اور تحمل کی تاکید کررہی تھیں لیکن حکیم کسی طرح باز نہ آیا، اور آخرکار حملہ کرہی بیٹھا، اصلاح طلب پھر بھی ہاتھ روکے رہے حکیم نے اپنے سواروں کو للکارا کہ یہ قریش ہیں، ان کی نامردی خود ان کو موت کے منہ میں لے جائے گی، لوگ گلی کے موڑ پر کھڑے تھے کہ کوٹھوں اور چھتوں سے ہر فریق کے طرفداروں نے دوسروں پر پتھر برسانا شروع کیا، در آخر کشت وخون تک نوبت پہنچی، حضرت عائشہؓ نے یہ دیکھ کر اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا، اور دوسرے میدان میں لاکر کھڑا کیا، مخالف اس پر بھی باز نہ آئے اور پتہ لگا کر وہاں بھی پہنچے اور شورش پر آمادہ ہوئے، لیکن رات ہوچکی تھی، اس لئے واپس چلے گئے۔

صلح جو اشخاص نے چاہا کہ معاملہ صاف ہوکر طے پاجائے، ابوالجرباء تمیمی نے حضرت

عائشہؓ وغیرہ سے گفتگو کی، سب نے ان کی رائے تسلیم کی، اور یہاں سے بھی ہٹ کر دوسری جگہ پڑاؤ ڈالا، صبح ہوئی تو والی بصرہ کی فوج پھر سامنے تھی۔ حکیم راستہ سے گزر رہا تھا اور غصہ میں حضرت عائشہؓ کو ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا، ایک قیسی نے پوچھا، یہ ناسزا کلمے کس کی نسبت کہہ رہے ہو، دریدہ دہنی سے بولا عائشہؓ کی نسبت۔ اس نے بے تاب ہو کر کہا۔ اے خبیث ماں کے بچے! یہ ام المومنین کی شان میں کہتا ہے، حکیم نے نیزہ مارا تو اس کے سینہ کے پار تھا، آگے بڑھا تو ایک عورت نے یہی سوال کیا، اس کو بھی جواب نیزہ ہی کی زبان سے ملا، عبدالقیس کا قبیلہ حکیم کے اس فعل سے ناراض ہو کر ناطرف دار بن گیا۔

مخالفین اب پورے طور پر تیار ہو چکے تھے، انھوں نے عام حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؓ کی طرف سے منادی قسمیں دے دے کر روک رہا تھا، لیکن وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے آخر ادھر بھی لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگے، اور لڑائی شروع ہو گئی، حملہ آوروں کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، یہ دیکھ کر امان امان کی آوازیں بلند کیں، فریقین نے اس شرط پر صلح کر لی کہ بصرہ سے ایک سفیر بارگاہِ خلافت کو بھیجا جائے۔ وہاں مجمع عام میں وہ دریافت کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بخوشی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی یا ان کو زبردستی اس پر مجبور کیا گیا، پہلی صورت میں بصرہ ان کے حوالہ کر دیا جائے گا ورنہ وہ خود بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

سفیر جب مدینہ منورہ پہنچا تو اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، تمام صحابہؓ اور عام مسلمان مسجد نبوی میں جمع تھے، اس نے حاضرین کو بلند آواز سے خطاب کیا "اے اہل مدینہ! میں بصرہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں، ان دونوں بزرگوں نے (حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ) برضا و رغبت بیعت کی ہے، یا اس پر وہ زبردستی مجبور کئے گئے ہیں؟ تمام مجمع پر خاموشی چھا گئی کہ دفعتاً ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا، یہ حضرت اسامہ بن زیدؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند متبنّٰی) کی آواز تھی، انھوں نے کہا۔ ان دونوں نے بخوشی بیعت نہیں کی

بلکہ بجبر اُن سے بیعت لی گئی، حضرت سہل بن حنیف انصاری (حضرت علیؓ کے اسلامی بھائی) نے تُجک کر ان کو، یہ دیکھ کر حضرت صہیبؓ، حضرت ابوایوبؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ اور دیگر صحابہؓ نے کہا خدایا ہاں یہ سچ ہے۔" اس کے بعد حضرت صہیبؓ نے حضرت اسامہ کو چھوڑا کر گھر پہنچا دیا اور ان سے کہا آخر جس طرح ہم لوگ خاموش رہے اتم کیوں نہیں رہے۔

راہ میں حضرت علیؓ کو صلح کی شرطیں معلوم ہوئیں، تو انھوں نے بصرہ کے والی کو خط لکھا "اگر ان لوگوں سے زبردستی بھی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لئے کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے۔"

بصرہ کے سفیر نے واپس آکر مدینہ کا حال بیان کیا، مخالفین نے اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا خط پیش کیا، ابھی یہ گفت و شنید جاری تھی کہ اتفاق سے ایک اور واقعہ پیش آیا، صلح کے زمانہ میں دونوں فریق ایک جگہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، نہیں معلوم اتفاقاً یا قصداً ادھر کے لوگوں نے اپنی طرف کے ایک آدمی کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، چالیس عجمی نژاد شخص تلواریں گھسیٹ کر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے ادھر سے بھی جواب دیا گیا اور والی کو گرفتار کر لیا گیا، حضرت عائشہؓ نے سُنا تو اس کو آزاد کر دیا، اور فوج میں منادی کرا دی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے سوا کسی اور سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس لئے عام لوگ ہتھیار ڈال دیں، لیکن حکیم نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اور جنگ کو برابر جاری رکھا، ایک دستہ نے شب کو موقع پا کر چاہا کہ چھپ کر حضرت عائشہؓ کی منزل گاہ پر پہنچ جائے۔ اور ان کا کام تمام کر دے، دہلیز تک پہنچ چکا تھا کہ راز فاش ہو گیا، آخر جنگ کا خاتمہ اصلاح پسندوں کی کامیابی پر ہوا، بصرہ پر قبضہ کر لیا گیا، شہر کے اکثر باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، بصرہ کے خزانہ سے سپاہیوں کی تنخواہیں تقسیم ہوئیں، کوفہ، دمشق، مدینہ وغیرہ

لہ تہذیب و اصابہ بحوالہ ابن سعد۔

ممتاز شہروں میں فتح نامہ بھیجے گئے۔

حضرت عائشہؓ نے جو خط کوفہ کے امراء کے نام لکھا تھا وہ حسب ذیل تھا:

"امابعد میں تمھیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں، کتاب الٰہی کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو، خدا سے ڈرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو ہم نے بصرہ آکر بصرہ کے لوگوں کو کتاب الٰہی کی اقامت کی دعوت دی، صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی، اور جن میں بہتری نہ تھی انھوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ تمھیں بھی ہم عثمان کے ساتھ روانہ کردیتے ہیں عناد سے انھوں نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں، ہم نے ان کو قرآن کی آیت پڑھ کر سنائی،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا	ان کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب الٰہی کا ایک
مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ	حصہ دیا گیا، ان کو کتاب اللہ کی طرف
اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ۔	دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ انکے درمیان
(آل عمران۔ ۳)	فیصلہ کرے، لیکن وہ اعراض کرتے ہیں،

یہ سن کر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی، اور بعضوں نے اختلاف کیا، ہم نے انھیں چھوڑ دیا۔ لیکن باوجود اس کے بھی انھوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ عثمان بن حنیف والی بصرہ نے انھیں قسم دی کہ وہ مجھ سے لڑیں، لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ سے میری مدد کی، اور ان کی سازشی تدبیریں ان ہی پر لوٹا دیں، ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الٰہی کے احکام کی دعوت دی، یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ اور بے گناہوں کی خون ریزی سے احتراز کیا جائے، انھوں نے ہمارے خوف دلائل قائم کئے۔ تاہم ہم نے صلح کرلی، لیکن انھوں نے بدعہدی اور خیانت کی اور فوج جمع کی۔ خدا نے عثمانؓ کے قصاص کا سامان کردیا، ایک شخص کے سوا ان شورش پسندوں

میں سے کوئی اور نہیں بچا، خدا نے قیس و رباب و ازد کے قبیلوں کے ذریعہ سے ہماری اعانت فرمائی، اب دیکھو! عثمانؓ کے قاتلوں کے سوا جب تک خدا ان سے اپنا حق نہ لے، اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ، لیکن ان خیانت کاروں کی طرف داری نہ کرنا، نہ ان کی حفاظت کرنا، نہ ان لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں، رضامندی ظاہر کرنا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے۔"

مخصوص اشخاص کے نام جو خط تھا، اس کی عبارت یہ تھی:۔

"اما بعد، لوگوں کو ان کی مدد اور حفاظت سے باز رکھو، اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو جاؤ، اس جماعت نے عثمان بن عفان کے ساتھ جو کچھ کیا، امت کے اتحاد باہمی کو جس طرح پراگندہ کیا، کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ کی مخالفت کی، اسی پر بس نہیں کی، بلکہ احکام دینی اور کتاب الٰہی پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے سبب اس نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں، صلحائے امت نے ان کی مخالفت کی، اور ان کے اس فعل کو بڑا گناہ سمجھا اور ان کو خطاب کر کے کہا تم امام کے قتل پر قانع نہیں ہو، اپنے پیغمبر کی بیوی سے اس لئے بغاوت کرتے ہو کہ وہ تم کو حق کا فرمان دیتی ہیں، اور چاہتے ہو کہ ان کو اور پیغمبر کے ساتھیوں اور اسلام کے رہبروں کو قتل کر ڈالو، لیکن وہ اور عثمان بن حنیف (والیٔ بصرہ) جاہل عوام اور عجم زادوں کی جمعیت لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا، ہم نے چھاؤنی کے کچھ سپاہیوں کی حفاظت حاصل کی، چھبیس دن تک یہی حال رہا، ہم ان کو حق کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ حق کے درمیان حائل نہ ہو جاؤ لیکن انھوں نے غداری اور خیانت کی، طلحہؓ اور زبیرؓ کے بیعت کا بہانہ کرتے تھے، آخر ایک سفیر دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا، وہ اصلی واقعہ دریافت کر کے آیا، انھوں نے پھر بھی حق کو نہ پہچانا، اور اسی پر صبر نہ کیا، بلکہ ایک دفعہ تاریکی میں چھپ کر میرے

قیام گاہ میں گھس آئے کہ مجھے مار ڈالیں، وہ دہلیز تک پہنچ چکے تھے، ایک آدمی انھیں آگے آگے راستہ بتا رہا تھا کہ قیس ارباب اور ازد کے چند آدمی میرے در پر پہرہ دیتے ان کو ملے، لڑائی کی چکی نے گردش کی، اور مسلمانوں نے ان کو قتل کر ڈالا، خدا نے تمام اہل بصرہ کو طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے پر متفق کر دیا ہے، قصاص کے لینے کے بعد ہم معاف کر دیں گے، یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۳۶ھ کو واقع ہوا"

جنگ جمل حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے ۹۰۰ آدمی لے کر چلے تھے، کوفہ سے سات ہزار آدمی ان کے ساتھ ہوتے، بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہو گئی، ادھر حضرت عائشہؓ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے، دونوں فوجیں آمنے سامنے آکر میدان جنگ میں خیمہ زن ہوئیں، مضر مضر کے مقابل، ازد، ازد کے سامنے، یمنی، یمنی کے محاذی، غرض ہر قبیلہ خود اپنے قبیلہ کا حریف بن کر اترا، اس سے زیادہ دردانگیز منظر یہ تھا کہ دل گو درد محبت سے بے تاب تھے، تاہم اپنے سیاسی عقیدہ کے مطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک اِدھر تھا ایک اُدھر، دونوں کو حق دو جگہ نظر آتا تھا، اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبت پر غالب تھا،

یہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، ہر مسلمان کا دل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں، اب وہ خود دوستوں کے سر و سینہ کو زخمی کریں گی حضرت زبیرؓ نے اس منظر کو دیکھا تو فرمایا "آہ مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں؛ ایک دوسرے کو اپنے برسرِ حق ہونے کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ایک قدم ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کوفہ کے بعض قبیلہ کے رئیسوں نے اپنے بصری قبائل کی مسجدوں میں گئے، اور ان کو اس فتنہ سے کنارہ کشی کی دعوت دی، سب نے بیک آواز کہا، کیا ہم ام المومنین کو تنہا چھوڑ دیں گے۔

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا، بلکہ باہمی صلح سے طے ہو جائے گا، ایک قبیلہ کے رئیس نے حضرت علیؓ سے صلح کی تحریک کی، وہ کہنے سے پہلے راضی

گئے، وہاں سے اٹھ کر وہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، اس نے پوچھا، ام المومنین! اس مہم سے آپ کی غرض کیا ہے؟ فرمایا "عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت"۔ اس نے کہا "ام المومنین! غور فرمایئے کہ پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لئے آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لئے ہزاروں کا خون بہانا ہوگا، کیا یہ اصلاح ہے؟" انداز تقریر اس قدر بلیغ اور موثر تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا، اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی اور سب صاحبوں نے مل کر باہم فیصلہ کر لیا۔[1]

اب ہر فریق مطمئن ہوگیا، جنگ وجدل کا خیال یک قلم دلوں سے محو ہوگیا، صلح کے احکام اور دیگر معاملات کے باسانی اور بہ آشتی طے ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا، لیکن عثمانؓ کے قاتلوں کا جو فاسد عنصر ادھر شامل تھا اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہوگئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے اور پھر ہماری برسوں کی محنت اکارت جاتی ہے، سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی۔ دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے، سبائیوں نے پیش دستی کر کے شب خون[2] مارا، دفعۃً ان چند شریروں نے ہر جگہ آگ لگادی، حضرت علیؓ لوگوں کو روک رہے تھے، مگر کوئی نہیں سنتا تھا، ہر شخص بدحواس ہو کر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا، ہر فریق کے رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے سے غفلت پاکر بدعہدی کی۔

صبح تک یہ تلاطم برپا رہا، شور وغل سن کر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں نے جنگ شروع کر دی، بصرہ کے قاضی کعب بن سور نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کی کہ آپ سوار ہو کر چلیں، شاید آپ کے ذریعہ سے لوگ صلح کر لیں۔[3] وہ آہنی ہودج میں، اونٹ پر سوار ہو کر اپنی فوج کے قلب میں آئیں، حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلا بھیجا تینوں صاحب گھوڑوں پر سوار ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے۔ آہ کیسا پُر اثر منظر ہے کہ بدر واُحد

---

[1] طبری جلد ۶ [2] طبری جلد ۳۱۸۲ و ۳۱۸۳ [3] طبری جلد ۶ ص ۳۱۸۸

کے ہیروا ب خود دست و گریبان ہیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی، دفعۃً دونوں بزرگوں کو بھولا ہوا خواب یاد آگیا، حضرت زبیرؓ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور میدان سے باہر نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، ابن جرموز نام ایک سبائی نے دیکھ لیا۔ وہ پیچھے چلا۔ ایک بادیہ میں آکر جب حضرت زبیرؓ نماز میں مصروف اور سربسجود تھے، ظالم نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ سر دھڑ سے الگ ہوگیا۔ سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا، آب دیدہ ہوگئے، فرمایا "یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔"

حضرت طلحہؓ بھی واپسی کا عزم کر رہے تھے کہ مروان اموی کی نظر پڑگئی، سمجھا کہ انکی زندگی خاندان اموی کے لئے سنگِ راہ ہے، زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گھٹنے میں پیوست ہوگیا، خون کسی طرح نہ تھما، اور آخر اسی حالت میں جان دے دی۔ کعب بن سور کو حضرت عائشہؓ نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو، وہ قرآن کھول کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے، شریروں نے ادھر سے ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہوگئے۔

دوپہر ہوگئی تھی چونکہ اچانک حملہ ہوگیا فوج کے جو جنرل تھے، انہوں نے اس فتنہ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ کی فوج کا پہلو کمزور ہوگیا تھا، لڑنے والے کون تھے، بھائی بھائی، حملہ میں ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے، سر و سینہ کو بچا جاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہؓ ہاتھ آگئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے[1] چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بعد بلوائی ان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے، ان کے طرف داروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا، مصری قبائل اور ان کے

---

[1] چنانچہ یہی لوگ جب خوارج بن کر حضرت علیؓ سے الگ ہوئے تو ان پر جو الزامات انھوں نے قائم کئے اس میں ایک یہ بھی تھا کہ تم اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے۔ طبری جلد ۶ ص ۳۰۹۳۔

بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے آدمی جوش سے بھرے ہوتے تھے، ادھر سے دشمنوں کا ریلا تھا ادھر حضرت عائشہؓ کے داہنے بکر بن وائل، بائیں ازد، سامنے بنو ناجیہ، مادرِ اسلام کی عزت و احترام کے تحفظ کے لئے اپنی اپنی جانیں فرزندانِ فدویت کے ساتھ نثار کر رہے تھے، اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا، ابھی ہودج تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا، پرجوش بیٹے آگے پیچھے داہنے بائیں اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے، زبان پر رجز کے فخریہ اشعار تھے، بنو ازد کا نعرہ تھا،

يَا اُمَّنَا يَا خَيْرَ اُمٍّ نَعْلَمُ	اَمَا تَرَيْنَ كَمْ شُجَاعٍ يُكْلَمُ
اے ہماری ماں اے ہماری بہتر ماں جس کو ہم جانتے ہیں	آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کئے گئے
وَتُخْتَلَى هَامَتُهُ وَالْمِعْصَمُ	اور ان کے ہاتھ اور سر کاٹ ڈالے گئے

اب ہر طرف یہ شور تھا کہ اونٹ کو جب تک مار کر نہ بٹھا دیا جائے گا، جنگ کا خاتمہ نہ ہو گا، بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوتے تھے، حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا واپس نہ جاتا، ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے،

نَحْنُ بَنُو ضَبَّةَ لَا نَفِرُّ	حَتّٰى نَرٰى جَمَاجِمًا تَخِرُّ
ہم ضبہ کے فرزند ہیں، بھاگتے نہیں	جب تک سروں کو گرتے اور ان سے
يَخِرُّ مِنْهَا الْعَلَقُ الْمُحْمَرُّ	سرخ خون کو بہتے نہ دیکھ لیں
يَا اُمَّنَا يَا عَيْشُ لَنْ تُرَاعِي	كُلُّ بَنِيكِ بَطَلٌ شُجَاعٌ
اے ہماری ماں اے عائشہؓ! گھبرائیے نہیں	آپ کے سب بیٹے بہادر اور بہادر ہیں
يَا اُمَّنَا يَا زَوْجَةَ النَّبِيِّ	يَا زَوْجَةَ الْمُبَارَكِ الْمَهْدِيِّ
اے ہماری ماں، اے پیغمبر کی بیوی	اے بابرکت وہدایت یاب شوہر کی بیوی

لیکن ان کا سب سے زیادہ پرجوش قومی نعرہ یہ تھا،

نَحْنُ بَنُو ضَبَّةَ اَصْحَابُ الْجَمَلِ	اَلْمَوْتُ اَحْلٰى عِنْدَنَا مِنَ الْعَسَلِ
ہم ضبہ کے بیٹے اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں	موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے

نحن بنو الموت اذا الموت نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے آغوش میں پلے ہیں جب موت اترتی ہے	ہم عفان کے بیٹے عثمان کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں۔
رُدّوا علینا شیخنا ثم بجل	ہمارے سردار کو واپس کر دو پھر کوئی بات نہیں

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنو ضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا، وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا، اسی طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں، حضرت عبداللہ بن زبیر پاس کھڑے تھے جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس کا ہاتھ اڑا دیا، کہتے ہیں کہ فضا میں گیندوں کی طرح ہاتھ اڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ بھیڑ کے چھانٹنے کو خود آگے بڑھے، اشتر نخعی (اصلی نام مالک) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قریب پہنچ گئے، دونوں مشہور بہادر تھے، تلواروں کے رد و بدل ہونے لگے، دونوں زخمی ہو گئے تو دوڑ کر ایک دوسرے کو لپٹ گئے، ابن زبیرؓ نے چلا کر کہا،

اقتلونی ومالکا	اقتلوا مالکا معی
مجھ کو اور مالک کو مار ڈالو	میرے ساتھ مالک کو بھی مار ڈالو

اشتر کہتے تھے کہ مالک کے نام سے مجھ کو لوگ جانتے نہ تھے، ورنہ میری بوٹی بوٹی اڑا دیتے۔

بنو ضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے۔ یہ دیکھ کر کہ اونٹ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو تو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا، ایک ضبی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا، حضرت عمارؓ بن یاسر اور محمد بن ابی بکرؓ نے دوڑ کر ہودے کو سنبھالا، محمد بن ابی بکرؓ نے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا، حضرت عائشہؓ نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے کہا۔ تمہارے بھائی محمد کا۔ بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ فرمایا تم محمد نہیں، مذمم ہو، اتنے میں حضرت علیؓ پہنچے، انھوں نے خیریت دریافت کی حضرت

عائشہؓ نے جواب دیا کہ اچھی ہوں،

حضرت علیؓ نے ان کو ان کے طرف دار بصری رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ آ کر پناہ لی، اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس وغیرہ ملنے آئے، حضرت علیؓ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں تمام زخمی پناہ گزیں ہیں مگر انھوں نے کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا، اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکرؓ کی نگرانی میں چالیس معزز آدمیوں کے جھرمٹ میں ان کو حجاز کی طرف رخصت کیا، عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علیؓ نے دور تک مشایعت کی، امام حسن رضی اللہ عنہ میلوں تک ساتھ گئے، چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہؓ نے اقرار کیا کہ مجھ کو علیؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی، اور نہ اب ہے، ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس کی میں نفی نہیں کرتی، حضرت علیؓ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہوا[1]،

حج کے چند مہینے باقی تھے، اتنے عرصہ تک حضرت عائشہؓ نے مکہ معظمہ میں بسر کیا، پھر وہ بدستور روضہ نبوی کی مجاور تھیں اور اپنی اس اجتہادی غلطی پر کہ اصلاح کا جو طریقہ انھوں نے انتخاب کیا تھا وہ کہاں تک مناسب تھا، ان کو عمر بھر افسوس رہا۔

ابن سعد میں ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں اے کاش میں درخت ہوتی، اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں روڑا ہوتی[2]، اے کاش میں نیست و نابود ہوتی[3]

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بصری حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے، پوچھا کہ تم ہماری لڑائی میں شریک تھے؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا کہ تم اس کو جانتے ہو، جو یہ رجز یہ شعر پڑھتا تھا، یا اُمَّنَا یا خیر اُمٍّ نعلمُ اس نے کہا وہ میرا بھائی تھا، راوی بیان

---

[1] اس فصل کے تمام واقعات حرفاً حرفاً تاریخ طبری جلد ہشتم سے ماخوذ ہیں، افسوس کہ ان واقعات کے متعلق اس سے زیادہ معتبر سند ہمارے پاس کوئی اور نہیں، حدیث کی کتابوں میں یہ واقعات مذکور نہیں [2] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۵۱ مطبوعہ لائیڈن [3] ایضاً

کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد اس قدر روئیں کہ میں سمجھا کہ پھر کبھی چپ نہ ہوں گی، بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انھوں نے وصیت کی کہ مجھے روضۂ نبویؐ میں آپ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا۔ میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں:۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (احزاب ۴) (اے پیغمبر کی بیویو) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی ملالِ خاطر کی تردید

بعض کور باطنوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا اصلی سبب یہ تھا کہ چونکہ واقعۂ افک میں حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی تھی کہ آپ چاہیں تو ان کو الگ کر سکتے ہیں اس بنا پر ان کی طرف سے حضرت عائشہؓ کو ملال خاطر تھا، لیکن جنگ کی ساری روداد تمہارے سامنے ہے، اور اسی غرض سے تطویل کے باوجود ہم نے حضرت عائشہؓ کے جنگ کے زمانہ کے تمام خطوط اور خطبے نقل کر دیئے ہیں، ان میں کہیں بھی حضرت علیؓ کی طرف روئے سخن ہے؟ جنگ بالکل اتفاقی تھی اور متمدین جرم کے سوا دونوں فریق بے قصور تھے۔

یہ سچ ہے کہ واقعہ کے لحاظ سے ان کو سبائیوں کے اس دعویٰ سے انکار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت علیؓ کے لئے خلافت کی وصیت کی، فرماتی تھیں کہ آپؐ نے میری گود میں سر رکھے ہوئے انتقال فرمایا، آپ نے وصیت کس وقت کی؟[2] لیکن اس سے باہمی ناگواریِ خاطر کا ثبوت نہیں ہوتا، یہ ایک واقعہ کا تاریخی بیان ہے، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا،

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا — پھر ہم نے کتاب الٰہی کی وراثت ان بندوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، مستدرک حاکم جزء عائشہؓ، تہ جزء نسا، ص ۷۰ واقدی بروایت سفیان ثوری

[2] صحیح بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۴۱۔

مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ۔ (فاطر-۴) — کو عطا کی جن کو ہم نے چن لیا ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں بعض معتدل اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں،

فرمایا کہ "فرزندِ من! یہ تینوں فرقے جنت میں داخل ہوں گے" یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا، جو پہلی آیت کے بعد ہی واقع ہے،

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا (عدن ۳) — یہ لوگ جنت عدن میں رہیں گے۔

پھر فرمایا "سابق الی الخیرات تو وہ صحابہ ہیں جنھوں نے آپ کے سامنے وفات پائی اور آپ نے ان کو بشارت دی، متوسط وہ ہیں جنھوں نے آپ کی پوری پوری پیروی کی یہاں تک کہ وہ مر گئے، اور ظالم وہ ہیں، جو ہماری تمہاری طرح ہیں" (طیالسی مسند عائشہؓ)

حضرت عمار بن یاسرؓ اور اشتر نخعی جو حضرت علیؓ کے طرفدار اور اس لڑائی کے ہیرو تھے حضرت عائشہؓ سے ملنے آئے، حضرت عمارؓ نے کہا "اے میری ماں!" فرمایا "میں تمہاری ماں نہیں ہوں" عرض کی آپ میری ماں ہی ہیں گو آپ کو ناگوار ہو" پھر دریافت کیا کہ "تمہارے ساتھ کون ہے" بتایا کہ اشتر نخعی ہیں، اشتر نخعی سے خطاب کر کے کہا کہ تم ہی تھے جو میرے بھانجے کو مار ڈالنا چاہتے تھے اشتر نے کہا کہ وہ مجھ کو مار ڈالنا چاہتے تھے، میں ان کو مار ڈالنا چاہتا تھا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "اگر تم ایسا کرتے تو کبھی فلاح نہ پاتے"[۱] ابن حنبل کی روایت ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے، اور طیالسی میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے عمار! تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مومن کا خون بہانا حلال نہیں، لیکن تین اسباب سے، یا وہ مرتد ہو گیا ہو یا زنا کا مرتکب ہوا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فوج کشی سے حضرت عائشہؓ کا مقصد خونریزی نہ تھا

اس اشتباہ اور تعریض کی ابتداء بنو امیہ نے کی، واقعہ اتنا ہے کہ افک کے قصہ میں حضرت

---

۱ مسند احمد جلد ۶ ص ۲۰۵ ۲ طیالسی مسند عائشہؓ ص ۲۱۶،

علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی خاطر عرض کیا تھا کہ اگر آپ کو منافقین کے کہنے کا خیال ہے تو الگ کر دیجئے۔ شاہان بنو امیہ کو حضرت علیؓ کے بدنام کرنے کے لئے جب کوئی دستاویز ہاتھ نہ آئی تو انھوں نے اس واقعہ کو حضرت علیؓ کے مثالب میں داخل کر لیا، جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عائشہؓ کے اتہام میں جو لوگ ساعی تھے ان کو دوزخی کہا گیا ہے، ایک دفعہ امام زہری ولید بن عبد الملک کے دربار میں تھے، ولید نے کہا کہ وہ علیؓ ہی نہ تھے جن کی نسبت قرآن نے کہا ہے۔

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ — اس افترا پردازی میں جس کا بڑا حصہ ہے

عَذَابٌ عَظِیْمٌ (نور-۲) — اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ چند لمحوں کے لئے میرے دل نے مرعوب ہو کر حق گوئی کی جرأت نہ کی، لیکن پھر میں نے کہا، خدا امیر کو صلاحیت بخشے، اس کے دو اہم خاندانوں نے مجھ سے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے۔

کان علی مسلما فی شانها۔ — حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے واقعہ میں

بخاری حدیث افک) — محفوظ تھے۔

تاہم ولید کو تسکین نہ ہوئی۔[1]

مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سہارا دے کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو کہتی تھیں کہ آپ عباس، اور ایک اور آدمی کے سہارے آئے۔ بعض بدگمانوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ملال خاطر کے سبب حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف حضرت عباس برابر سہارا دیتے ہوئے لائے۔ اور دوسری طرف کبھی حضرت علیؓ سہارا دیتے تھے اور کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ، اس بنا پر حضرت عباسؓ کا نام انھوں نے

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری میں دو موقعوں پر مروی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری، شرح حدیث افک۔

لیا، اور دوسرے کی نسبت عدم تعین کے سبب یا اختصار کی بنا پر کہہ دیا کہ "ایک اور آدمی"[1]

اس باہمی ملالِ خاطر کی تردید طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے اپنی دلی صفائی کا اعتراف مجمع عام میں کیا ہے۔ حدیثوں میں ایسی متعدد روایتیں ہیں، جن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے مناقب بیان فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب کون تھا، بولیں "فاطمہ"۔ پھر عرض کی کہ مردوں میں، فرمایا "اُن کے شوہر بہت نماز گزار اور بہت روزہ دار تھے"[2]

حضرت علیؓ کا اہل بیت اور آلِ عبا میں داخل ہونا ہم اہل السنۃ کو حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے[3]، متعدد دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس مستفتی آتے ہیں اور انھوں نے ان کو حضرت علیؓ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے[4]، وہ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافت کرتیں[5]، حضرت علیؓ نے کوفہ میں جب خوارج کے ہاتھوں شہادت پائی اور لوگوں نے وہاں سے آکر واقعہ بیان کیا، تو حضرت عائشہؓ نے ایک صاحب سے پوچھا کہ اے عبداللہ! میں تم سے جو پوچھوں گی، سچ سچ بیان کروگے عرض کی کیوں نہ بیان کروں گا فرمایا یہ لوگ جن کو علیؓ نے قتل کیا، ان کا کیا واقعہ ہے، انھوں نے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی مصالحت اور تحکیم، خوارج کی مخالفت، حضرت علیؓ کا سمجھانا، ان کا نہ ماننا سب بیان کیا، یہ سُن کر فرمایا، خدا علیؓ پر رحمت بھیجے، ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے، صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ، اہل عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے ہیں، اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں[6]۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر وفات مع کرمانی [2] ترمذی، مناقب [3] صحیح مسلم [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۵ و جلد ۱ ص ۹۶ وغیرہ [5] ایضاً جلد ۶ ص ۱۵۵ [6] ایضاً جلد ۱ ص ۸۶ و ۸۷ و خلق افعال العباد بخاری ص ۱۹ مطبع انصاری۔

حضرت معاویہؓ کا زمانہ حضرت علیؓ کی خلافت کی مدت صرف چار برس ہے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے تختِ حکومت پر قدم رکھا اور تقریباً بیس برس پوری اسلامی دنیا کے اکیلے فرمانروا رہے، ان کی مدتِ حکومت کے اختتام سے دو برس پہلے حضرت عائشہؓ نے وفات پائی۔ اس حساب سے امیر معاویہؓ کی حکومت میں انھوں نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال بسر کئے اور یہ پورا زمانہ حضرت عائشہؓ نے جزئی اوقات کے سوا خاموشی میں گزارا۔

ایک دفعہ امیر معاویہؓ مدینہ منورہ آئے تو حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم اس طرح بے خطر تنہا میرے گھر آ گئے، ممکن تھا کہ میں کسی کو چھپا کر کھڑا کر دیتی کہ جیسے ہی تم آتے وہ تمہارا سر اڑا دیتا، امیر معاویہؓ نے کہا یہ دارالامان ہے، یہاں آپ ایسا نہیں کر سکتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، پھر دریافت کیا کہ میرا برتاؤ آپ کے ساتھ کیسا ہے، بولیں کہ ٹھیک ہے، امیر معاویہ نے کہا کہ پھر اور ان کا (بنو ہاشم) معاملہ چھوڑ دیجئے خدا کے یہاں سمجھا جائے گا۔[1]

حجرؓ بن عدی ایک صحابی حضرت علیؓ کے بڑے طرف دار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرگروہ تھے، کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر ان تمام اشخاص کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا۔ حجر یمن خاندان کندہ سے تھے، کوفہ عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا۔ خود کندہ کا قبیلہ یہاں موجود تھا، لیکن کسی نے حجر کی حفاظت کے لئے انگلی تک نہ ہلائی۔ تاہم حجر کا صحابہ میں اس وقت نہایت اقتدار تھا، اس لئے اس واقعہ کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا۔ قبائل کے رئیسوں کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارشیں کیں، لیکن قبول نہ ہوئیں۔ مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہؓ نے اپنی طرف سے ایک قاصد ان کی سفارش کے لئے روانہ فرمایا۔ لیکن افسوس کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر کا کام تمام ہو چکا تھا،[2] اس وقت جب امیر معاویہؓ ملنے آئے حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے جو گفتگو ان سے کی وہ یہ تھی، "معاویہ! حجر کے معاملہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۹۲ [2] طبری جلد ہفتم ص ۷۵

میں تمہارا تحمل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے" امیر معاویہ نے جواب دیا اس میں میرا قصور نہیں، قصور ان کا ہے جنھوں نے گواہی دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے کہا یا ام المومنین کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہ تھا، مسروق تابعی راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم اگر معاویہ کو معلوم ہوتا کہ کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجر کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے۔ لیکن اس خوارۂ ہند کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے، خدا کی قسم کوفہ شجاعت وخودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا لبید نے سچ کہا ہے۔

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم　　　　ولقیت فی خلف کجلد الاجرب

وہ لوگ چلے گئے جنکے سائے میں زندگی بسر کی جاتی ہے اب ایسے خلف کے درمیان رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی کھال کیطرح ہیں

لا ینفعون ولا یرجی خیرھم　　　　ویعاب قائلھم وان لم یشغب

نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ ان سے بھلائی کی امید ہے ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری کی جاتی ہے

عراق اور مصر کے لوگ حضرت عثمانؓ کو برا کہتے تھے، شامی حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، خوارج دونوں کو برا جانتے تھے، حضرت عائشہؓ کو ان فرقوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا قرآن میں تو خدا نے یہ فرمایا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تم رحمت ومغفرت کی دعا مانگو اور یہ لوگ ان کو گالی دیتے ہیں[۴]، خوارج کا فرقہ حضرت علیؓ سے جدا ہو کر سب سے پہلے مقام حرور میں جمع ہوا تھا، اس لئے ان کا پہلا نام حروریہ ہے، ایک عورت نے آکر حضرت عائشہؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایام مخصوص میں روزہ کی طرح نماز کی بھی قضا کیوں نہ کریں، انہوں نے نہایت برہمی کے ساتھ فرمایا، "کیا تو حروریہ ہے[۵]" یعنی وہ اس فرقہ سے نفرت کرتی تھیں۔

---

[۱] طبری جلد ہفتم ص ۱۴۵ [۲] طبری جلد ہفتم ص ۶۔ [۳] ہند امیر معاویہ کی ماں غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر ان کا جگر چبا گئی تھی [۳] یہ پورا واقعہ جلد ہفتم میں ہے [۴] صحیح مسلم کتاب التفسیر مع نووی [۵] صحیح بخاری، کتاب الحیض۔

امیر معاویہؓ نے ایک دفعہ ان کو خط لکھا کہ مجھ کو مختصر سی نصیحت کیجئے، حضرت عائشہؓ نے جواب میں لکھا سلام علیکم، امابعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص انسانوں کی نارضامندی کی پروا نہ کر کے خدا کی رضاجوئی کرے گا، خدا انسانوں کی نارضامندی کے نتائج سے اس کو محفوظ رکھے گا، اور جو خدا کو نارضامند کر کے انسانوں کی رضامندی کا طلبگار ہو گا، خدا اس کو انسانوں کے ہاتھ میں سونپ دے گا والسلام علیک۔[1]

حضرت عائشہؓ کی نصیحت کے یہ فقرے درحقیقت امیر معاویہؓ کے حالاتِ زندگی پر ایک مختصر تبصرہ ہے۔

امیر معاویہ نے اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا، مروان ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا، مجمع عام میں اس نے یزید کا نام پیش کیا، حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن نے اٹھ کر مخالفت کی، مروان نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، وہ دوڑ کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں گھس گئے، مروان اندر گھسنے کی جرأت نہ کر سکا، کھسیانا ہو کر بولا یہی وہ ہے جس کی شان میں یہ آیت اتری ہے، وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَا حضرت عائشہؓ نے اوٹ کے پیچھے سے فرمایا ہم لوگوں کی شان میں خدا نے کوئی آیت نہیں اتاری، بجز اس کے کہ میری برأت فرمائی[2] اس سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی جانشینی سے وہ خوش نہ تھیں۔

امام حسنؓ کی تدفین کا واقعہ امام حسنؓ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں، ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی، امام حسن نے بھائیؓ سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خالی جگہ میں دفن کی جائے، اور اگر اس میں مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں، امام حسینؓ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان

---

[1] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ احقاف۔

بن حکم نے مخالفت کی کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی، ادھر امام حسینؓ کے ساتھ تمام بنو ہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے، قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آکر بیچ بچاؤ کیا، مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے، امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے، الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور وہیں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں حضرت عائشہؓ کا طرزِ عمل کیا تھا، بعض شیعی مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ خود ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں، سپاہیوں نے تیر چلائے اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی آئے اور انھوں نے کہا، ابھی جنگ جمل کی شرم ہمارے خاندان سے مٹی نہیں کہ تم ایک اور جنگ کے لئے آمادہ ہو، یہ سن کر حضرت عائشہؓ واپس چلی گئیں، یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے فارسی ترجمہ میں جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک حرف پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا، طبری کے اس فارسی ترجمہ میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں، مترجم نے مقدمہ میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے، یعقوبی جو تیسری صدی کا ایک شیعی مورخ ہے، اس نے اس واقعہ کو البتہ نقل کیا ہے، لیکن علاوہ اس کے کہ وہ روایت کی سند نہیں لکھتا اصل واقعہ کے بیان کے بعد کہ درحقیقت مروان کا فعل تھا، قیل یعنی ضعف روایت کے صیغہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ انھوں نے نعوذ باللہ تیر چلائے یا جنگ کی۔

ابو الفداء میں یہ مذکور ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جب جنگ و جدال شروع

ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہلا بھیجا کہ یہ گھر میری ملکیت ہے، میں کسی اور کو یہاں دفن ہونے کی اجازت نہیں دیتی، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، ابن اثیر اور تمام معتبر تاریخوں میں مذکور ہے کہ ام المومنینؓ نے بطیب خاطر اجازت دے دی، امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا جو گورنر تھا اس نے بھی نہیں روکا، لیکن مروان چند آدمیوں کو لے کر فساد پر آمادہ ہو گیا، امام نے وصیت کی تھی کہ اگر فتنہ و فساد کا ڈر ہو تو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا، چنانچہ حضرت امام حسینؓ کو اس شرارت پر گو بہت غصہ آیا، تاہم بھائی کی اس وصیت سے انحراف کرنا نہ چاہا، محدث ابن عبد البر استیعاب میں، ابن اثیر اسد الغابہ میں اور سیوطی تاریخ الخلفاء میں ایک ہی عبارت کے ساتھ راوی ہیں، اور یہ روایت اس شخص کی زبانی ہے جو امام کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا۔

وقد کنت طلبت الی عائشة	امام حسنؓ وصیت فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ
اذا مت ان تاذن لی فادفن	سے درخواست کی تھی کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ
فی بیتها مع رسول اللہ صلی اللہ	علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں دفن ہونے کی
علیه وسلم فقالت نعم، وانی لا ادری	اجازت دیں، انھوں نے اجازت دے دی
لعلها کان ذلك منها حیاءً فاذا	تھی، لیکن معلوم نہیں شرماشرمی میں انھوں نے
انا مت فاطلب ذلك الیها فان	اجازت دی یا کیا، میرے مرنے کے بعد ان سے
طابت نفسها فادفنی فی بیتها،	جا کر پھر اجازت لینا، اگر وہ خوشی سے اجازت دیں
وما اظن الا القوم سیمنعونك	تو وہیں دفن کرنا، میں سمجھتا ہوں کہ لوگ تم کو
اذا اردت ذلك فان فعلوا	ایسا کرنے سے روکیں گے اگر وہ اتفاقاً روکیں تو
فلا تراجعهم فی وادفنی فی	اس میں ان لوگوں سے رد و کد کی ضرورت
البقیع الغرقد	نہیں، مجھے بقیع میں دفن کر دینا۔

۱؎ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۸۳ طبع یورپ

فلما مات الحسن اتى الحسين	جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا تو حضرت
عائشۃ فطلب ذلك اليها فقالت	حسینؓ نے جا کر حضرت عائشہؓ سے
نعم وکرامۃ فبلغ ذلك مروان	اجازت طلب کی، انھوں نے کہا بخوشی،
فقال کذب وکذبت واللہ	مروان کو واقعہ معلوم ہوا تو اس
لا یدفن ھناك ابدا ۔۔۔۔	نے کہا، حسینؓ اور عائشہؓ دونوں جھوٹ
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	کہتے ہیں، حسنؓ وہاں کبھی دفن نہیں کئے جا سکتے
منعوا عثمان من دفنہ فی المقبرۃ	عثمان کو قبرستان تک میں دفن کرنے نہ
ویریدون دفن الحسن فی	دیا گیا، اور حسنؓ عائشہؓ کے گھر میں
بیت عائشۃ ۔	دفن ہوں گے۔

وفات

امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخیر زمانہ ہے، اسوقت ان کی عمر سرسٹھ برس کی تھی، ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں، کوئی خیریت پوچھتا، فرماتی، اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے، بشارت دیتے، فرماتیں اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی[1] حضرت ابن عباسؓ نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ کو تامل ہوا کہ وہ آکر تعریف نہ کرنے لگیں، بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، آپ کا نام ازل سے ام المومنین تھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں، رفقا سے ملنے میں، اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جاتے، خدا نے آپ ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت فرمائی آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو اب ہر محراب و مسجد میں شب و روز پڑھی جاتی

---

[1] ابن سعد جز نساء ص ۵۱ [2] ایضاً

ہیں۔ فرمایا ابن عباسؓ مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو، مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی[1]۔

مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجئو، میں نے ایک جرم کیا ہے، مجھے دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا اور رات ہی کو دفن کردی جاؤں، صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا، فرمایا اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں[2]۔ ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ تاریخ مطابق ۱۲ جون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی، ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا، بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدہام دیکھ کر روزِ عید کے ہجوم کا دھوکا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نوحہ اور ماتم سن کر بولیں، عائشہؓ کے لئے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں، یہ حاکم کی روایت ہے، مسند طیالسی میں ہے کہ انھوں نے کہا، "خدا ان پر رحمت بھیجے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں[3]۔"

حضرت ابوہریرہؓ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے، انھوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی، قاسم بن محمد ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن

---

[1] اس روایت کا صرف پہلا ٹکڑا، بخاری مناقب عائشہؓ میں مذکور ہے اور اس سے زیادہ تفسیر سورۂ نور میں ہے لیکن پوری روایت مستدرک حاکم میں ہے، علی شرط الصحیحین، امام احمد نے مستدرک میں بھی یہ پوری روایت نقل کی ہے۔ [2] بخاری اواخر کتاب الجنائز میں، اور بخاری الاعتصام بالسنۃ میں مختصراً ہے اور ابن سعد جزء نسا ص ۵۱ میں پورا واقعہ ہے [3] موطا امام محمد باب النوادر، اصل عبارت یہ ہے، انی اذا لانا المبتدعۃ بلعلی [4] ابن سعد جزء نسا ص ۵۲ [5] طیالسی مسند ام سلمہؓ ص ۲۲۴۔

زبیرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ، بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا[1]، اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں، مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لئے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا[2]۔ ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا، جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا[3]۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے بعد کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا، یہ ان کی بہن حضرت اسماءؓ کے حصہ میں آیا، امیر معاویہؓ نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درم میں خریدا، تم جانتے ہو کہ حضرت اسماءؓ نے یہ کثیر رقم کیا کی، عزیزوں میں تقسیم کر دی[4]۔

تبنّی

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، لیکن ان کی پوری زندگی میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں، جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کو قسمت سے اس کا گلہ تھا، عرب کے شریفوں میں دستور تھا کہ نام کے علاوہ اپنی اولاد کے نام سے اپنی کنیت رکھتے تھے، معززین کا نام نہیں لیتے تھے کنیت سے مخاطب کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی تمام بیویوں نے اپنے (پہلے شوہروں کے) بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لی ہیں، میں کس نام سے رکھوں، آپ نے فرمایا تم بھی اپنے بیٹے عبداللہ کے نام سے رکھو[5]۔ ابن

---

[1] تمام واقعات حاکم کی مستدرک سے ماخوذ ہیں، حاکم نے ان میں سے اکثر روایتوں کی نسبت لکھا ہے کہ علی شرط الصحیحین ہیں [2] ابن سعد جزء ۸ ص ۵۴ [3] ابن سعد جزء ۸ ص ۵۴۔

[4] صحیح بخاری باب ہبۃ الواحد للجماعۃ

[5] ابوداؤد، کتاب الادب [6] ابوداؤد، کتاب الادب۔

الاعرابی کو اس سے شبہ ہوا، اور اس نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اسی کا نام عبداللہ تھا، لیکن یہ روایت سرے سے ماننے کے قابل نہیں اور سند کے اعتبار سے نہایت کمزور ہے، تمام صحیح روایتوں کی متفقہ خاموشی کے علاوہ احادیث میں تصریح بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ لاولد تھیں[1]۔

اس عبداللہ سے مقصود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے صاحبزادہ ہیں، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے وہی پیدا ہوتے تھے، کافر کہنے لگے تھے کہ مسلمان بی بیاں یہاں آکر بانجھ ہوگئیں، جب یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان کے تالو میں چھوہارا اور اپنا لعاب دہن ملا، حضرت عائشہؓ نے ان کو گویا بیٹا بنا لیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں، وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے[2]، ان کے علاوہ حضرت عائشہؓ نے اپنے آغوش تربیت میں اور بھی متعدد بچوں کو لے کر پرورش[3] کی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور بیاہ کا ذکر حدیثوں میں[4] ہے، مسروق بن اجدعؓ[5]، عمرہ بنت عائشہؓ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ[6]، عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؒ اور ان کے بھائی اور عبداللہ بن یزید وغیرہ[7] حضرت عائشہؓ کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکیوں کو بھی انہی نے پالا[8] تھا، ان کی شادی بیاہ[9] بھی وہی کر دیتی تھیں[10]۔

---

[1] زرقانی جلد ۳ ص ۲۶۹ [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۵ [3] موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ [4] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۹ [5] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ مسروق [6] اسماء رجال میں ان کے حالات پڑھو [7] موطا زکوٰۃ، موطا یتیمی

[8] مسند جلد ۶ ص ۲۳۲۔

[9] موطا زکوٰۃ الحلی۔

[10] موطا کتاب الطلاق۔

حلیہ اور لباس

حضرت عائشہؓ ان لڑکیوں میں تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت سرعت سے ترقی کرتی ہے، نو دس برس میں وہ اچھی خاصی بالغ ہو گئی تھیں[1] لڑکپن میں وہ دُبلی پتلی چھریری سی تھیں[2]، جب سن کچھ زیادہ ہوا تو کسی قدر بدن بھاری ہو گیا تھا[3]، رنگ سرخ و سپید تھا خوش رُو اور صاحب جمال تھیں[4]۔

زہد و قناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا پاس رکھتی تھیں اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں[5] ایک کُرتا تھا جس کی قیمت پانچ درم (عہر) تھی، یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ تقریبوں میں دُلہن کے لیے عاریت مانگا جاتا تھا[6]، کبھی کبھی زعفران رنگ کر کپڑے پہنتی تھیں[7]، گاہے گاہے زیور بھی پہن لیتی تھیں، گلے میں یمن کا بنا ہوا خاص قسم کے سیاہ و سپید مہروں کا ہار تھا[8]۔ انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں[9]۔

اخلاق و عادات

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا جو دنیا میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے آئی تھی اور جس کے روئے جمال کا غازہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہے، اس تربیت گاہِ روحانی

---

[1] صحیح بخاری باب تزویج عائشہؓ۔ [2] صحیح بخاری واقعہ افک و ابوداؤد باب السبق علی الرجل۔ [3] ابوداؤد باب السبق [4] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۰۳ نیز آپ کا لقب حمیرا [5] صحیح بخاری قصہ افک و ... [6] صحیح بخاری باب ہل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیہ [7] صحیح بخاری باب الاستعارة للعروس [8] ایضاً باب ما یلبس المحرم من الثیاب۔ [9] ایضاً باب التیمم و ... [10] ایضاً بخاری باب الخاتم ...

یعنی کاشانۂ نبوت نے پردگیانِ حرم کو حسنِ اخلاق کے اس رتبہ تک پہنچا دیا تھا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ، فیاض، قانع، عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔

قناعت پسندی | عورت اور قناعت پسندی دو متضاد مفہوم ہیں، صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں سب سے زیادہ عورتوں کو دیکھا، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ شوہروں کی ناشکرگزاری کی وجہ سے، لیکن حضرت عائشہؓ کی ذات میں وہ دونوں مجتمع ہیں، انھوں نے اپنی ازدواجی زندگی جس عسرت اور فقر و فاقہ سے بسر کی، وہ پچھلے صفحوں میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، لیکن وہ کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہیں لائیں، بیش بہا لباس، گراں قیمت زیور، عالی شان عمارت، لذیذ الوانِ نعمت، ان میں سے کوئی چیز شوہر کے ہاں ان کو حاصل نہیں ہوئی، اور دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف نکل جاتا ہے، تاہم کبھی ان کی طلب ملکہ ہوس بھی ان کو دامن گیر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ انھوں نے کھانا طلب کیا پھر فرمایا میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا نہ آتا ہو، ان کے ایک شاگرد نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا (ترمذی، زہد)

خدا نے اولاد سے محروم کیا تھا، تو عام مسلمانوں کے بچوں کو، اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں، ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں، اور ان کی شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں[1]۔

ہم جنسوں کی امداد | خدا نے ان کو کاشانۂ نبوت کی ملکہ بنایا تھا، اس فرض کو وہ نہایت خوبی سے انجام

---

[1] دیکھو ذکر، اولاد، موطائے امام مالک، کتاب الزکوٰۃ۔

دیتی تھیں، عورتیں جب آنحضرتؐ کی خدمت میں کوئی ضرورت لے کر آتیں، اکثر ان کی اعانت اور سفارش حضور میں کیا کرتی تھیں[1]۔

شوہر کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ کی مسرت و رضا کے حصول میں شب و روز کوشاں رہتیں، اگر ذرا بھی آپ کے چہرے پر حزن و ملال و کبیدہ خاطری کا اثر نظر آتا، بیقرار ہو جاتیں[2]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا اتنا خیال تھا کہ ان کی کوئی بات ٹالتی نہ تھیں، ایک دفعہ عبداللہ بن زبیرؓ سے خفا ہو کر ان سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھی تھیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی لوگوں نے سفارش کی تو انکار کرتے نہ بنا[3]، آپ کے دوستوں کی بھی اتنی عزت کرتی تھیں، اور ان کی کوئی بات بھی رد نہیں کرتی تھیں[4]۔

غیبت اور بدگوئی سے احتراز وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں، ان کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر اس دفتر میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک حرف بھی نہیں ہے، سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر اوپر گزر چکا ہے کہ وہ کس کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کو بیان اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کرتی ہیں، حضرت حسانؓ جن سے افک کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ پہنچا تھا، ان کی مجلس میں شریک ہوتے اور وہ ان کو بڑی خوشی سے جگہ دیتیں، ایک دفعہ حضرت حسانؓ آئے اور اپنا ایک قصیدہ سنانے لگے، اس کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھولی بھالی عورتوں پر تہمت نہیں لگاتی[5]، حضرت عائشہؓ کو افک کا واقعہ یاد آ گیا، اس پر صرف اسی قدر فرمایا لیکن تو ایسے نہیں ہو[6]، بعض عزیزوں نے افک کے واقعہ میں ان کی شرکت کے سبب سے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا چاہا، تو انھوں نے سختی سے روکا کہ ان کو برا نہ کہو، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرک

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۲۶ [2] صحیح بخاری باب شہادت القاذف ص ۳۶۱ [3] مسند جلد ۶ ص ۱۰۱ واقعہ حج مسند جلد ۴ ص ۵۸، مسند جلد ۶ ص ۱۳۸، صحیح بخاری باب الجنائز ذکر ماتم جعفر طیارؓ نیز دیکھو باب مناقب قریش" [4] صحیح بخاری باب مناقب قریش [5] ایضاً باب عتقام بالسنہ [6] واقعہ افک و تفسیر سورۂ نور

شاعروں کو جواب دیا کرتے تھے۔[1]

ایک دفعہ ایک شخص کا ذکر چلا، آپ نے اس کو اچھا نہیں کہا، لوگوں نے کہا، ام المومنینؓ اس کا تو انتقال ہو گیا، یہ سن کر فوراً ہی اس کی مغفرت کی دعا مانگی، سب نے سبب پوچھا کہ ابھی تو آپ نے اس کو اچھا نہیں کہا اور ابھی آپ اس کی مغفرت کی دعا مانگتی ہیں، جواب دیا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُردوں کو بھلائی کے سوا یاد نہ کرو۔[2]

عدم قبول احسان | کسی کا احسان کم قبول کرتی تھیں اور کرتی بھی تھیں تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کرتی تھیں، فتوحات عراق کے مالِ غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ آئی، عام مسلمانوں کی اجازت سے حضرت عمرؓ نے وہ حضرت عائشہؓ کو نذر بھیجی، حضرت عائشہؓ نے ڈبیہ کھول کر کہا "خدایا! مجھے ابن خطاب کا احسان اٹھانے کے لئے اب زندہ نہ رکھ"[3] اطراف ملک سے ان کے پاس ہدیے اور تحفے آیا کرتے تھے، حکم تھا کہ ہر تحفہ کا معاوضہ ضرور بھیجا جائے[4]۔ عبداللہ بن عامر عرب کے ایک رئیس نے کچھ روپے اور کپڑے بھیجے، ان کو یہ کہہ کر واپس کر دینا چاہا کہ ہم کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے لیکن پھر آپ کا ایک فرمان یاد آگیا تو واپس لے لیا۔[5]

خود ستائی سے پرہیز | اپنے منہ سے اپنی تعریف پسند نہیں کرتی تھیں، مرض الموت میں حضرت ابن عباسؓ نے عیادت کے لئے آنا چاہا، لیکن وہ سمجھ چکی تھیں کہ وہ اگر میری تعریف کریں گے، اس لئے اجازت دینے میں تامل کیا، لوگوں نے سفارش کی تو منظور کیا، اتفاق یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے آکر واقعتاً تعریف شروع کی، سن کر بولیں، کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔[6]

خودداری | اس عجز و خاکساری کے باوجود وہ خوددار بھی تھیں، کبھی کبھی یہ خودداری دوسروں کے مقابلے میں تنک مزاجی کی حد تک پہنچ جاتی، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں وہ نازِ محبوبانہ بن جاتی، یاد ہوگا، واقعہ افک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت کی

---

[1] ایضاً مناقب حسانؓ [2] طیالسی مسند عائشہؓ [3] مستدرک حاکم [4] ادب مفرد بخاری باب مکاتبت الی اسنا [5] مسند جلد ۶ ص ۷۰ [6] صحیح بخاری و مستدرک و مسند احمد [7] ایضاً صحیح بخاری واقعہ افک۔

آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور ماں نے کہا بیٹی شوہر کا شکریہ ادا کرو، بولیں "میں صرف اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں گی، جس نے مجھ کو پاکدامنی وطہارت کی عزت بخشی"[1] یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا ہوتیں تو آپ کا نام لے کر قسم کھانا چھوڑ دیتیں، یہ سب محبوبانہ انداز ہیں، جن کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ میاں بیوی کے درمیان کے معاملات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اکثر اپنی خالہ کی خدمت کیا کرتے تھے اور وہ فیاض طبعی سے اس کو ہمیشہ ادھر ادھر دے دیا کرتی تھیں، ابن زبیرؓ نے تنگ آکر کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا ضرور ہے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم ہوا تو قسم کھالی کہ اب بھلے کی کوئی چیز نہ چھوؤں گی، لوگوں نے بڑی بڑی سفارشیں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو درمیان میں ڈالا تب جاکر صاف ہوئیں[2]۔

عام خود دار انسانوں سے انصاف پسندی کا ظہور کم ہوتا ہے۔ لیکن پروردگاران تربیت نبوی کے کمال اخلاق ہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے، جس کی بڑی مثال باہم متضاد اخلاقی انواع میں تطبیق ہے۔ حضرت صدیقہؓ کمال خود داری کے ساتھ انصاف پسند بھی تھیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ مصر کے ایک صاحب ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ملک کے موجودہ حاکم و والی کا رویہ میدان جنگ میں کیا رہتا ہے جواب میں عرض کیا کہ ہم کو اعتراض کے قابل کوئی بات نظر نہیں آئی، کسی کا اونٹ مرجاتا ہے تو دوسرا اونٹ دیتے ہیں اور خادم نہ رہے تو خادم دیتے ہیں، خرچ کی ضرورت پڑتی ہے تو خرچ بھی دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ انھوں نے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ جو بھی بدسلوکی کی ہو تاہم ان کی بدسلوکی مجھے تم کو یہ بتانے سے باز نہیں رکھ سکتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اسی گھر کے اندر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو میری امت کا والی ہو، اگر وہ امت پر سختی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کرنا، اور جو نرمی کرے اس کے ساتھ نرمی فرمانا[3]۔

---

[1] ایضاً صحیح بخاری واقعہ افک [2] صحیح بخاری مناقب قریش [3] صحیح مسلم باب فضیلۃ الامام العادل۔

دلیری نہایت شجاع اور پُردل تھیں، راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں[1]، میدان جنگ میں آکر کھڑی ہو جاتی تھیں، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا، اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں[2]، غزوۂ خندق میں جب چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملہ کا خوف تھا، وہ بے خطر قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کا نقشۂ جنگ معائنہ کرتی تھیں[3]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائیوں میں بھی شرکت کی اجازت چاہی تھی، لیکن نہ ملی[4]، جنگ جمل میں وہ جس شان سے فوجوں کو لائیں، وہ بھی ان کی طبعی شجاعت کا ثبوت ہے۔

فیاضی حضرت عائشہؓ کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی دونوں بہنیں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحب کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا، فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، بانٹ دیتی تھیں، اور حضرت اسماءؓ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاتی تھیں، اس کو اٹھا نہیں رکھتی تھیں[5]، اکثر مقروض رہتی تھیں اور ادھر ادھر سے قرض لیا کرتی تھیں، لوگ عرض کرنے لگے کہ آپ کو قرض کی کیا ضرورت ہے فرمائیں کہ جس کی قرض ادا کرنے کی نیت ہوتی ہے، خدا اس کی اعانت فرماتا ہے، میں اس کی اسی اعانت کو ڈھونڈتی ہوں[6]۔

خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں،

ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے ننھے بچے تھے، اتفاق سے اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا، صرف ایک چھوہارا تھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا، ایک دفعہ سائل آیا سامنے کچھ انگور

---

[1] صحیح بخاری و دیگر کتب صحاح باب زیارۃ القبور۔ [2] صحیح بخاری ذکر احد۔ [3] مسند جلد ۶ ص ۱۴۱۔ [4] صحیح بخاری باب حج النساء۔ [5] ادب المفرد امام بخاری باب سخاوۃ النفس۔ [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹۔ [7] ادب المفرد بخاری من یتول یتیما۔

کے دانے پڑے تھے، ایک دانہ اٹھا کر اس کے حوالہ کیا، اس نے دانہ کو حیرت سے دیکھا کہ ایک دانہ بھی کوئی دیتا ہے، یہ دیکھو کر اس میں کتنے ذرے ہیں، یہ اس کی طرف اشارہ تھا،

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ (زلزال) — جس نے ایک ذرہ بھر بھی نیکی کی، وہ اس کو دیکھے گا۔

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دے دی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔[2]

امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجے، شام ہوتے ہوتے ایک حبہ بھی پاس نہ رکھا سب محتاجوں کو دے دلا دیا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی افطار کے سامان کے لئے تو کچھ رکھنا تھا، فرمایا کہ تم نے یاد دلا دیا ہوتا،[3] اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے، حضرت ابن زبیرؓ نے ایک دفعہ دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ کی رقم بھیجی، انھوں نے ایک طبق میں یہ رقم رکھ لی اور اس کو بانٹنا شروع کیا، اور اس دن بھی روزہ سے تھیں، شام ہوئی تو لونڈی سے افطار لانے کو کہا، اس نے عرض کی یا ام المومنین اس رقم سے ذرا سا گوشت افطار کے لئے نہیں منگوا سکتی تھیں، فرمایا، اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں یاد نہیں دلایا۔[4]

ایک دفعہ اور اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، روزے سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی، لونڈی کو حکم دیا کہ وہ ایک روٹی بھی اس کی نذر کردو، عرض کی کہ شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا، فرمایا یہ تو دے دو، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا سالن ہدیۃً بھیجا، لونڈی سے کہا دیکھو یہ تمہاری روٹی سے بہتر چیز خدا نے بھیج دی،[5] اپنے رہنے کا مکان امیر معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، قیمت جو آئی وہ سب راہِ خدا میں صرف کر دی،[6]

---

[1] موطائے امام مالک باب الترغیب فی الصدقۃ [2] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۴۵ [3] مستدرک حاکم [4] ابن سعد جزء نساء ص ۴۷ [5] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقۃ، [6] ابن سعد ذکر حجرات امہات المومنین،

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ گو بھانجے تھے، اور خالہ کی نظر میں سب سے زیادہ چہیتے تھے، وہ زیادہ تر خدمت کیا کرتے تھے، لیکن اس فیاضی کو دیکھتے دیکھتے وہ بھی گھبرا گئے، کہیں ان کے منہ سے نکل گیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیئے۔ خالہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابنِ زبیرؓ سے بات نہیں کروں گی، وہ میرا ہاتھ روکے گا، حضرت ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور آخر بڑی مشکل سے ان کو معاف فرمایا۔[1]

خشیتِ الٰہی و رقیق القلبی دل میں خوف اور خشیتِ الٰہی تھی، رقیق القلب بھی بہت تھیں بہت جلد رونے لگتی تھیں، حجۃ الوداع کے موقع پر جب نسوانی مجبوری سے حج کے بعض فرائض کے ادا کرنے سے معذوری پیش آگئی، تو اپنی محرومی پر بے اختیار رونے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دی تو قرار آیا۔[2] ایک دفعہ دجال کا خیال کر کے اس قدر رقت طاری ہوئی کہ رونے لگیں۔[3] جنگ جمل کی شرکت کا واقعہ یاد آجاتا تو پھوٹ پھوٹ کر روتیں،[4] مرض الموت میں بعض اجتہادی غلطیوں پر اس قدر ندامت ہوتی کہ فرماتی تھیں کہ کاش میں نیست و نابود ہو گئی ہوتی۔[5]

ایک دفعہ کسی بات پر قسم کھالی تھی، پھر لوگوں کے اصرار پر ان کو اپنی قسم توڑنی پڑی، اور گو اس کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے، تاہم ان کے دل پر اتنا گہرا اثر تھا کہ جب یاد کرتیں تو روتے روتے آنچل تر ہو جاتا (بخاری باب الہجرت)، واقعۂ افک میں تم پڑھ چکے ہو کہ جب منافقین کی اس تہمت کا حال ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں، والدین لاکھ تشفی دیتے تھے، لیکن ان کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک سائلہ ان کے دروازہ پر آئی، دو ننھے ننھے بچے اس کے ساتھ تھے، اس وقت گھر میں کچھ اور نہ تھا، تین کھجوریں ان کو دلوا دیں، سائلہ نے ایک ایک کھجور ان بچوں کو دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی، بچوں نے اپنا اپنا حصہ کھا کر حسرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھا،

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب قریش [2] صحیح بخاری کتاب الحج ص ۲۴۰ [3] مسند احمد جلد ۶ ص ۷۵
[4] ابن سعد جزء نساء ص ۵۰ لائیڈن [5] ایضاً ص ۵۱۔

ماں نے اپنے منہ سے کھجور نکال کر آدھی آدھی دونوں میں بانٹ دی، اور خود نہیں کھائی، ماں کی محبت کا یہ حسرت ناک منظر اور اس کی یہ بے کسی دیکھ کر بے تاب ہوگئیں، اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے[1]۔

عبادتِ الٰہی عبادتِ الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں، چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نمازِ تہجد ادا کرتی تھیں[3]۔ آپ کی وفات کے بعد بھی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی، اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں، تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کرلیتیں، ایک دفعہ اسی موقع پر ان کے بھتیجے قاسم پہنچ گئے تو انھوں نے دریافت کیا کہ پھوپھی جان یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اس کو چھوڑ نہیں سکتی ہوں[4]، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان نام کا ایک خوانده غلام تھا، وہ امام ہوتا تھا، سامنے قرآن رکھ کر پڑھتا تھا، یہ مقتدی ہوتیں[5]۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں[6]، ایک دفعہ گرمی کے دنوں میں عرفہ کے روز روزے سے تھیں، گرمی اور تپش اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جاتے تھے، عبدالرحمٰن آپ کے بھائی نے کہا کہ اس گرمی میں روزہ کچھ ضرور نہیں، افطار کر لیجئے، فرمایا کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کرا دیتا ہے، تو میں روزہ توڑ دوں گی[7]۔

حج کی شدت سے پابند تھیں، کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں[8]، حضرت عمرؓ نے اپنے اخیر زمانے میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو

---

[1] مستدرک حاکم، طیالسی ص ۲۰۷ [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۳۸ [3] ایضاً جلد ۶ ص ۹۲ [4] دار قطنی کتاب الصلوٰۃ [5] موطا و بخاری باب قیام رمضان [6] ابن سعد جزء نساء ص ۴۷، [7] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۸ [8] صحیح بخاری باب حج نساء۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حج کے سفر میں روانہ کیا تھا[1] حج میں ان کے ٹھہرنے کے مقامات مقرر تھے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت کے خیال سے میدان عرفہ کی آخری سرحد نمر میں اترا کرتی تھیں، جب یہاں لوگوں کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے ذرا ہٹ کر اراک میں اپنا خیمہ کھڑا کراتی تھیں، کبھی کوہِ ثبیر کے دامن میں آکر ٹھہرتی تھیں، جب تک یہاں قیام رہتا، وہ خود اور جو لوگ ان کے ساتھ رہتے تکبیر پڑھا کرتے، جب یہاں سے چل کھڑی ہوتیں تو تکبیر موقوف کرتیں، پہلے یہ دستور تھا کہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی کے مہینہ میں عمرہ ادا کرتی تھیں، بعد کو اس میں ترمیم کی، ماہِ محرم سے پہلے وہ جحفہ میں جاکر ٹھہرتی تھیں، محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کی نیت کرتیں،[2] عرفہ کے دن روزے سے ہوتیں، شام کو جب سب لوگ یہاں سے روانہ ہو جاتے افطار کرتیں[3]

معمولی باتوں کا لحاظ منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے بھی پرہیز کرتی تھیں، راستے میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے،[4] ان کے ایک گھر میں کرایہ دار تھے، یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے، ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی،[5]

ایک دفعہ گھر میں ایک سانپ نکلا، اس کو مار ڈالا، کسی نے کہا آپ نے غلطی کی، ممکن ہے کہ یہ کوئی مسلمان جن ہو، فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے حجروں میں نہ آتا اس نے کہا آپ ستر پوشی کی حالت میں تھیں، جب وہ آیا، یہ سن کر متاثر ہوئیں، اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔[6]

---

[1] صحیح بخاری باب حج النساء [2] یہ پوری تفصیل موطا باب قطع التلبیہ میں ہے کہ کوہ ثبیر میں قیام کا واقعہ صحیح بخاری باب طواف النساء میں ہے [3] موطا امام مالک صیام یوم عرفہ [4] مسند جلد ۶ ص ۱۵۲،

[5] ادب المفرد امام بخاری باب الادب ص ۲۳۲۔

[6] مسند جلد ۶۔

غلاموں پر شفقت صرف ایک قسم کے کفارہ میں ایک دفعہ انھوں نے چالیس غلام آزاد کئے۔ آپ کے کل آزاد کئے ہوئے غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی۔[1] تمیم کے قبیلہ کی ایک لونڈی ان کے پاس تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا کہ یہ قبیلہ بھی حضرت اسماعیلؑ ہی کی اولاد میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اس کو آزاد کر دیا (بخاری کتاب العتق) بریرہ نام مدینہ میں ایک لونڈی تھیں ان کے مالکوں نے ان کو مُکاتب کیا تھا یعنی کہہ دیا تھا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کر دو تو آزاد ہو، اس رقم کے لئے انھوں نے لوگوں سے چندہ مانگا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اُن کو آزاد کر دیا۔[3] ایک دفعہ بیمار پڑیں، لوگوں نے کہا کسی نے ٹوٹکا کیا ہے، انھوں نے ایک لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تو نے ٹوٹکا کیا ہے، اس نے اقرار کیا، پوچھا کیوں؟ بولی تا کہ آپ جلد مر جائیں تو میں جلدی چھوٹوں، حکم دیا کہ اس کو کسی شریر کے ہاتھ بیچ ڈالو، اور اس کی قیمت سے دوسرا غلام خرید کر کے آزاد کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[4] گویا ایک قسم کی سزا تھی، لیکن کتنی عجیب!

فقرا کی حسب حیثیت اعانت فقراء اور اہل حاجت کی اعانت ان کے حسب حیثیت کرنا چاہیے اگر کسی نیچے طبقے کا آدمی تمہارے پاس آتا ہے تو اس کی حاجت برآری ہی اس کے درد کی سزا ہے لیکن اگر اس سے بلند درجہ کا آدمی ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قدر عزت و تعظیم کا بھی مستحق ہے حضرت عائشہؓ اس نکتہ کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھیں، ایک دفعہ ایک معمولی سائل آیا، اس کو روٹی کا ٹکڑا دے دیا، وہ چل دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو کپڑے وپڑے پہنے تھا اور کسی قدر عزت دار معلوم ہوتا تھا اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور پھر رخصت کیا، لوگوں نے عرض کی کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ دو قسم کے برتاؤ کیوں کئے گئے۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ [2] شرح بلوغ المرام امیر اسماعیل کتاب العتق [3] صحیح بخاری و مسلم و مسند احمد وغیرہ [4] یہ حدیث دار قطنی موطا امام مالک (من روایۃ القعنبی، موطا امام محمد باب العتق، مستدرک حاکم (کتاب الصعب) میں ہے کہ لونڈی کو سزا خلاف شریعت امر کے ارتکاب پر دی۔

ساتھ ان کے حسبِ حیثیت برتاؤ کرنا چاہیئے۔[1]

پردہ کا اہتمام پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں، آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہوگیا تھا[2] جن ہونہار طالب علموں کا اپنے یہاں بے روک ٹوک آجانا، وہ رکھنا چاہتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص حدیث کے مطابق اپنی کسی بہن یا بھانجی سے ان کو دودھ پلوا دیتی تھیں[3] اور اس طرح ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن جاتی تھیں۔ اور ان سے پردہ نہیں ہوتا ورنہ ہمیشہ طالب علموں کے اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا[4]۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر چند بی بیوں نے عرض کی کہ اے ام المومنین چلیئے، حجر اسود کو بوسہ دے لیں، فرمایا تم جاسکتی ہو، میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی[5]، کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا، تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا[6]، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی[7] ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تمہارا زرِ فدیہ اتنا ادا ہو جائے تو میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی[8]۔ اسحاق تابعی نابینا تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت عائشہؓ نے ان سے پردہ کیا، وہ بولے کہ مجھ سے کیا پردہ، میں تو آپ کو دیکھتا نہیں، فرمایا تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تم کو دیکھتی ہوں[9]، مُردوں سے شریعت میں پردہ نہیں، لیکن ان کا کمال احتیاط دیکھئے کہ وہ اپنے حجرہ میں حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد بے پردہ نہیں جاتی تھیں۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب [2] صحیح بخاری ذکر افک [3] صحیح مسلم کتاب الرضاعہ و مسند جلد ۶ ص ۲۷۱،

[4] اس اجتہادی مسئلہ میں حضرت عائشہؓ تنہا ہیں، دوسری امہات المومنین کا یہ عمل نہ تھا، حضرت عائشہؓ کا یہ اجتہادی مسئلہ ایک حدیث پر مبنی ہے جس کی تفصیل آئندہ وقفہ کے اختلافی مسائل کے ایک حاشیہ میں آئے گی [5] صحیح کتاب الحج طواف النساء وغیرہ [6] ایضاً۔ [7] مسند جلد ۶ ص ۷۱،

[8] اخبار مکہ للازرقی جلد دوم ص ۱۰۱ مکہ معظمہ

[9] مسند جلد ۶ ص ۸۵ [10] ابن سعد جزء نساء ص ۴۷،

مناقب

صحیح مسلم کتاب الفضائل میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

انا تارك فيكم الثقلين، اولهما كتاب الله..... واهل بيتي	میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اہل بیت،

مقصد یہ ہے کہ کتاب الٰہی گو اپنی سہولت بیان کے لحاظ سے ہر عملی مثال سے بے نیاز ہے، تاہم دنیا میں ہمیشہ ایسے اشخاص کی ضرورت رہے گی، جو اس کے اسرار و رموز کو حل کر سکیں اور ان کی علمی و عملی تعبیر بتا سکیں، آپ کے بعد ان اشخاص کو آپ کے اہل بیت میں تلاش کرنا چاہئے اہل بیت سے جو مقصود ہے، خدائے پاک سورۂ احزاب کی آیتوں میں جن کو ہم اوپر لکھ آتے ہیں، بتا چکا ہے۔

اس قدر شناسی کے لحاظ سے جو آپ حضرت عائشہؓ کے بابت فرماتے تھے اس صحبت و تعلیم کی بنا، پر جو اُن کو میسر آئی تھی اور اس فطری جوہر اور صلاحیت کے لحاظ سے جو قدرت کاملہ نے ان کو عطا کی تھی اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ اہل بیت نبویؐ میں حضرت عائشہؓ کو خاص مرتبہ حاصل تھا، اس بنا پر کتاب اللہ کا ترجمان، سُنتِ رسول کا مُعبّر اور احکامِ اسلامی کا معلّم ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا اور لوگ پیغمبر کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے، اور یہ خلوت و جلوت دونوں میں دیکھتی تھیں، اسی بنا پر وحی کی زبان مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى نے فیصلہ کیا،

فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام[1]	عائشہؓ کو عام عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کے کھانے کو عام کھانوں پر

---

[1] صحیح بخاری و ترمذی وغیرہ، مناقب عائشہؓ

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویائے صادقہ نے ان کو حرم نبوی میں ہونے کی خوشخبری سنائی[1]؛ حضرت عائشہؓ کے بستر کے سوا کسی دوسری ام المومنین کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی[2]؛ جبریل امین نے ان کے آستانہ پر اپنا سلام بھیجا[3]، دوبارہ ناموس اکبر کو ان مادی آنکھوں سے دیکھا[4]، عالم ملکوت کی صدائے بے جہت نے ان کی عفت وعصمت پر شہادت دی، نبوت کے الہام صادق نے ان کو آخرت میں پیغمبر کی چہیتی بیویوں میں ہونے کی بشارت سنائی[5]۔

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں فخر نہیں کرتی، بلکہ بطور واقعہ کے کہتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں، خواب میں فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی، جب میں سات برس کی تھی تو آپ نے مجھ سے نکاح کیا، جب میرا سن نو برس کا ہوا تو رخصتی ہوئی، میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی، آپ جب میرے بستر پر ہوتے، تب بھی وحی آتی تھی میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھی، میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں، میں نے جبریل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ نے میری ہی گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی[6]۔

فضل وکمال

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عام عورتوں پر، نہ صرف امہات المومنینؓ پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام صحابہ پر فوقیت عام حاصل تھی، صحیح ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:۔

---

[1] حوالۂ مذکور، [2] صحیح بخاری مناقب عائشہؓ [3] ایضاً [4] صحیح بخاری مناقب عائشہؓ [5] صحیح بخاری مناقب عائشہؓ [6] مستدرک للحاکم و طبقات ابن سعد۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسألنا عائشة الا وجدنا عندها منه علماً۔[۱]

ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔

عطا ابن ابی الرباح تابعی جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا کہتے ہیں۔

کانت عائشة افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیا فی العامة۔[۲]

حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے، جنھوں نے بڑے بڑے صحابہ کے آغوش میں تربیت پائی تھی، کہتے ہیں۔

کانت عائشة اعلم الناس یسئلها الاکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں، بڑے بڑے صحابہؓ ان سے پوچھا کرتے تھے

حضرت عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ کہ وہ بھی جلیل القدر تابعی تھے، کہتے ہیں۔

ما رأیت احداً اعلم بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا افقه فی رأی ان احتیج الی رأیه ولا اعلم بآیة فیما نزلت ولا فریضة من عائشة۔[۳]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا جاننے والا اور رائے میں اگر اس کی ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقیہ اور آیتوں کے شانِ نزول، اور فرائض کے مسئلہ کا واقف کار حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

۱ جامع ترمذی مناقب عائشہؓ ۲ مستدرک حاکم ۳ طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص ۲۶ ۴ مسند مذکور۔

ایک دن امیر معاویہؓ نے ایک درباری سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے، اس نے کہا "امیر المومنین آپ ہیں" انھوں نے کہا نہیں، میں قسم دیتا ہوں سچ سچ بتاؤ اس نے کہا، "اگر یہ ہے تو عائشہؓ"

حواری رسولؐ کے لختِ جگر عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے۔

ماراٴیت احداً اعلم بالحلال والحرام، والعلم والشعر والطب من عائشۃ ام المومنین۔	میں نے حلال و حرام و علم و شاعری اور طب میں ام المومنین عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں۔

ماراٴیت احداً اعلم بالقرآن ولا بفریضۃ ولا بحلال ولا بفقہ ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشۃ	قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو تمام تر حضرت عائشہؓ کے تربیت یافتہ تھے، دریافت کیا کہ کیا ام المومنین فرائض کا فن جانتی ہیں؟ جواب دیا۔

ای والذی نفسی بیدہ لقد راٴیت مشیخۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئلونھا عن الفرائض	خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔

حفظِ حدیث اور سنن نبویؐ کی اشاعت کا فرض گو دیگر ازواجِ مطہراتؓ بھی ادا کرتی تھیں تاہم حضرت عائشہؓ کے رتبہ کو ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنچیں، محمود بن لبید کا بیان ہے،

لہ مستدرک حاکم ۲ہ ایضاً ۳ہ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷ بحوالہ حاکم و طبرانی بہ سند صحیح ۴ہ مستدرک حاکم ۵ہ ابن سعد جزء ثانی ص ۱۲۶۔

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرًا ولا مثلاً لعائشۃ و ام سلمۃ۔

ازواج مطہرات بہت سی حدیثیں زبانی یاد رکھتی تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے برابر نہیں۔

امام زہری کی شہادت ہے۔

لو جمع علم الناس کلھم و علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت عائشۃ اوسعھم علمًا۔

اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہؓ کا علم ان میں سب سے وسیع ہوتا۔

بعض محدثین نے حضرت عائشہؓ کے فضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

خذوا شطر دینکم عن حمیراء

اپنے مذہب کا ایک حصہ اس گوری عورت سے سیکھو۔

اس حدیث کو ابن اثیر نہایہ میں اور فردوس اپنی مسند میں بتغیر الفاظ لاتے ہیں لیکن لفظًا اس کی سند ثابت نہیں، وراس کا شمار موضوعات میں ہے، تاہم معنیً اس کے صحیح ہونے میں کس کو شک ہے،

علم و اجتہاد

یہ حضرت عائشہؓ کی سیرت کا وہ باب ہے، جہاں وہ نہ صرف عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی علانیہ ممتاز نظر آتی ہیں کتاب و سنت اور فقہ و احکام میں ان کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ حضرت عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے تکلف ان کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے ہم کتاب اللہ سے اس باب کا

---

[۱] ابن سعد قسم دوم جزء ثانی ص ۱۲۶ [۲] مستدرک حاکم [۳] موضوعات شوکانی ص ۱۲۵ خاتمہ مجمع البحار ص ۵۱۴، مقاصد حسنہ ص ۹۴ وغیرہ۔

آغاز کرتے ہیں۔

قرآن مجید

سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید تئیس سال کے اندر نازل ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نبوت یا نزول قرآن کے چودھویں سال ۹ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئیں اس لئے ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا زمانہ تقریباً دس سال ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ نزول قرآن کا نصف سے زیادہ حصہ ان کے ابتدائے ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے۔ لیکن اس غیر معمولی دل و دماغ کی ہستی نے اس زمانہ کو بھی جو عموماً طفلانہ بے خبری اور لہو و لعب کا عہد ہے، رائیگاں نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بلا ناغہ حضرت صدیقؓ کے گھر تشریف لاتے تھے[1] حضرت صدیقؓ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنائی تھی، اس میں بیٹھ کر نہایت رقت اور خشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے[2]، ناممکن ہے کہ ان موقعوں سے حضرت عائشہؓ کے فوق الفطرۃ حافظہ نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، فرماتی تھیں کہ جب یہ آیت اتری تھی،

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ	بلکہ قیامت کا روز ان کے وعدہ کا
وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ	دن ہے، وہ گھڑی نہایت سخت اور
(قمر - ۳)	نہایت تلخ ہوگی۔

تو میں کھیل رہی تھی[3]

حضرت عائشہؓ کو تیرہ چودہ برس کے سن تک (سنہ ۳ھ تک) قرآن زیادہ یاد نہ تھا خود اس کا اقرار کرتی ہیں،

وانا جارية حديثة السن لا	میں اس وقت کم سن تھی زیادہ قرآن
اقرأ من القرآن كثيراً۔	پڑھی ہوئی نہیں تھی۔

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری باب ہجرۃ [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ قمر [4] بخاری واقعہ افک۔

لیکن اس عالم میں بھی وہ قرآن ہی کا حوالہ دیتی تھیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن تحریزی کتاب میں مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ[2] نے اپنے عہد میں ان کو کاغذ پر مرتب کرایا، اسی اثنا میں اور دیگر صحابہ نے بھی اپنے اپنے طور پر روزانہ تلاوت کے لئے قرآن ترتیب دے لیا تھا، ان میں صرف سورتوں کے تقدم و تاخر کا اختلاف تھا۔

ابو یونس حضرت عائشہؓ کے ایک غلام تھے، کتابت کے فن سے واقف تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کے ہاتھ سے اپنے لئے قرآن لکھوایا تھا، اختلاف قرأت کا اثر عجم کے میل جول سے عراق میں سب سے زیادہ تھا، عراق کے ایک صاحب ان سے ملنے آئے تو درخواست کی کہ ام المومنین! مجھے اپنا قرآن دکھائیے،[3] وجہ دریافت کی تو کہا ہمارے ہاں قرآن اب تک لوگ بے ترتیب پڑھتے ہیں، چاہتا ہوں کہ اپنے قرآن کی ترتیب آپ ہی کے قرآن کے کر دوں، فرمایا کہ سورتوں کے آگے پیچھے ہونے میں کوئی نقصان نہیں، پھر اپنا قرآن نکال کر ہر سورہ کی سرآیات پڑھ کر لکھوا دیں۔[4]

عادت یہ تھی کہ جس آیت کریمہ کا مطلب سمجھ میں نہ آتا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتیں، چنانچہ صحیح حدیثوں میں متعدد آیتوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سؤال[5] مذکور ہے، امہات المومنین کو خدا کی طرف سے حکم تھا،

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ	تمہارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ	اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی
(احزاب، ۴)	جارہی ہیں، ان کو یاد کیا کرو۔

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲، [2] صحیح بخاری تفسیر صلوٰۃ الوسطیٰ و مسند جلد ۶ ص ۷۳،

[3] صحیح بخاری باب جمع القرآن [4] بخاری باب تالیف قرآن [5] دیکھو باب تربیت و تعلیم۔

اس حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں نہایت غور و فکر اور خشوع و خضوع سے تلاوت فرماتے، حضرت عائشہؓ ان نمازوں میں آپ کے پیچھے ہوتیں[1]۔ قرآن کا نزول حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور بیوی کے بستر پر نہیں ہوا۔ قرآن اترتا تو پہلی آواز انہی کے کانوں میں پڑتی۔ فرماتی ہیں کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء جب اتریں تو میں آپ کے پاس تھی[2]۔ غرض یہ اسباب و مواقع ایسے تھے کہ حضرت عائشہؓ کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قرأت، محل معنوی، موقع استدلال اور طریقۂ استنباط پر عبور کامل حاصل ہو گیا تھا۔ وہ مسئلہ کے جواب کے لئے پہلے عموماً قرآن پاک کی طرف رجوع کرتی تھیں عقائد و فقہ و احکام کے علاوہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و سوانح کو بھی جو اُن کے سامنے کی چیزیں تھیں اور جن کا تعلق تاریخ و خبر سے ہے، وہ قرآن پاک ہی کے حوالہ سے کرتی تھیں، ایک دفعہ چند صاحب زیارت کو آئے، عرض کیا کہ ام المومنین! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اخلاق بیان فرمائیے۔ بولیں، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، آپ کا اخلاق سرتا پا قرآن تھا، پھر دریافت کیا کہ آپ کی عبادت شبانہ کا کیا طریقہ تھا فرمایا کیا سورت مزمل نہیں پڑھا[3]۔

عقائد اور فقہ و احکام کے استنباط و استدلال میں وہ جس طرح قرآن مجید کی آیتوں سے استناد کرتی ہیں، وہ مختلف عنوانوں کے تحت آگے آتا ہے جس سے ظاہر ہو گا کہ مغز سخن تک ان کی نگاہ کیونکر پہنچ جاتی تھی۔

صحابۂ کرام سے قرآن مجید کی تفسیریں بطریق صحیح بہت کم مروی ہیں، امام بخاری نے جامع صحیح میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ داخل کیا، لیکن زیادہ تر ان میں تابعین کی روایتوں سے لغات کا حل ہے، یا اپنی عادت کے مطابق مختلف واقعات کو کسی آیت کی ذرا سی مناسبت کی وجہ سے تفسیر میں نقل کرتے ہیں، ورنہ اصل تفسیر کا حصہ بہت کم ہے۔ ترمذی میں بھی حقیقی تفسیر

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۲ [2] صحیح بخاری باب تالیف قرآن [3] ایضاً [4] ابو داؤد در قیام اللیل و مسند حمد جلد ۶ ص ۵۴۔

کا حصہ کم ہے، امام مسلم نے البتہ نہایت احتیاط سے خالص تفسیر کا حصہ صحیح کے آخر میں یک باکر دیا ہے لیکن وہ بہت مختصر ہے. تاہم جو کچھ ہے وہ زیادہ تر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مرویات ہیں، بہرحال حضرت عائشہؓ کی تفسیری روایتیں کم نہیں ہیں. لیکن ہم انہی آیتوں کی تفسیر پر اکتفا کرتے ہیں جن میں کوئی خاص نکتہ ہے.

۱. اعمال حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے. قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ (البقرۃ-۱۹)	صفا اور مروہ کی پہاڑیاں، شعائر الٰہی میں سے ہیں. پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں، اگر ان کا بھی وہ طواف کرے.

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں، فرمایا بھانجے! تم نے ٹھیک نہیں کہا، اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا لَا جُنَاحَ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں، اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی جے پکارا کرتے تھے، منات مشلل میں نصب تھا، اس لئے صفا و مروہ کا طواف برا جانتے تھے، اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں. اس کے بعد انھوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کا طواف فرمایا ہے، اب کسی کو اس کے ترک کرنے کا حق نہیں.

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدث تھے، ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا "علم اس کو کہتے ہیں" اور یہ واقعہ ہے کہ چند فقروں میں حضرت عائشہؓ نے اصول تفسیر

کی ایک بہت بڑی گرہ کھول دی، ہر تفسیر میں ہمیشہ اس اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ عرب کے محاورات کے مطابق الفاظ سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں، انہی کو قرآن کا مقصود سمجھنا چاہیے ورنہ جیسا کہ ام المومنین فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو دوسری عبارت میں اس طرح ادا فرما سکتا تھا کہ دوسرے غیر متبادر اور مخفی معنی متبادر اور واضح ہو جاتے۔

۲۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو سورۂ یوسفؑ میں ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ	یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے اور
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ	ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے
نَصْرُنَا (یوسف ۱۲۰)	تو ہماری مدد آگئی۔

عروہ نے پوچھا کُذِبُوْا (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوا (وہ جھٹلائے گئے، فرمایا کُذِّبُوا (جھٹلائے گئے)۔ عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا، اس لئے کُذِبُوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے۔ بولیں معاذاللہ! پیغمبر ان الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروؤں سے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا، اور مدد الٰہی میں ان کو تاخیر معلوم ہوئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے نا امید ہو گئے، خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعۃً نصرت الٰہی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

۳۔ جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى	اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارہ میں انصاف

---

[۱] عام قرأت یہی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہی روایت ہے دیکھو صحیح بخاری باب ثم افیضوا من حیث افاض الناس [۲] صحیح بخاری تفسیر سورۂ یوسف۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء،)

(… نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو، اگر عدل نہ ہو تو ایک)

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور نکاح کی اجازت میں باہم کیا مناسبت ہے؟ ایک شاگرد[۱] نے ان کے سامنے اِس اشکال کو پیش کیا، فرمایا: آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں، ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے، وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ اس سے نکاح کرکے اس کی جائداد پر قبضہ کرلیں اور چونکہ اس کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے، اس لئے مجبور پاکر اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک اُن مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے نہ پیش آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کرلو، مگر ان کو یتیم لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لے کر اپنے بس میں نہ لے آؤ۔

۴۔ اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔ (نساء ۱۹)

ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب (قرآن) میں جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت بھی کو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح چاہتے ہو۔

اُسی پہلے سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے، اس سے مقصد

---

[۱] صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری کتاب النکاح۔

ہی پہلی آیت ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لیتے ہیں کہ وہ حسن وجمال سے محروم ہیں، اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائداد کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔[۱]

۵: اس آیت کے مطلب میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ	اور جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے
وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۔	اور جو تنگدست ہو، وہ قاعدہ کے مطابق
(نساء-۱)	اس سے لے۔

فرمایا یہ آیت یتیموں کے اولیاء کی شان میں ہے کہ یتیموں کے مال میں سے اگر محتاج ہوں تو لے کر کھا سکتے ہیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ اجازت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے۔[۲]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى	جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے
ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ	ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے
نَارًا (نساء-۱)	ہیں۔

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں، "اگر وہ دلی کھاتا پیتا ہے تو اس کو اس کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لینا چاہیے، اگر وہ مفلس و تنگدست ہے تو قاعدہ کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے"۔[۳] اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری کتاب النکاح [۲] نووی شرح مسلم کتاب التفسیر [۳] صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء۔

۱۹: عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف
نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ	سے ناراضامندی، اور اعراض کا خوف ہو
عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا	تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔	آپس میں صلح کر لیں۔ اور صلح تو ہر حال
(نساء۔ ۹)	میں بہتر ہے۔

ناراضی دور کرنے کے لئے صلح کر لینا تو بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ اس کے لئے خدائے پاک کو ایک خاص حکم کے نزول کی کیا حاجت تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے۔ اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے، اور بیوی رہ کر شوہر کو اپنے حق سے سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں۔ بلکہ قطعی علیحدگی سے یہ صلح بہتر ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی ہیبت ناک منظر یا خوف کا ذکر ہے۔ مفسرین کا عام طرز یہ ہے کہ اس کو قیامت سے متعلق سمجھتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ ہر آیت کے محمل کو جانتے تھے، اس لئے صحیح طریقہ سے اس کی تعین کر سکتے تھے۔ ایک آیت میں ہے کہ جس دن آسمان دھواں لائے گا یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے جو قحط پڑا تھا، اس کے متعلق یہ آیت ہے۔ اسی طرح قرآن میں ایک موقع پر ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جب وہ تمہارے سامنے سے آئے، اور
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ	تمہارے پیچھے سے آئے اور جب نگاہیں

ـــــــــــــــــــــ
۱؎ صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری کتاب التفسیر

الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ (احزاب ۲)	مانند ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ غزوۂ خندق کا واقعہ ہے[1] یعنی یہ غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے اضطراب اور ابتلاء و امتحان کی تصویر ہے۔

۸۔ قرآن مجید میں نماز کے متعلق حکم ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ	نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ
الْوُسْطٰى (بقرہ۔ ۳۱)	کی نماز کی۔

بیچ کی نماز سے کیا مراد ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں اختلاف ہے۔ مسند احمد میں حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے[2]، بعض صحابہ کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مقصود ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بیچ کی نماز سے عصر کی نماز مقصود ہے۔ اپنی اس تفسیر کی صحت پر ان کو اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مصحف کے حاشیہ پر انھوں نے اس کو لکھوا دیا تھا[3]۔ اس تفسیر کی صحت حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایتوں سے بھی ثابت ہوتی ہے[4]۔ بیچ کی نماز سے دن کی نمازوں کا بیچ مقصود ہے اور وہ عصر ہے، کیونکہ ظہر و مغرب کے بیچ میں ہے۔

۹۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے۔

وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	جو تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر کرو
اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ	یا چھپاؤ، خدا اس کا حساب لے گا، پھر
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ	جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے
مَنْ يَّشَآءُ (بقرہ۔ ۴۰)	گا سزا دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دل تک میں جو خیالات اور اندیشے آتے ہیں، خدا

---

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر [2] مسند جلد ۵ ص ۲۰۶ [3] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،
[4] جامع ترمذی آیت تفسیر مذکور

ان کا بھی حساب لے گا، پھر اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان پر سزا دے گا لیکن دل میں بے ارادہ جو وسوسے اور خیالات آتے ہیں، اگر خدا ان پر بھی دارو گیر کرے تو انسان کے لئے جینا مشکل ہو جائے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنے بعد کی اس آیت سے منسوخ ہے[1]۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ۔ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ۔ (بقرہ: ۴۰)

خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا، وہ جو کچھ کرے گا اس کا نفع یا نقصان اس کو ملے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے[2]۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے اس اوپر کی آیت کا مطلب پوچھا تو اسی کے ساتھ اس کی ہم معنی ایک آیت اور پیش کی،

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ۔ (نسا۔۔ ۱۸)

جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

سائل کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ سچ ہے تو مغفرت اور رحمت الٰہی کی شان کہاں ہے اور نجات کی کیونکر امید ہے؟ فرمایا، میں نے جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ہے، تم ہی پہلے شخص ہو جس نے اس کو مجھ سے دریافت کیا۔ خدا کا فرمانا سچ ہے لیکن پروردگار اپنے بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ ذرا سی مصیبت اور ابتلا کے معاوضہ میں بخش دیتا ہے، مومن جب بیمار ہوتا ہے یا اس پر کوئی مصیبت آتی ہے، یہاں تک کہ جیب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جاتا ہے اور اس کی تلاش میں اس کو پریشانی لاحق ہوتی ہے (یعنی ان ابتلاآت میں اس کی مغفرت و رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے) پھر یہ حال ہوتا ہے کہ جس طرح سونا آگ سے خالص ہو کر نکلتا ہے اسی طرح مومن دنیا سے پاک و صاف ہو کر نکلتا ہے[3]۔

---

[1] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور [3] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور

ان آیات کی تفسیروں کے علاوہ اور آیات کی تفسیریں بھی ان سے مروی ہیں لیکن ہم صرف اس لئے ان کو قلم انداز کرتے ہیں کہ وہ عام طور سے معمولی اور مفسرین میں معروف ہیں، اور ان کو اپنے دوسرے معاصروں سے ان کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن مجید کے متعلق حضرت عائشہؓ کی معلومات کی وسعت کا اندازہ حدیث و فقہ اور کلام کے عنوانوں سے بھی ہوگا۔

قرآن مجید کی موجودہ متواتر، حروف و کلمات و آیات کے علاوہ کوئی دوسرا زائد حرف یا کلمہ یا آیت بطریق غیر متواتر کسی صحابی سے مروی ہو تو اس کو "قرأت شاذہ" کہتے ہیں، اس قسم کی دو ایک قرأتیں حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہیں، ایک تو اس آیت میں۔

وَحَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ	نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی اور عصر کی نماز کی،

ابو یونس حضرت عائشہؓ کے غلام کہتے ہیں کہ مجھ کو انھوں نے قرآن لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب اس آیت پر پہنچو تو مجھے اطلاع دینا جب میں اس پر پہنچا تو انھوں نے آیت بالا کو اس طرح لکھوایا اور کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے[۱]، اصل قرآن میں وصلوٰۃ العصر کا لفظ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے "وصلوٰۃ العصر" کی زیادتی قرآن میں مقصود نہ تھی بلکہ الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر مقصود تھی، اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے۔

رضاعت کے متعلق ان سے مروی ہے کہ پہلے یہ آیت اتری تھی کہ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے، پھر پانچ گھونٹ کا حکم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ آیت قرآن میں موجود تھی[۲]۔ لیکن قرآن مجید میں بالاتفاق اس قسم کی کوئی آیت نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کی طرف اس حدیث کی نسبت اگر صحیح ہے تو شاید ان کو وہم ہوا ہوگا، اور

---

[۱] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور [۲] صحیح مسلم کتاب الرضاعۃ۔

یا انھوں نے یہ کہا ہو کہ پہلے ایسا حکم تھا۔ یہ اضافہ کہ قرآن میں یہ حکم تھا، راوی کی غلط فہمی ہو گی۔[1]

حدیث

علم الحدیث کا موضوع درحقیقت ذاتِ نبویؐ ہے۔ اس لئے فن کی واقفیت کے ذریعے سب سے زیادہ اس کو حاصل تھے جس کو سب سے زیادہ آپ کا قرب حاصل تھا۔ حضرت عائشہؓ کو قدرۃً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے، ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہو تھا اس اثناء میں روزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔[2] ہجرت کے بعد چھ مہینے تک البتہ وہ دیدارِ نبوت سے محروم رہیں۔ شوال میں رخصت ہو کر وہ کاشانۂ نبوی میں آئیں، اس وقت سے تادمِ مرگ اس ذاتِ اقدس سے الگ نہ ہوئیں۔ اسلام کی ابتدائی زندگی گو ان کے بچپن کا عہد تھا، لیکن ان کی فطری ذہانت اور قوتِ حفظ اس کی پوری تلافی

---

[1] بعض راویوں نے (جیسا کہ دار قطنی اور ابن ماجہ کتاب رضاعۃ میں ہے) حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رضاعت کی یہ حدیث کاغذ پر لکھی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت میں سرہانے پڑی تھی۔ ہم لوگ آپ کی تیمار داری میں مصروف تھے۔ اتفاق سے بکری آئی اور وہ کاغذ چبا گئی یہ تمام تر باطل اور جھوٹ ہے۔ مرض الموت میں باتفاق علماء کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور اگر مرض الموت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو وہ کاتبینِ وحی کے پاس ہوتی اور تمام مسلمانوں کو یاد ہوتی، نہ کہ حضرت عائشہؓ کے بستر کے سرہانے پڑی ہوتی۔ اس کے راوی محمد بن اسحاق، جو حادیث اور احکام میں معتبر نہیں۔ صحیح مسلم و موطا وغیرہ زیادہ معتبر کتابوں میں حضرت عائشہؓ کی یہ خمس رضعات والی حدیث موجود ہے لیکن بکری کے کاغذ چبانے والا ٹکڑا اس میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شریر راوی کا اضافہ ہے۔

[2] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

کرتی ہے، ازواجِ مطہراتؓ میں حضرت سودہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے میں ان سے چند مہینے زیادہ ہیں، لیکن ایک تو فہم اور ادراک اور سمجھ اور استعداد کا اختلاف دوسرے یہ کہ حضرت سودہؓ ضعیف العمر تھیں، ان کے قویٰ میں انحطاط آچکا تھا، اور آپ کی وفات سے چند سال پہلے وہ خدمت گزاری سے بھی معذور ہو چکی تھیں، اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ نوجوان تھیں اور نوجوانی کے سبب سے بھی ان کی عقلی اور دماغی قوتوں میں روز افزوں ترقی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخیر عمر تک ہمیشہ خدمت گزار اور شرفِ صحبت سے ممتاز رہیں، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور احکام سے زیادہ واقفیت تھی۔

حضرت سودہؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات حضرت عائشہؓ کے بہت بعد حبالۂ نکاح میں آئیں، اس پر بھی ان کو آٹھ روز میں ایک دن خدمت گزاری کا موقع ملتا تھا اور چونکہ حضرت سودہؓ نے بھی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ[1] کو آٹھ روز میں دو دن یہ شرف حاصل ہوتا تھا[2]، ان کا حجرہ مسجدِ نبویؐ سے جو معلم نبوت کا درسگاہِ عام تھا بالکل متصل تھا، اس بنا پر ازواجِ مطہرات میں سے بھی کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا کوئی حریف نہیں۔

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواجِ مطہرات؛ نہ صرف عام عورتوں، بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا پایہ شرف صحبت، اختصاصِ کلام اور قوتِ فہم و ذکا میں اگرچہ حضرت عائشہؓ سے بہت بلند تھا، لیکن ایک تو قدرتۃً بیوی کو مہینوں میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے احبابِ خاص کو بھی برسوں میں اس کی واقفیت ہو سکتی ہے، دوسرے ان بزرگوں کو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] صحیح مسلم باب جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا [2] بحوالہ سابق [3] صحیح جواز ہبتہا، نوبتہا، لضرتہا۔

کی وفات کے بعد ہی خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا، اس لئے ان کو احادیث کی روایت کی فرصت بہت کم ہاتھ آسکتی تھی، اس پر بھی جو کچھ حدیثیں ان سے آج تک محفوظ ہیں، وہ خلافت کے تعلق سے ان کے فیصلے اور احکام ہیں جن پر ہماری فقہ کی اصل بنیاد ہے، اس بناء پر اصل روایت حدیث کا فرض دوسرے فارغ البال لوگوں نے انجام دیا۔

ان بزرگوں کی روایات کی کثرت اور قلت کا ایک اور راز بھی ہے۔ اکابر صحابہ کا زمانہ خود صحابہ کا عہد تھا جن کو دوسروں سے سوال و پرسش کی حاجت ہی نہ تھی، تابعین جو اس گوہر نایاب کے جویان ہو سکتے تھے وہ عموماً پچیس تیس برس کے بعد ہوتے، لوگ اپنے پیغمبر کے حالات جاننے کے لئے بے قرار تھے، بڑے بڑے صحابہ اپنی زندگی کی منزلیں طے کر چکے تھے اور دنیا ان کے وجود سے محروم ہو چکی تھی، کم عمر اصحاب اب عالم شباب میں تھے اور جب تک ہجرت کی پہلی صدی منقرض نہ ہوئی ان کا آخری سلسلہ منقطع نہ ہوا، اسی بناء پر کثیر الروایت صحابہ جن کی روایات سے کتب حدیث کے اوراق مالامال ہیں، وہ یہی کم سن بزرگوار ہیں[1]۔

مکثرین کثیر الروایۃ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، سات اشخاص ہیں[2]۔

نام	سنہ وفات	تعداد مرویات
حضرت ابوہریرہؓ	۵۷، ۵۸، ۵۹	۵۳۷۴
حضرت ابن عباسؓ	۶۸	۲۶۶۰
حضرت ابن عمرؓ	۷۳	۲۶۳۰
حضرت جابرؓ	۷۴	۲۵۴۰
حضرت انسؓ	۹۱	۲۲۸۶

[1] ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی [2] یہ فہرست سخاوی کی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث سے ماخوذ ہے صفحہ ۲ لکھنؤ

حضرت عائشہؓ	۵۸-۵۷	۲۲۱۰
حضرت ابوسعید خدریؓ	۷۴	۲۲۷۰

کثرت روایت میں حضرت عائشہؓ کا درجہ

مکثرین روایت میں حضرت عائشہؓ کا چھٹا نمبر ہے، جن لوگوں کا نام ان سے اوپر ہے ان میں سے اکثر ام المومنینؓ کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہے، اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی نسبت یہ بھی لحاظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں اور نہ مسلمان طالبین علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے، اور نہ ان بزرگوں کی طرح ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا، تو ان کی حیثیت ان سبع سیارہ میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

فہرست بالا سے معلوم ہو چکا کہ حضرت عائشہؓ کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے، جن میں سے صحیحین میں دو سو چھیاسی حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں، ان میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں، چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور اٹھاون صرف مسلم میں، اس حساب سے بخاری میں ان کی دو سو اٹھائیس اور مسلم میں دو سو بتیس حدیثیں، اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں، امام احمد کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہؓ کی حدیثیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں، اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

مکثرین میں روایت کے ساتھ درایت

لیکن محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت اور مزیت کا باعث نہیں ہے، اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے، قلیل الروایۃ بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں، فہم و درایت

سے جاری ہوتے ہیں، بلکثرت روایت ہیں جن سات بزرگوں کے نام داخل ہیں ان میں سے پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں، ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے، چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن وسنت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں، اس مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ صرف عبداللہ بن عباسؓ شریک ہیں جو روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوتِ استنباط میں بھی ممتاز تھے۔

روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں ان کے علل واسباب بھی بیان کرتی ہیں، وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح کرتی ہیں صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ تینوں سے پہلو بہ پہلو روایتیں ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہیئے۔ اب تینوں بزرگوں کی روایتوں کے الفاظ کو پڑھو، حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا
یقول من جاء منکم الجمعۃ فلیغتسل	کہ جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ
قال غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم	کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔

اسی مسئلہ کو حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں،

قالت کان الناس ینتابون من	لوگ اپنے اپنے گھروں سے، اور مدینہ
منازلھم والعوالی فیاتون فی	کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے اور

الغبار تصیبهم الغبار و العرق فیخرج منهم العرق فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان منهم وهو عندی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو انکم تطهرتم لیومکم هذا (کتاب الجمعہ)

گرد وغبار اور پسینہ میں شرابور ہوتے تھے ایک دفعہ ایک صاحب ان میں سے آپ کے پاس آئے آپ میرے پاس بیٹھے تھے آپ نے فرمایا، بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کر لیا کرتے۔

ان کی دوسری روایت ہے۔

قالت عائشة کان الناس مهنة انفسهم کانوا اذا راحوا الی الجمعة راحوا فی هیئتهم فقیل لهم لو اغتسلتم۔

لوگ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے (یعنی کھیتی وغیرہ) جب وہ جمعہ میں جاتے تھے تو اسی ہیئت کذائی میں چلے جاتے اس لئے ان سے کہا گیا کہ تم غسل کر لیتے۔

ایک سال آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر اندر کھایا جائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہ نے اس حکم کو دائمی سمجھا، چنانچہ بعضوں نے اسی قسم کی ہدایتیں کیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کو حکم استحبابی سمجھا، چنانچہ اس حکم کی روایت انہوں نے ان الفاظ میں کی۔

الضحیة کنا نملح منها فنقدم به الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة فقال لا تاکلوا الا ثلثة ایام و لیست بعزیمة ولکن اراد ان یطعم منه واللہ اعلم۔

قربانی کے گوشت کو نمک ڈال کر ہم رکھ چھوڑتے تھے، مدینہ میں اس کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تین دن کے بعد نہ کھایا کریں یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ دوسروں کو کچھ اس میں سے کھلا دیا کریں۔

پھر دوسری روایت میں اس کی اصل وجہ بتا دی، ایک شخص نے پوچھا ام المومنین!

---

[1] صحیح بخاری و ترمذی کتاب الاضاحی [2] صحیح بخاری کتاب الاضاحی۔

کیا قربانی کا گوشت کھانا منع ہے۔

لا، ولکن قل من کان یضحی من	نہیں، لیکن ان دنوں قربانی کرنیوالے
الناس فاحب ان یطعم من	کم تھے، اس لئے آپ نے چاہا کہ جو قربانی
لم یکن یضحی (ترمذی)	نہیں کرسکتے ان کو کھلائیں۔

ابوداؤد کے سوا صحاح کی تمام کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ کو دست کا گوشت بہت پسند تھا، لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دست کا گوشت آپ کو بہت پسند نہ تھا، بلکہ چونکہ گوشت کم میسر آتا تھا اور دست کا گوشت جلد پک جاتا تھا، اسلئے آپ اسی کو کھاتے تھے (ترمذی)

احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ہر سال ایک آدمی خیبر بھیجتے تھے، وہ پیداوار کو جا کر دیکھتا اور تخمینہ لگاتا تھا، دوسرے راوی اس واقعہ کو صرف اسی قدر بیان کرکے رہ جاتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ جب اس روایت کو بیان کرتی ہیں، تو فرماتی ہیں۔

وانما کان امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آپ نے تخمینہ لگانے کا اس لئے حکم دیا کہ
بالخرص لکی یحصی الزکوٰۃ قبل ان	میل کھانے اور اس کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ
توکل الثمرۃ و تفرق[1]	کا اندازہ کرلیا جائے۔

حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں غلطی کم ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے، عام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کوئی بات سن لیتے یا کوئی واقعہ دیکھ لیتے تھے اس کو بھی اسی طرح روایت کردیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا اصول یہ تھا کہ جب تک وہ واقعہ کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتی تھیں اس کی روایت نہیں کرتی تھیں۔ اگر آپ کی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے اس کو بار بار پوچھ کر تسکین کرلیتی تھیں[2]۔ یہ موقع دوسروں کو کم مل سکتا تھا، ایسی بہت سی روایتیں ہیں جن میں ان کے اور دوسرے صحابہ کی روایتوں میں مصالح واسباب

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۶۳ [2] صحیح بخاری کتاب العلم۔

کی بنا پر روایت کا فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان کی تفصیل آئندہ علم اسرار الدین میں آئیگی۔

وہ جس روایت کو آپ سے بلا واسطہ نہیں سنتی تھیں بلکہ دوسروں سے حاصل کرتی تھیں ان میں سخت احتیاط کرتی تھیں اور اچھی طرح جانچ لیتی تھیں، تب اس پر اعتماد کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص نے ایک حدیث بیان کی، ایک سال کے بعد جب پھر وہ آئے تو ایک آدمی کو بھیجا کہ ان سے جاکر پھر وہی حدیث پوچھے۔ انھوں نے بے کم و کاست وہی حدیث بیان کی، اس نے لوٹ کر حضرت عائشہؓ کے درمیان دہرائی، سن کر بہت تعجب سے فرمایا کہ خدا کی قسم! ابن عمرؓو کو بات یاد رہی۔[1]

روایت میں احتیاط | اسی اصول کی بنا پر وہ کوئی روایت اگر کسی سے لیتی تھیں، اور کوئی شخص اس روایت کو ان سے دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں، اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہوسکیں اور سند عالی ہوسکے بہتر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد گھر آکر سنت ادا فرماتے تھے حالانکہ حکم قطعی تھا کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں، کچھ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے، اس کی اصلیت کیا ہے، جواب دیا کہ ام سلمہؓ سے جاکر پوچھو۔ اصل راوی وہی ہیں[2]۔ اسی طریقے سے ایک شخص نے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا کہ علی کے پاس جاؤ، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفروں میں ساتھ رہتے تھے[3]۔

امام حازمی نے کتاب الاعتبار میں جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، حضرت عائشہؓ کے اصول کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے (ص ۱۱)

نہ صرف اسی قدر کہ اپنی روایتوں کو انھوں نے مسامحات سے پاک رکھا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دوسروں کی روایتوں کی بھی تصحیح کردیتی تھیں۔ فن حدیث بلکہ مذہب اسلام پر

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب ما یذکر من ذم الرای [2] صحیح بخاری وفد بنی تمیم [3] صحیح بخاری مسح خفین۔

ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے اپنے معاصرین کے مسامحات کی نہایت سختی سے داروگیر اور ان کی غلط فہمیوں کی اصلاح کی، محدثین کی اصطلاح میں اس کو ادراک کہتے ہیں، متعدد ائمہ حدیث نے ان استدراکات کو یک جا کیا ہے۔ سب سے آخری رسالہ جلال الدین سیوطی کی عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہؓ ہے، مصنف نے فقہ کے ابواب پر اس رسالہ کو مرتب کیا ہے[1]۔

صحابہؓ کے زمانہ تک گو فنِ حدیث کے اصول مدون نہیں ہوئے تھے، تاہم ابتدائی مراتب پیدا ہو چکے تھے، حضرت عائشہؓ نے اپنے معاصرین پر جو استدراکات کئے ہیں، غور کرنے سے وہ حسب ذیل وجوہ پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

روایتِ مخالفِ قرآن حجت نہیں فنِ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا سب سے پہلا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کلامِ الٰہی کی مخالف نہ ہو۔

اس اصول کی بناء پر انھوں نے متعدد روایتوں کی صحت سے انکار کیا ہے اور ان روایتوں کی اصل حقیقت اور مفہوم کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض صحابہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ۔	مردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو اس کی تسلیم سے انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ ایک یہودیہ کے جنازہ پر گزرے، اس کے رشتہ دار اس پر واویلا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا "یہ روتے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے" حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ ہے جیسا کہ بخاری غزوۂ بدر میں تصریح ہے کہ رونا عذاب کا سبب نہیں ہے، بلکہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں،

---

[1] یہ رسالہ حیدرآباد دکن کے ایک مطبع میں چھپا تھا، وہی میرے پیش نظر ہے۔

یعنی یہ نوحہ کرنے والے اس کی موت پر روتے ہیں اور مرنے والا اپنے گزشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہے، کیونکہ رونا دوسروں کا فعل ہے، جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے؛ مردہ اس کا ذمہ دار کیوں ہو، ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے، اس بناء پر حضرت عائشہؓ نے اس کے بعد کہا قرآن تم کو کافی ہے۔

خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل)۔ اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب حضرت عائشہؓ کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کچھ جواب نہ دے سکے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے درمیان محاکمہ کیا ہے کہ اگر یہ نوحہ وزاری خود مرنے والے کا دستور تھا اور اس نے اپنے اعزہ کو کبھی اس فعل سے منع نہیں کیا تو ان کے رونے کا عذاب اس پر ہوگا، کیونکہ ان کی تعلیم و تربیت کا فرض اس نے ادا نہیں کیا۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم۔۱) مومنو اپنے کو اور اپنے خاندان والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور اگر اس کی اس تعلیم اور ہدایت کے باوجود اس کے اہلِ خاندان اس پر نوحہ کرتے ہیں

---

[1] یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے، کسی عزیز یا دوست کی موت کے صدمہ پر بے اختیاری سے رونا گناہ نہیں ہے؛ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت قاسم کی وفات پر روئے ہیں، بلکہ درحقیقت اس کی موت پر رونا، بین اور چیخنا چلانا، کپڑے پھاڑنا، خلافِ شرع کلمات کا منہ سے نکالنا، منہ پر تھپڑ مارنا وغیرہ، افعال منع ہیں، اسی لئے بعض حدیثوں میں تصریح ہے کہ رونے کے بعض اقسام جن میں یہ خلافِ شرع امور شامل ہوں منع ہیں، نفسِ گریہ و رونا اور آنسو بہانا منع نہیں ہے [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الجنائز۔

توحضرت عائشہؓ کی رائے صحیح ہے جیسا کہ خدائے عز وجل فرماتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا،

نیز دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ۔ عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی فیصلہ ہے۔[1]

لیکن ہمارے نزدیک ثالثی کا یہ فیصلہ صحیح نہیں، صورتِ اولیٰ میں درحقیقت وہ خود اپنے فعل عدم ادائے فرض کا مجرم ہے اور اسی جرم پر اس کو عذاب ہوگا، نوحہ کے جرم کا وہ مجرم نہیں ہے، اس لئے حضرت عائشہؓ کا استدلال اس صورت میں بھی صحیح ہے۔ مجتہدین میں امام شافعی، امام محمد اور امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے پیرو ہیں۔

۲:۔ غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اس کو سچا پایا۔ (اعراف۔۵)

صحابہؓ نے (ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عمرؓ نے) عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ مُردوں کو پکارتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ غالباً حضرت عمرؓ سے، ورانسؓ بن مالک ابوطلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون۔ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہؓ سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب حدیث مذکور [2] جامع ترمذی کتاب الجنائز [3] بحوالہ مذکور۔

[4] موطا امام محمد کتاب الجنائز

انھم لیعلمون الاٰن ان کنت اقول لھم حق۔ — وہ اس وقت بہ تیقن جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا وہ سچ تھا۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (نمل ۶۰) — اے پیغمبر! تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (فاطر ۳) — آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں، نہیں سُنا سکتے۔

محدثین نے حضرت عائشہؓ کے استدلال کو مان کر ان دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک ان میں جان ڈال دی گئی تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گویا بطور معجزہ کے ان کافر مُردوں میں سننے کی طاقت تھوڑی دیر کے لئے آگئی تھی۔

۲:۔ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے آکر بیان کیا کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے، عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں، حضرت عائشہؓ نے کہا یہ صحیح نہیں، ابوہریرہؓ نے آدھی بات سُنی اور آدھی نہیں سُنی، آپ پہلا فقرہ کہہ چکے تھے کہ ابوہریرہؓ پہنچے، آپ نے فرمایا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے، عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں۔[۲]

امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آکر خواہش ظاہر کی کوئی حدیث سنائیے۔ بولیں کہ آپ فرماتے تھے کہ بدشگونی تقدیر سے ہوتی ہے[۳] آپ کو تفاؤل اور اچھا نام البتہ پسند تھا، ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سُن کر کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے ابوالقاسم پر قرآن اتارا، آپ نے اس طرح نہیں فرمایا، اس کے بعد یہ آیت پڑھی،

---

[۱] یہ تمام روایتیں صحیح بخاری غزوہ بدر میں ہیں [۲] ابوداؤد و طیالسی مسند عائشہؓ حیدرآباد [۳] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۳۰۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا (حدید-۳)

زمین پر اور تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت نہیں آتی لیکن وہ کتاب (تقدیر) میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں موجود ہے۔

بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تینوں میں بدشگونی ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بدشگونی کوئی چیز ہوتی، تو ان چیزوں میں ہوتی، یہ بطور واقعہ کے نہیں بلکہ بطور تعلیق کے ہے۔

۴: حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے (جس کو غالباً انھوں نے کعب تابعی سے سُنا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ خدائے عزوجل کو دیکھا، مسروق تابعی نے حضرت عائشہؓ سے جاکر پوچھا کہ "مادر من! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا" حضرت عائشہؓ نے کہا تم ایسی بات بولے جس کو سُن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، جو تم سے یہ کہے کہ محمدؐ نے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے، پھر یہ آیت پڑھی،

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ (انعام-۱۳)

نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے کہ وہ ذات لطیف ہے اور دانا ہے۔

اس کے بعد یہ دوسری آیت پڑھی؛

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔

اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس سے باتیں کرسکے مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے

بعض اور حدیثوں سے بھی حضرت عائشہؓ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ نور ہے، میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں، الفاظ یہ ہیں، نورٌ انّی اراہ۔

لہ اصابہ سیوطی بحوالہ مسند احمد ۲ہ صحیح بخاری و ترمذی تفسیر سورۂ والنجم۔

۵۔ متعہ یعنی ایک مدت معین تک کے لئے نکاح، جاہلیت اور آغاز اسلام میں ۸ھ تک جائز تھا، خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا، اس کے بعد روایتوں میں کسی قدر اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ اور بعض لوگ اس کے جواز کے قائل تھے، لیکن جمہور صحابہ اس کی حرمت کے قائل ہیں اور اپنے دعویٰ کی توثیق میں حدیثیں پیش کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ سے جب ان کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انھوں نے اس کا جواب حدیثوں سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر آیت پڑھی،

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ	جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے
اِلَّا عَلٰٓي اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ	ہیں، مگر اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۙ	باندیوں کے ساتھ، ان پر کوئی
(مومنون) (قد افلح)	ملامت نہیں۔

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں[1] اور ظاہر ہے کہ ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے نہ باندی، اس لئے وہ جائز نہیں،

۶:۔ حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ ناجائز لڑکا تینوں میں (ماں، باپ اور بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہؓ نے سُنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص منافق تھا، آپ کو بُرا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ، اس کے علاوہ ولد الزنا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ بُرا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا، عام نہ تھا۔ خدا فرماتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (بنی اسرائیل)	اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا

یعنی قصور تو ماں باپ کا ہے، بچہ کا کیا گناہ؟[2]

---

[1] اصابہ بسیوطی بحوالہ حاکم [2] اصابہ بسیوطی بحوالہ حاکم۔

مغز سخن تک پہنچنا بعض مسائل کی نسبت صحابہؓ میں جو اختلاف روایت ہے وہ کسی قدر اختلاف فہم پر مبنی ہے، حضرت عائشہؓ کو اس فہم و ذکا کے عطیہ الٰہی سے بھی حظ وافر ملا تھا اور انھوں نے اس دولت عظمیٰ سے فنِ حدیث میں بہت فائدہ اٹھایا۔

۱: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک قصہ مذکور ہے[1] کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ دی تھی اور اس کو کچھ کھانے پینے کو نہیں دیتی تھی: بلی اسی حالت میں بھوک سے مر گئی، اور اس کو اس بناء پر عذاب ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے، انھوں نے کہا تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے فرمایا، خدا کی نظر میں ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لئے اس پر عذاب کرے، وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی، اے ابوہریرہؓ! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو۔[2]

۲: حضرت ابوسعید خدریؓ کا انتقال ہونے لگا، تو انھوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے، حضرت عائشہؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا، خدائے پاک ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود انسان کے اعمال ہیں[3]، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ لوگ قیامت میں برہنہ تن، برہنہ پا اور برہنہ سر اٹھیں گے۔[4]

۳: اسلام میں حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن شوہر کے گھر میں گزارے، اس

---

[1] ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل [2] ابوداؤد طیالسی مسند عائشہؓ [3] عربی زبان میں ثیاب سے مجازاً مراد اعمال ہوتا ہے [4] حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ ابوداؤد کتاب الجنائز، و ابن حبان و حاکم میں ہے، ننگے اٹھنے کی حدیث اکثر حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ خاص انکار کی روایت سیوطی نے عین الاصابہ میں زرکشی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

حکم کے خلاف فاطمہ نام ایک صحابیہؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے زمانہ میں شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت دے دی تھی، انھوں نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہ کے سامنے اپنے واقعہ کو بطور استدلال کے پیش کیا، بعض نے قبول کیا، اور اکثر نے اس کے ماننے سے انکار کیا۔ اتفاق سے مروان کی امارت مدینہ کے زمانہ میں اسی قسم کا ایک مقدمہ پیش ہوا، فریق نے فاطمہ کے قول سے استدلال کیا، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فاطمہ پر سخت نکتہ چینی کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کے لئے بھلائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اس واقعہ کو بیان کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کی حالت میں ان کو شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت بے شک دی، لیکن سبب یہ تھا کہ ان کے شوہر کا گھر ایک غیر محفوظ اور خوفناک مقام میں تھا۔[۱]

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی ناجائز بچہ کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں پسند ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناجائز لڑکے اگر غلامی کی حالت میں ہوں تو ان کو آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں، حضرت عائشہؓ کو یہ روایت معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا، خدا ابوہریرہؓ پر رحم کرے، اچھی طرح سنا نہیں، تو اچھی طرح کہا بھی نہیں، واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ	وہ گھاٹی میں گھسا نہیں معلوم ہے کہ گھاٹی
مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ (بلد)	کیا چیز ہے، کسی کو آزاد کرنا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم غریبوں کے پاس لونڈی غلام کہاں؟ کسی کسی کے پاس کوئی ایک حبشن ہے جو گھر کا کام کاج کرتی ہے، اس کو ناجائز طریقہ کی اجازت دی جائے، اس سے جو بچہ ہو اسے آزاد کیا جائے، ارشاد ہوا کہ مجھ کو خدا کی راہ میں کوئی کوڑا بھی ملے تو مجھ کو اس سے پسند ہے کہ میں اس بری بات کی اجازت دوں، اور پھر اس سے بچہ پیدا

---

[۱] صحیح بخاری و جامع ترمذی کتاب الطلاق۔

ہو، اس کو کہوں کہ آزاد کردو[1]۔

۵:۔ ابو داؤد کے سوا بقیہ تمام صحاح میں یہ حدیث مذکور ہے کہ آپ کو بکری کے دست کا گوشت بہت پسند تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، دست کا گوشت فی نفسہٖ پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت روز نہیں ملتا تھا، دست کا گوشت پکنے میں جلد گل جاتا تھا، اس لئے آپ اس کو پسند کرتے تھے[2]۔

۶:۔ حضرت عمرؓ اور متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، خدا عمرؓ پر رحم کرے ان کو وہم ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ آفتاب غروب اور طلوع کے وقت تاک کر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، فقہاء نے ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ آفتاب پرستی کے اوقات ہیں، اس لئے اشتباہ اور آفتاب پرستوں کی مماثلت سے احتراز کرنا چاہیئے اگر یہ تعلیل صحیح ہے تو حضرت عائشہؓ کی روایت زیادہ قرین صواب، صحیح اور انسب ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ممانعت کے اصل مقصد کو سمجھ لیا تھا۔

ایک روایت ہے کہ صبح کی سنت اگر قضا ہو جائے، تو نمازِ جماعت کے بعد اس کو پڑھ لینا[3] چاہیئے، اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے یہ دو رکعتیں میرے گھر میں کبھی نہیں چھوڑیں، چنانچہ بعض صحابہ اور تابعین پڑھا کرتے تھے، بعض صحابہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصات میں سمجھتے تھے، حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو رکعتوں کا حال پوچھا، تو فرمایا کہ ظہر کی دو رکعتیں، ایک دن چھوٹ گئی تھیں، یہ ان کی قضا ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری و ترمذی، اوقات الصلوٰۃ و مسند احمد جلد ۶، ص ۱۲۴ [4] ترمذی کتاب الصلوٰۃ۔

بہرحال عقلی حیثیت نیز گزشتہ روایتوں کی بنا پر حضرت عائشہؓ کی روایت زیادہ معقول اور مصلحت شرعی پر زیادہ مبنی نظر آتی ہے، لیکن حضرت عمرؓ ایسے رتبے کے آدمی نہ تھے جو حضرت عائشہؓ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقصد نہ سمجھ سکے، شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جب وہ ایک شے کو منع کرتی ہے تو احتیاطاً اس کے مبادی کو بھی ممنوع قرار دے دیتی ہے، اصل میں آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز ممنوع ہے لیکن احتیاطاً بعد نماز صبح و عصر کا اطلاق کیا گیا، تاکہ نمازوں کے بعد سے آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت تک کوئی نماز ہی نہ پڑھی جائے۔

۷: حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی من لم یوتر فلا صلوٰۃ لہ جس نے وتر نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، ہم سب نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اور اب تک ہم بھولے نہیں کہ جو پانچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی، اس نے خدا سے عہد لے لیا، کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی، اس نے عہد نہیں لیا، خدا چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب کرے، مقصود یہ ہے کہ وتر سنت ہے، اس کے اتفاقی ترک پر یا عذاب کہ اس کی کوئی نماز مقبول نہ ہو، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی بخشش یقینی نہیں رہی حالانکہ یہ عذاب صرف فرائض کے ترک پر ہوگا، نہ کہ سنن کے ترک پر۔

ذاتی واقفیت یہ امر مسلّم ہے کہ محرم اسرار سے محرم اسرار دوست کی بہ نسبت بیوی بہت کچھ زیادہ جان سکتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن مثال اور اسوہ تھے، اس لئے گویا آپ کا ہر فعل قانون تھا، اس بنا پر آپ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لئے ناممکن تھے۔ متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کر دیا اور حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت

لہ طبرانی فی الاوسط۔

کی بنا پر اس کو رد کر دیا، اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہؓ ہی کا قول مستند ہے۔

۱:۔ حضرت ابن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورت کو نہاتے وقت چوٹی کھول کر بالوں کو بھگونا ضروری ہے، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا وہ عورتوں کو یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ اپنے چوٹے منڈوا ڈالیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہاتی تھی اور بال نہیں کھولتی تھی۔[۱]

۲:۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے کہ تقبیل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔[۲] یہ کہہ کر مسکرائیں۔

۳:۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مرد کے سامنے سے عورت یا گدھا، یا کتا گزر جاتے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ سن کر غصہ آیا اور فرمایا کہ تم نے ہم عورتوں کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پاؤں پھیلائے سوتی رہتی (حجرہ میں جگہ نہ تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف ہوتے جب آپ سجدے میں جاتے ہاتھ سے ٹھوکر دیتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا دیتی۔[۳] کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی۔[۴]

۴:۔ حضرت ابو درداءؓ نے ایک دن وعظ میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر صبح ہو جائے اور وتر قضا ہو گئی ہو تو پھر وتر نہ پڑھے، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، ابو درداء نے صحیح نہیں کہا صبح ہو جاتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھ لیتے تھے۔[۵]

۵:۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادر میں کفنایا گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو کہا اتنا صحیح ہے کہ لوگ اس غرض سے چادر لائے تھے لیکن آپ کو اس میں کفنایا نہیں گیا۔[۶]

---

[۱] صحیح مسلم و سنن نسائی، آخری فقرہ صرف نسائی میں ہے [۲] صحیح بخاری وغیرہ [۳] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۷۳، باب التطوع خلف المرأۃ [۴] صحیح بخاری باب من لا یقطع الصلوٰۃ شئی و باب السریر [۵] سنن و بیہقی و مسند، ج ۶ ص ۲۴۳ [۶] صحیح مسلم و بخاری و ترمذی و نسائی، کتاب الجنائز۔

۶:۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دن وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو اس دن وہ روزہ نہ رکھے، لوگوں نے جاکر حضرت عائشہؓ (اور حضرت ام سلمہؓ) سے اس کی تصدیق چاہی، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا، لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو جاکر ٹوکا، آخر ان کو اپنے پہلے فتوے سے رجوع کرنا پڑا[1]۔

۷:۔ حج میں کنکری پھینک لینے (رمی) اور سر منڈانے کے بعد خوشبو اور عورت کے سوا ہر چیز جائز ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، خوشبو ملنے میں کوئی حرج نہیں، میں نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کے خوشبو ملی ہے[2]۔

۸:۔ حضرت ابن عباسؓ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر کوئی حج نہ کرے، صرف اپنی قربانی حرم محترم میں بھیج دے تو جب تک وہ وہاں پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اس پر بھی وہی شرائط عائد ہوتی ہیں، جو حاجی پر ہوتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کی قربانی کے جانوروں کے لئے قلاوے بٹے ہیں، آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ قلاوے قربانی کے جانوروں کی گردن میں ڈالے اور میرا باپ ان کو لے کر مکہ گیا، تاہم چیزیں حلال تھیں ان میں سے کوئی چیز قربانی تک حرام نہ ہوئی[3]۔

۹:۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے کہ جس صبح کو احرام باندھنا ہو اس صبح کو خوشبو لگانا میں پسند نہیں کرتا، میں بدن میں تارکول ملنا پسند کروں گا لیکن خوشبو نہیں، حضرت عائشہؓ سے استفسار ہوا تو انھوں نے کہا کہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر ملا ہے اور کبھی کہتیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شب احرام کی صبح کو عطر کی چمک آپ کے مانگ میں تھی، مجھ کو اچھی طرح یاد ہے[4]۔

---

[1] صحیح مسلم و موطا کتاب الصوم [2] صحیح بخاری، کتاب الحج، ص ۲۰۲ [3] ایضاً

[4] صحیح بخاری کتاب الحج نیز فتح الباری جلد ۳۔

قوتِ حفظ حفظ کی قوت قدرت کا ایک گراں مایہ عطیہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس عطیۂ الٰہی سے بدرجۂ اتم سرفراز تھیں، گزر چکا ہے کہ لڑکپن میں کھیلتے کھیلتے بھی اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ گئی، تو یاد رہ گئی، احادیث کا دارومدار زیادہ تر اسی قوت پر ہے عہدِ نبوت کے روزمرہ واقعات کو یاد رکھنا اور ان کو ہر وقت ٹھیک بیان کرنا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ جس طرح سنے ان کو بعینہا ادا کرنا ایک محدث کا سب سے بڑا فرض ہے، ام المومنین نے اپنے معاصرین پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں، ان میں قوتِ حفظ کے تفاوتِ مراتب کو بھی دخل ہے۔

۱: حضرت سعد بن وقاصؓ نے وفات پائی تو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ مسجد میں ان کا جنازہ آئے تو وہ بھی نماز پڑھیں، لوگوں نے اعتراض کیا، فرمایا لوگ کس قدر جلد بات بھول جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیلؓ بن بیضاء کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی تھی۔[1]

۲: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کتنی دفعہ کیا، جواب دیا چار دفعہ، جن میں سے ایک رجب میں، عروہ نے پکار کر کہا خالہ جان آپ نہیں سنتیں یہ کیا کہہ رہے ہیں، پوچھا کیا کہتے ہیں، عرض کی کہ کہتے ہیں "آپ نے چار عمرے کئے جن میں سے ایک رجب میں" فرمایا خدا ابو عبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے، آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا، جس میں وہ شریک نہ رہے، رجب میں کوئی عمرہ آپ نے نہیں کیا۔[2]

۳: حضرت ابن عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، لوگوں نے عند التذکرہ حضرت عائشہؓ سے اس کو بیان کیا، بولیں، خدا ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز [2] صحیح بخاری کتاب العمرہ [3] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۳۔

۴:۔ دو مین صاحبوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزیزوں کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، جب حضرت عائشہؓ سے لوگوں نے یہ روایت کی تو فرمایا،

انکم لتحدثون من غیر	تم نہ جھوٹوں سے روایت کرتے ہو اور
کاذبین ولا مکذبین ولکن	نہ جھٹلاتے ہوئے لوگوں سے، لیکن کان
السمع یخطیٔ،	کبھی غلطی بھی کرتے ہیں،

ایک اور روایت میں ہے کہ کہا،

رحم اللہ ابا عبد الرحمن سمع	خدا ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے انھوں
شیئا فلم یحفظ۔	نے کچھ سُنا لیکن محفوظ نہیں رکھا،

دوسری حدیث میں اس کے بجائے یہ فقرہ مروی ہے،

یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما	خدا ابو عبد الرحمن کو معاف کرے، وہ
انہ لم یکذب ولکنہ نسی	جھوٹ نہیں بولے، لیکن یا تو بھول گئے
او خطأ۔	یا غلطی کی۔

اس کے بعد فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً آپ کا گزر ایک یہودیہ کے جنازہ پر ہوا، اس کے اعزہ آہ و واویلا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا لوگ رو رہے ہیں، وراس پر عذاب ہو رہا ہے[۱]

حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کی ترتیب و تدوین

صحابہؓ کی روایات واحادیث کو قیدِ تحریر وکتابت میں لانا پہلی ہی صدی کے وسط سے شروع ہو چکا تھا، ہجرت کی جب صدی پوری ہو رہی تھی، تو حضرت عمر بن عبد العزیز ۱۰۱ھ میں سریر آرائے خلافت تھے، اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے صیغۂ قضا پر ابو بکر بن عمرو بن حزم الانصاری مامور تھے، ان کا علم وفضل ان کی خالہ عمرہ کا ممنون احسان تھا، عمرہؒ تمام تر حضرت عائشہؓ کے آغوشِ تعلیم میں پلی تھیں، حضرت

---

[۱] یہ تمام حدیثیں مسلم کتاب الجنائز میں ہیں۔

عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر کے نام شاہی فرمان جاری کیا کہ عمرہ کی روایتیں قلم بند کر کے ان کے پاس بھیجی جائیں۔[1]

فقہ و قیاس

علمی حیثیت سے کتاب و سنت درحقیقت بمنزلہ دلائل کے ہیں اور فقہ ان دلائل کے نتائج اور مستنبطات کا نام ہے، قرآن اور حدیث کی سرخیوں کے تحت میں جو واقعات لکھے گئے ہیں، اور فتاویٰ وارشاد کے تحت جو واقعات آئیں گے، ان سے روشن ہو گا کہ علم فقہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا کیا پایہ تھا اور ان کے فقہ اور قیاس کے کیا اصول تھے۔

عہدِ نبوت تک تو خود ذاتِ نبویؐ علم و فتویٰ کا مرکز تھی، اس مقدس عہد کے انقراض کے بعد اکابر صحابہ جو شریعت کے رازداں اور احکام اسلامی کے محرم تھے، آپ کے جانشین ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، تو وہ تمام علمائے صحابہ کو یکجا کرتے اور ان سے مشورہ لیتے، اگر ان میں سے کسی کو کوئی خاص حدیث معلوم ہوتی تو وہ بیان کرتا، ورنہ منصوص احکام پر قیاس کر کے فیصلہ کر دیا جاتا، فقہ کی یہ اکاڈمی اوائل خلافت ثالثہ تک مرکز نبوت سے وابستہ رہی، حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنوں نے سر اٹھایا اور لوگ مکہ معظمہ، طائف، دمشق اور بصرہ جا کر آباد ہوئے، حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافت بنایا، ان وجوہ سے اس درسگاہ کے بہت سے تربیت یافتہ دوسرے شہروں میں چلے گئے ان اتفاقی واقعات نے گو علم کے دائرہ کو وسیع کر دیا، لیکن اس کی اجتماعی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے، اگر کہیں وہ اجتماعی رونق باقی بھی تھی تو اسی کاشانۂ نبوت کے در و دیوار میں۔

اکابر صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ زیادہ تر یہی چار بزرگ فقہ و فتاویٰ کی مجلس کے مسند نشین تھے

---

[1] ابن سعد جزء دوم قسم دوم ص ۲۰۷ و تہذیب جزء ۱۲ ترجمہ عمرۃ

غیر منصوص احکام کے فیصلہ میں ان چاروں بزرگوں کے پیش نظر مختلف اصول تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسئلہ کے متعلق اگر کتاب و سنت واثر سے کوئی جواب معلوم ہوتا تو سائل کو بتادیتے، اگر کوئی آیت یا حدیث یا خلفائے سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش رہ جاتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصل شدہ مسائل پر جدید مسئلہ کو قیاس کر کے اس کا جواب اپنی عقل کیمطابق جو سمجھ میں آتا بتادیتے۔

قرآن مجید | حضرت عائشہؓ کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں، اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں، پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا، علم حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک صاحب نے متعہ کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو انھوں نے حسب ذیل آیت اس کی حرمت کی سند میں پیش کی:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ	اور جو لوگ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ	ہیں، لیکن اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ،	باندیوں کے ساتھ ان پر کوئی ملامت
(مومنون ۱۰) (قد افلح)	نہیں،

ممتوعہ نہ بیوی ہے نہ باندی ہے، اس لئے متعہ جائز نہیں۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اہل عجم اپنے تہواروں میں جو جانور ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے، فرمایا خاص اس دن کے لئے جو جانور ذبح کریں وہ جائز نہیں، اس حکم کے استنباط میں انھوں نے غالباً حسب ذیل آیت کو مبنیٰ قرار دیا ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ،	اور جو جانور غیر خدا کے نام سے ذبح کیا
(بقرہ-۲۱)	جاتے وہ تم پر حرام ہے۔

۱؎ ابن سعد وغیرہ میں ان بزرگوں کے تراجم دیکھو ۲؎ عین الاصابہ سیوطی بحوالہ حاکم ۳؎ تفسیر ابن کثیر آیت مذکور، بحوالہ قرطبی

حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک عورت سے ۸۰۰ میں ادھار ایک لونڈی خریدی اور شرط کی کہ جب وظیفہ کا روپیہ ملے گا تو ادا کر دیں گے، اسی اثنا میں انھوں نے اسی عورت کے ہاتھ اسی لونڈی کو ۶۰۰ نقد میں بیچ ڈالا، اس عورت نے معاملہ کی اس صورت کو حضرت عائشہؓ کے سامنے پیش کیا، تو فرمایا تم نے بھی برا کیا اور زید بن ارقمؓ نے بھی، ان سے کہہ دینا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہو گیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کر لیں۔

مطلب یہ کہ حضرت عائشہؓ نے اس خاص صورت میں اس ۲۰۰ کی زیادتی کو سود قرار دیا بعض روایتوں میں یہیں تک واقعہ مذکور ہے، اس لئے اختلاف ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کا کیونکر فیصلہ کیا، لیکن مصنف عبدالرزاق اور سنن دارقطنی کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ ان کا ماخذ حسب ذیل آیت تھی:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔	جس کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارہ میں) نصیحت آچکی تھی، پھر باز آیا تو اس کو اسی قدر لینا چاہیئے جس قدر پہلے دیا تھا۔
(بقرہ - ۳۸)	

قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو تین "قرؤ" تک انتظار کرنا چاہیئے، یعنی عدت کا زمانہ تین قرؤ ہے، قرؤ کے معنی میں اختلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی بھتیجی کو ان کے شوہر نے طلاق دی، تین طہر گزر کر جب نیا مہینہ آیا تو انھوں نے شوہر کے گھر سے ان کو بلا لیا اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور ثلاثۃ قروء کی آیت سے استدلال کیا، ام المومنینؓ نے کہا، ثلاثۃ قروء صحیح ہے، لیکن جانتے ہو قرؤ کیا ہے، قرؤ

؂ مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، سنن دارقطنی کتاب البیوع، بعض لوگوں نے راوی اول کو مجہول لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں۔

سے مراد طہر ہے، امام مالک اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے تمام فقہاء نے حضرت عائشہؓ کی پیروی کی ہے، اہل عراق قروء سے ایام مخصوصہ مراد لیتے تھے۔

حدیث قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لے لینے کا اختیار عطا کردے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے اپنے شوہر ہی کو قبول کر لے تو کیا بیوی پر کوئی طلاق پڑے گی، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی، حضرت عائشہؓ کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس ثبوت میں انھوں نے تخییر کا واقعہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اختیار دیا کہ خواہ دنیا قبول کریں یا کاشانۂ نبوت میں رہ کر فقر و فاقہ پسند کریں، سب نے دوسری صورت پسند کی، کیا اس سے ازواج مطہراتؓ پر ایک طلاق واقع ہو گئی؟[2]

کسی غلام کو جب کوئی آزاد کرتا ہے، تو باہم آقا اور غلام میں ولایت کا ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ ترکہ میں شرکت ہو سکتی ہے، غلام قانوناً اس کا ہم نسب قرار دیا جائے گا، اسی بنا پر ولایت کو اہمیت حاصل ہے، ایک غلام نے حاضر ہو کر عرض کی، میں عتبہ بن ابی لہب کی غلامی میں تھا، دونوں میاں بیوی نے مجھے بیچ ڈالا اور شرط یہ کی کہ ولایت انہی کے ہاتھ میں رہے گی، اب میں کس کا مولیٰ ہوں؟ فرمایا بریرہ کا یہی واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا کہ بریرہ کو خرید کر آزاد کردو، ولایت تمھیں کو حاصل رہے گی، گو خریدار احکام الٰہی کے خلاف جس قدر شرطیں چاہیں لگائیں۔[3]

حضرت بریرہؓ ایک لونڈی تھیں، ان کے قدیم آقاؤں نے ان کو اس شرط کے ساتھ بیچنا چاہا کہ ولایت کا حق ان کو ملے۔ بریرہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور اپنی حالت عرض کی، حضرت عائشہؓ نے خریداری کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن ولایت والی شرط منظور نہیں کی، آنحضرت

---

[1] موطا امام مالک میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے، کتاب الطلاق، [2] صحیح بخاری باب من خیر نساءہ، [3] سنن بیہقی کتاب البیوع۔

صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو صورت حال دریافت کی، فرمایا کہ تم بے تکلف خرید کر آزاد کر دو۔ خلاف قانون شرطیں خود کالعدم ہو جائیں گی۔ وہ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر کو جن سے غلامی میں شادی ہوئی تھی، قبول نہ کیا، لوگ ان کو صدقہ دیتے، وہ لے لیتیں، اور اس میں سے کبھی کچھ کھانے کی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہدیۃً پیش کرتیں تو آپ قبول کر لیتے۔

یہ معمولی واقعات ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے فقہ و قانون کے متعدد کلیات استنباط کئے، فرماتی تھیں، بریرہؓ کے ذریعہ سے اسلام کے تین احکام معلوم ہوئے:[1]

۱۔ الولاء لمن اعتق، یعنی ولایت کا حق آزاد کنندہ کو ملے گا۔

۲۔ غلامی کی حالت میں اگر ایک غلام اور ایک لونڈی کا بیاہ ہوا ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اور شوہر غلامی کی حالت میں رہے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ اپنے اس سابق شوہر کو شوہری میں قبول کرے یا نہ کرے۔

۳۔ اگر کسی مستحق کو صدقہ کا کوئی مال ملے اور وہ اپنی طرف سے غیر مستحق کو ہدیۃً پیش کرے تو اس غیر مستحق کو اس کا لینا جائز ہوگا، یعنی اس کی حیثیت بدل جائے گی۔

بعض استنباط ایسے ہیں جن کی تفصیل گو خود انھوں نے نہیں کی۔ لیکن ان کے سلسلہ بیان میں ایسے اشارات ہیں جن پر فقہاء اور مجتہدین نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر لی ہیں حجۃ الوداع میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تمام اکابر صحابہ ہم رکاب تھے، اس سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ سب کو یاد تھے اور حضرت عائشہؓ نے بھی اپنے واقعات محفوظ رکھے اور وہ احادیث میں تمامہا مذکور ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے جو واقعہ بیان کر دیا ہے وہ فقہاء اور مجتہدین کے اصول میں داخل ہو گیا ہے، حضرت عائشہؓ اثنائے حج میں معذور ہو گئی تھیں، اس کا ان کو بہت صدمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری باب الحرۃ تکون تحت العبد۔

نے ان کی تشفی کی، اور آپ کے حکم سے تنعیم جاکر احرام کے ساتھ انہوں نے طواف کیا۔ حافظ ابن قیم اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں، وحدیث عائشة ھذا یوخذ منه اصول عظیمة من اصول المناسك حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے حج کے چند عظیم الشان اصول، قواعد مستنبط ہوتے ہیں،

۱۔ جو شخص ایک ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے (قارن) اس کے لئے دونوں کے واسطے ایک ہی طواف اور سعی کافی ہے،

۲۔ طواف القدوم "معذوری" کی حالت میں عورت سے ساقط ہو جاتا ہے۔

۳۔ حج کے بعد عمرہ کی نیت کر لینا معذور عورت کے لئے جائز ہے،

۴۔ عورت معذوری کی حالت میں خانہ کعبہ کے طواف کے علاوہ، حج کے اور تمام مناسک ادا کر سکتی ہے۔

۵۔ تنعیم، حرم میں داخل نہیں، وہ حِلّ ہے،

۶۔ عمرہ ایک سال میں دو دفعہ بلکہ ایک مہینہ میں دو دفعہ ادا ہو سکتا ہے،

۷۔ جو شخص متمتع ہو یعنی جس نے حج اور عمرہ کی علیحدہ علیحدہ نیت کی ہو اور اس کو خوف ہو کہ عمرہ فوت نہ ہو جائے تو وہ حج کے بعد عمرہ ادا کر سکتا ہے،

۸۔ عمرۂ مکیہ کے جواز کا استدلال صرف اس واقعہ سے کیا جاتا ہے[2]۔

حضرت صفیہؓ کا ایک واقعہ ہے کہ حج میں وہ آخری طواف سے پہلے معذور ہو گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اس سے پہلے طواف نہیں کر لیا تھا، حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ سے یہ مسئلہ استنباط کیا کہ آخری طواف ضروری نہیں، اور معذور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ حج کے زمانہ میں جو عورتیں ان کی اقتدا کرتی تھیں وہ اسی مسئلہ پر عمل کرتی تھیں،

---

[1] موطا امام مالک انی حنیۃ الی تخض، [2] زاد المعاد جلد اول ص ۲۰۷ مصر [3] موطا امام مالک افاضۃ الی تخض

قیاس عقلی اس کے بعد قیاس عقلی کا درجہ ہے، قیاس عقلی کے یہ معنی نہیں کہ ہر کس و ناکس صرف اپنی عقل سے شریعت کے احکام کا فیصلہ کردے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ علماء جو شریعت کے رازداں اور علوم دینی کے ماہر ہیں، کتاب و سنت کی ممارست سے ان میں یہ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس ملکہ کی بناء پر سمجھ لیتے ہیں کہ اگر شارع علیہ السلام زندہ ہوتے، تو اس کا یہ جواب دیتے، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی لائق وکیل کے سامنے کسی خاص عدالت کے نظائر اس کثرت سے گزریں کہ گزشتہ نظائر پر قیاس کرکے کسی خاص مقدمہ کی نسبت یہ رائے دے دے، اگر اس عدالت کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوگا تو یہ فیصلہ ہوگا، شریعت کے نظائر اور فیصلوں سے حضرت عائشہؓ جس قدر آگاہ تھیں آپ کو معلوم ہے اس لئے ان کے قیاس عقلی کی غلطی کی بہت کم امید ہوسکتی ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عموماً عورتیں مسجدوں میں آتی تھیں اور جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں، مردوں کے بعد بچوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں ہوتی تھیں، آپ نے عام حکم دیا تھا کہ لوگ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں ارشاد تھا،

لاتمنعوا اماء اللّٰہ من	خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں سے
مساجد اللّٰہ۔	روکا نہ کرو،

عہد نبوت کے بعد مختلف قوموں کے میل جول، تمدن کی وسعت، اور دولت کی فراوانی کے سبب سے عورتوں میں زیب و زینت اور رنگینی آچلی تھی، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔ خاص الفاظ یہ ہیں،

عن عمرة عن عائشة	عمرہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی
قالت لوادرك رسول اللّٰہ	ہیں کہ انھوں نے فرمایا، عورتوں نے

صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔

اب جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ہوتے اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجدوں میں آنے سے روکی گئی ہیں یہ بھی روک دی جاتیں۔

اس رائے پر گو اس وقت عمل نہ ہوا لیکن اس استنباط کا منشا وہی قیاس عقلی ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ تھا کہ جو مردہ کو غسل دے اس کو غسل کرنا چاہیئے اور کوئی جنازہ اٹھائے تو دوبارہ وضو کرے، حضرت عائشہؓ نے سُنا تو فرمایا۔

اوینجس موتی المسلمین وما علی رجل لو حمل عودا۔

کیا مسلمان مردہ بھی ناپاک ہوتا ہے اور اگر کوئی لکڑی اٹھائے تو اسکو کیا ہوتا ہے۔

۳۔ شرعی غسل کے ضروری ہونے کے لئے خروج ماء کی ضرورت ہے یا نہیں؟ حضرت جابرؓ کہتے تھے، ضروری ہے کہ الماء من الماء۔ حضرت عائشہؓ نے سُنا تو پہلے اس کے خلاف ایک حدیث پیش کی، اس کے بعد فرمایا اگر کوئی ناجائز فعل کا مرتکب ہو اور خروجِ ماء نہ ہو تو رجم کروگے پھر غسل کیوں نہ ضروری ہو۔

سنن کی تقسیم فقہ کا ایک بڑا نازک نکتہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال صادر ہوئے ان میں سے کون مذہبی حیثیت سے اور کون محض عادت کے طور پر یا کسی خاص وقتی مصلحت سے انجام پائے، آپ سے جو فعل صادر ہو، اس کو سنت کہتے ہیں، فقہاء نے اول سنت کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے، عبادی، اور عادی۔ عبادی وہ افعال ہیں جو ثواب کی نیت سے عبادت کے طور پر انجام پائیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ فرمایا ہو، سنت مستحبہ جس کو کبھی کبھی ترک بھی فرمایا ہو۔ عادی وہ فعل ہے جس

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ باب خروج النساء الی المساجد ۲؎ عین الاصابہ سیوطی بحوالہ ابو منصور بغدادی ۳؎ عین الاصابہ سیوطی بحوالہ یعقوب بن سفیان۔

کہ آپ ثواب کے لئے عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ بطور عادت کیا کرتے تھے یا کسی ذاتی یا وقتی ضرورت سے آپ نے کبھی کیا، امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ عادی کا اتباع ضروری نہیں، البتہ اہلِ محبت طلبِ برکت کے لئے ان افعال کا اتباع بھی محبت کا ثمرہ سمجھتے ہیں،

ع   ہر ادا محبوب کی محبوب ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فقہاء سے پہلے خود بھی یہ اصول ذہن نشین کر لئے تھے، تراویح کے متعلق ان سے اور صرف ان سے مروی ہے کہ رمضان میں تین روز آپ نے باجماعت تراویح پڑھائی، چوتھے دن آپ تشریف نہ لاتے، صبح کو صحابہ سے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں آیا کہ میں ڈرا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے" اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس کا علم تھا کہ دوام کے ساتھ جس فعل کو آپ ادا فرمائیں وہ مؤکد ہو جاتا ہے اور جس کو کبھی کبھی ترک فرمادیں، وہ وجوب اور تاکید کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔

صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عبادی اور عادی سنن کی تقسیم نہیں کرتے تھے اُن کے نزدیک آپ نے جو فعل جس سبب سے بھی کیا، وہ سنت ہے، اسی لئے وہ سفر کے منازل تک میں بھی آپ کی پیروی کرتے تھے، اگر کسی منزل میں اتفاق سے آپ نے طہارت فرمائی تو وہ بھی بلا ضرورت طہارت کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس تفریق کے قائل تھے، حج کے موقع پر وادی ابطح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا تھا لیکن وہ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں، صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے۔

نزول الابطح لیس بسنۃ انما	ابطح میں منزل کرنا سنت نہیں، وہاں
نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ اس لئے اتر پڑے تھے کہ وہاں سے
لانہ کان اسمح لخروجہ اذا خرج (بلفظ مسلم)	نکلنا آپ کے لئے آسان تھا۔

معاصرین سے اختلاف حضرت عائشہؓ نے بہت سے احکام فقہی میں اپنے معاصرین سے اختلاف کیا ہے اور حق ان ہی کی جانب رہا، اور فقہائے حجاز کا زیادہ تر انہی پر عمل رہا، ہم نے

اس قسم کے اخلاقی احکام کی یہ فہرست جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث سے انتخاب کی ہے۔

حضرت عائشہؓ	دیگر صحابہؓ
۱۔ بوسہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	حضرت ابن عمرؓ۔ ٹوٹ جاتا ہے۔
۲۔ جنازہ اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	حضرت ابو ہریرہؓ، ٹوٹ جاتا ہے۔
۳۔ عورت کو غسل میں بال کھولنا ضروری نہیں۔	حضرت ابن عمرؓ، ضروری ہے۔
۴۔ غسل التقاء سے واجب ہو جاتا ہے	حضرت جابرؓ، خروج ما شرط ہے،
۵۔ قروء سے مراد طہر ہے۔	دیگر صحابہؓ حیض ہے۔
۶۔ مردہ کو غسل دینے سے غسل واجب نہیں ہوتا	حضرت ابو ہریرہؓ، واجب ہو جاتا ہے۔
۷۔ عورت کی میت کے بال نہیں سنوارنے چاہئیں۔[1]	حضرت ام عطیہؓ صحابیہ سنوار نے چاہئیں،
۸۔ نماز میں عورت کے سامنے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔	حضرت ابو ہریرہؓ، باطل ہو جاتی ہے۔
۹۔ صبح کی نماز اندھیرے وقت پڑھنی چاہیئے۔	حضرت رافع بن خدیجؓ اجالا ہو جائے تب پڑھے
۱۰۔ عصر میں جلدی چاہیئے۔	حضرت ام سلمہؓ، تاخیر۔
۱۱۔ نماز مغرب میں جلدی چاہیئے۔	حضرت ابو موسیٰؓ تاخیر۔
۱۲۔ بحالت جنابت صبح ہو جانے سے روزہ نہیں جاتا۔	حضرت ابو ہریرہؓ چلا جاتا ہے

[1] احناف کا عمل حضرت عائشہؓ کے فتوی پر ہے، دیکھو ہدایہ کتاب الجنائز، بحوالہ عبد رزاق حضرت ام عطیہؓ کی حدیث صحاح کی اکثر کتابوں کی کتاب الجنائز میں ہے۔

حضرت عائشہؓ	دیگر صحابہؓ
۱۳- افطار میں جلدی چاہیئے۔	حضرت ابوموسیٰؓ، تاخیر۔
۱۴- قربانی کا گوشت تین دن کے بعد بھی کھانا جائز ہے۔	حضرت علیؓ و حضرت ابن عمرؓ نہیں۔
۱۵- حج میں وادی محصب میں اُترنا سنت نہیں۔	حضرت ابن عمرؓ سنت ہے۔
۱۶ حج میں بال منڈانے کے بعد خوشبو ملنا جائز ہے۔	حضرت ابن عمرؓ نہیں۔
۱۷- کعبہ میں قربانی بھیجنے سے بھیجنے والے پر حج کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔	حضرت ابن عباسؓ عائد ہو جاتی ہیں۔
۱۸- حج میں حائض کو طوافِ وداع کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔	حضرت عمرؓ کرنا چاہیئے (موطا مع زرقانی)
۱۹- حج میں عورت زعفرانی کپڑے پہن سکتی ہے۔	حضرت عمرؓ، مکروہ ہے (بخاری، فتح الباری باب مایلبس المحرم من الثیاب)
۲۰- حج میں عورت کو صرف کسی طرف کا ذرا سا بال ترشوا دینا کافی ہے۔	حضرت ابن زبیرؓ، کم از کم چار انگل ضروری ہے۔
۲۱- زیور میں زکوٰۃ نہیں (جیسا کہ بعض روایات میں ان کی طرف منسوب ہے	زکوٰۃ ہے۔
۲۲- یتیم و نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ ہے	حضرت ابن مسعودؓ، نہیں۔
۲۳- کوئی حاملہ اگر بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کی مدت وضع حمل ہے۔	حضرت ابن عباسؓ، بیوگی کی عام مدت اور حمل کی مدت میں جو زمانہ زیادہ ہوگا......

حضرت عائشہؓ	دیگر صحابہؓ
	وہی عدت کا زمانہ ہوگا،
۲۴۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق اور مفارقت کا اختیار دے دے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کو پسند کرے تو طلاق نہ ہوگی۔	حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت علیؓ ایک طلاق ہوگی،
۲۵۔ اگر بالغ آدمی بھی کسی عورت کا دودھ پیئے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔	دیگر امہات المومنین نہیں ثابت ہوتی۔[1]

[1] واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو حذیفہؓ صحابی کے ایک نابالغ غلام سالم تھے، جو مولیٰ ابی حذیفہ کی نسبت سے مشہور ہیں، وہ اپنے آقا کے گھر میں رہتے تھے اور زنانہ میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور حضرت ابو حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیل کا ان سے پردہ نہ تھا، جب سالم بالغ ہوتے تو حضرت ابو حذیفہؓ کو اپنی بیوی کا ان سے پردہ نہ کرنا ناپسند آیا، وہ بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب سالم بالغ ہوتے ہیں سمجھتی ہوں کہ میرا ان کے سامنے آنا ابو حذیفہ کو ناگوار ہے۔ فرمایا کہ سالم کو اپنا دودھ پلا دو تو ابو حذیفہ کی یہ ناگواری دور ہو جائے گی، چنانچہ ان کی بیوی نے اسی پر عمل کیا اور واقعاً اس کے بعد حضرت ابو حذیفہ کی وہ ناگواری دور ہوگئی، اس واقعہ کی بنا پر حضرت عائشہؓ کا مسلک یہ تھا کہ بالغ لڑکے کو بھی اگر کسی عورت نے دودھ پلایا تو رضاعت کی حرمت ثابت ہو جائے گی، لیکن دیگر ازواج مطہراتؓ نے اس اجازت کو مخصوص حضرت سالم اور حضرت ابو حذیفہ کی بیوی کے متعلق سمجھا اور اس کو حکم عام نہیں مانا، ائمہ مجتہدین میں امام داؤد ظاہری کے علاوہ جمہور ائمہ اور فقہا ازواج مطہرات کے ساتھ ہیں، صرف داؤد ظاہری نے اسی حدیث کی بنا پر حضرت عائشہؓ کا مسلک اختیار کیا، اور دوسری صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ حرمت صرف بچپن کی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے اور کلام پاک میں بھی رضاعت کی مدت دو سال بتائی گئی ہے اس لئے جمہور فقہاء نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کے مسلک کو قبول نہیں کیا (شرح صحیح مسلم نووی باب رضاعۃ الکبیر)

	حضرت عائشہؓ	دیگر صحابہؓ
۲۶۔	رضاعت کم از کم پانچ گھونٹ دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔	بعض صحابہؓ ایک گھونٹ بھی پی لے تب بھی ثابت ہو جاتی ہے۔
۲۷۔	جب تک غلام پر ایک حبہ بھی واجب الادا ہے وہ مکاتب ہے۔	حضرت زیدؓ بن ثابت، ایک درہم سے کم ہے تو مکاتب نہیں[1]۔
۲۸۔	چوری کے مال کی قیمت اگر کم سے کم تین درہم بھی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا[2]۔	حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہونا چاہیئے[3]۔
۲۹۔	اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر اس کی مرضی کے خلاف اس سے بیوی کو طلاق دلوائی جائے یا کسی آقا سے غلام آزاد کرایا جائے تو نہ طلاق واقع ہوگی نہ غلام آزاد ہوگا۔ لا طلاق ولا اعتاق فی الاغلاق	ائمہ احناف کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔
۳۰۔	جن کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ بھی زمانۂ عدت تک اپنے شوہر کے گھر رہے	حضرت فاطمہؓ بنت قیس، وہ شوہر کے گھر نہ رہے۔
۳۱۔	اگر کوئی دو بیٹیاں، ایک پوتی، اور ایک پوتا چھوڑ دے، تو ثلث بیٹیوں کا حصہ ہوگا اور باقی میں پوتے اور پوتی دونوں کا حصہ ہوگا۔	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، باقی حصہ صرف پوتے کا ہے، پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔

ان کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے فقہی مسائل کا اور بہت بڑا ذخیرہ ہے، جس کا اکثر حصہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب العتاق [2] نسائی میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہی مذہب تھا۔

[3] بخاری سرقہ وحدود [4] دارقطنی کتاب الحدود و مسند دارمی۔ کتاب الطلاق۔

امام مالک کی موطا میں محفوظ ہے، اور مدینہ کی فقہ کی اس پر بنیاد ہے۔

علم کلام و عقائد

اسلام ایک سادہ دین ہے، اس کے عقائد بھی سیدھے سادے تھے، لیکن غیر مذہب والوں کے میل جول اور عقلی بحث مباحثوں کے سبب سے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئی نئی بحثیں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر مسئلہ کا قطعی فیصلہ صرف آپ کا ارشاد تھا، جس کو جو شک پیدا ہوا، اس نے جا کر تسلی کر لی؛ اس عہدِ مبارک کے بعد ایسے موقعوں پر مسلمانوں نے صحابہ کرام کی طرف رجوع کیا، ان کو اس باب میں کوئی صریح آیت یا حدیث معلوم ہوتی تو پیش کر دی جاتی، ورنہ کتاب وسنت کے درمیان ان کے جواب دیئے جاتے، اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے جو روایات ثابت ہیں، ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خدا کے لئے اعضاء کا اطلاق دوسری صدی ہجری میں حضرت عائشہؓ کے زمانہ کے بہت بعد اس مسئلہ نے بہت وسعت حاصل کی تھی، کہ خدا کے لئے قرآن مجید و احادیث میں ہاتھ پاؤں، آنکھ، مختلف اعضاء کا اطلاق ہوا ہے، ان سے مراد ان کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی، مثلاً ہاتھ سے یہی ہاتھ مراد ہے یا قدرت؟ آنکھ سے بصارت مقصود ہے یا علم؟ وغیرہ، گو عام صحابہ کرام سے اس مسئلہ کی تفصیل منقول نہیں، لیکن سلف صالحین کا عقیدہ یہی ہے کہ ان صفات الٰہی پر یقین کیا جاتے، اور ان کے حقیقی لغوی معنوں پر ایمان رکھا جائے، اور ان کی تفصیل میں نہ پڑا جائے، حضرت عائشہؓ کا میلان اسی مسئلہ کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بخاری میں ان کا مقولہ مذکور ہے۔

الحمد للہ الذی وسع سمعہ الاصوات اس خدا کی حمد جس کے کان میں تمام آوازوں کی گنجائش ہے۔

رویت باری تعالیٰ معتزلہ اور معتزلہ کے ہم خیال لوگوں کا اعتقاد ہے کہ خدا کا دیدار نہ اس دنیا میں کسی کو ہو سکتا ہے نہ آخرت میں، جمہور اسلام نہ صرف اس کے امکان بلکہ وقوع کے قائل ہیں، اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں نہیں ہو سکتا، لیکن آخرت میں اس کا دیدار اس طرح ہوگا جس طرح چودھویں کا چاند سب کو ایک ساتھ نظر آتا ہے، مگر حضرت عائشہؓ سے نہایت مصرح روایتیں مروی ہیں، انھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جو شخص تم میں سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا۔ اس دعوے پر انھوں نے قرآن مجید کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور آج تک معتزلہ کو اس سے زیادہ قوی دلیلیں قرآن مجید سے نہیں مل سکی ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ	اس کو (خدا کو) نگاہیں نہیں پا سکتیں
الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.	اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ
(انعام۔ ۳۰)	لطیف اور خبردار ہے۔

یعنی چونکہ وہ لطیف ہے، اس لئے نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور چونکہ وہ خبردار اور آگاہ ہے، اس لئے وہ سب کی نگاہوں کو پالیتا ہے، دوسری آیت یہ ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ.	اس سے (خدا سے) باتیں کر سکے مگر وحی
(شوریٰ۔ ۵)	کے ذریعہ سے یا پردہ کی اوٹ سے۔

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تھے اور سورۂ نجم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے تھے،

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم)	اور اس کو دوبارہ اتر تے دیکھا۔
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى	پیغمبر نے خدا کی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ جبریل ہیں، چنانچہ مسلسل

آیتوں کے پڑھنے سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ	پیغمبر کو ایک طاقتور نے سکھایا اور وہ
فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى	افق اعلی پر تھا، پھر قریب آیا، پھر لٹکا
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ	پھر دو کمانوں کے برابر نزدیک تھا
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ	پھر اس کے بندے (یا اپنے بندے) کی
مَآ اَوْحٰى . مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى	طرف وحی کی جو کچھ وحی کی قلب نے جو
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى . وَلَقَدْ	کچھ دیکھا، اس میں جھوٹ نہیں بولا
رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ	کیا وہ جو کچھ دیکھتا ہے، اس پر تم اس سے
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى .	جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوبارہ
(نجم-۱)	اترتے دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

ان روایات کی بنا پر معتزلہ حضرت عائشہؓ کو رویت باری کے منکروں میں شمار کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اس عالم میں رویت کی قائل نہیں ہیں۔ قیامت کی رویت کی منکر نہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں۔[1]

من حدثك ان محمدًا رای	جو تم سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
ربه فقد كذب۔	(معراج میں) اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا۔

اس سے مقصود معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کا انکار ہے، نہ کہ آخرت میں، اس لئے حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کو مطلق انکار رویت کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علم غیب | غیب کی باتیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، عالم الغیب ہونا، صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہی غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے

[1] ان روایات کے لئے صحیح بخاری اور جامع ترمذی تفسیر سورہ نجم اور مسند جلد ۶ ص ۱۱۰ دیکھو۔

آیت میں ہے۔

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (نمل - ۵)	جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر کے خصائص میں غیب کی ساری باتوں کا جاننا بھی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے سختی کے ساتھ انکار فرمایا، فرماتی تھیں کہ "جو تم سے یہ بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے"[1] استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے کرتی تھیں۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا	اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔

جب کوئی نہیں جانتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر نہیں ہو گی، اس سے غیب کے کلّی علم کی نفی ہوتی ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ چند چھوکریاں کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے یہ مصرع پڑھا۔

و فینا نبیٌ یعلم ما فی غدٍ،	ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے

آپ نے فرمایا "یہ نہیں وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں"[2]

اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے علم غیب کلّی کے دعویٰ کی نفی ہوتی ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ غیب کے بعض امور سے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مصلحت وحکمت کے مطابق مطلع فرماتا رہتا ہے۔

پیغمبر اور اخفائے وحی پیغمبر کی نسبت یہ سوء ظن نہیں ہو سکتا کہ اس کو جو کچھ وحی ہوتی ہے اس میں سے وہ کچھ چھپا لیتا ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد

[1] صحیح بخاری تفسیر نجم [2] صحیح بخاری کتاب النکاح۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپالیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں، تو اس کو سچ نہ جانیو، خدا فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ	اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ	جو کچھ اترا وہ لوگوں کو پہنچا دے۔
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط	اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے پیغمبری
(مائدہ - ۱۰)	کا حق ادا نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ اس دعوے پر ایک اور واقعہ سے استدلال کرتی ہیں، دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی رؤس الاشہاد اعلان کرے، حالانکہ قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں پیغمبر کو اس کی اجتہادی خطاؤں پر تنبیہ کی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا، جہلائے عرب کے نزدیک سخت اعتراض کے قابل تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے، تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے)

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ	اور جب تم اس شخص سے (زید سے) کہہ رہے
اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ	تھے جس پر خدا نے احسان کیا اور تم نے
عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ	احسان کیا کہ اپنی بیوی اپنے پاس رکھو اور
وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ	خدا سے ڈرو، اور دل میں تم وہ چھپاتے
مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ	ہو، جس کو خدا ظاہر کرنے والا ہے تم
أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ۔	لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا زیادہ
(احزاب - ۵۰)	مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو،

۱؎ صحیح بخاری باب قول اللہ یا ایہا الرسول بلغ ۲؎ مسند احمد جلد ۶ ص ۲۳۳۔

حالانکہ ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ وحی آئی وہ سب بے کم وکاست آپ نے تمام مسلمانوں پر ظاہر فرما دی۔

انبیاء معصوم ہیں | سورۂ یوسف میں ایک آیت ہے جس کی قرأت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ اس طرح پڑھتے ہیں۔

وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا۔	پیغمبروں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا۔

یعنی خدا نے اُن سے جھوٹا وعدہ کیا، حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے پوچھا، کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا،

معاذ اللہ لم تکن الرسل تظن ذلک بربھا۔	معاذ اللہ! پیغمبر خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے۔

حضرت عائشہؓ کُذِّبُوْا پڑھتی تھیں، یعنی وہ اپنی قوم کی طرف سے جھٹلائے گئے یعنی جب عذاب الٰہی آنے میں دیر ہوئی تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں کفار ان کو عذاب الٰہی کے آنے کی پیشین گوئی کرنے میں جھوٹا نہ سمجھیں، لیکن اس مایوسی کے قریب ہونے کے بعد عذاب الٰہی آجاتا ہے، کفار ہلاک ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی نصرت ہوتی ہے۔

معراج روحانی | بعض روایتوں کے مطابق اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ بیداری میں ہوئی تھی یا خواب میں۔ قرآن مجید نے اس کو رؤیا کہا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل-۶۰)	اور ہم نے تجھ کو جو خواب دکھایا، وہ نہیں دکھایا، لیکن اس لیے کہ وہ لوگوں کے لئے آزمائش ہو۔

---

[1] صحیح بخاری آخر تفسیر سورۂ یوسف۔

قرآن مجید نے دوسری جگہ اس کو رویتِ قلب کہا ہے۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ (نجم-۱)	قلب نے جو کچھ دیکھا اس میں وہ جھوٹ نہیں بولا۔

صحاح کی ایک روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ اس وقت بین النائم والیقظان یعنی کچھ سوتے کچھ جاگتے تھے، ایک روایت میں معراج کے تمام مشاہدات وواقعات کے ذکر کے بعد آخری لفظ ہے۔ فاستیقظت پھر میں جاگ پڑا، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ معراج روحانی کی قائل تھیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں،

قال ابن اسحاق وحدثنی بعض آل ابی بکر ان عائشه زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم کانت تقول ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہٖ	ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ آپ کا جسم گم نہیں پایا گیا بلکہ ان کی روح کو فرشتے لے گئے۔

قاضی عیاض نے شفاء میں اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے اور قسطلانی نے حرفاً حرفاً اسی کو نقل کر دیا ہے کہ معراج، حضرت عائشہؓ کے لڑکپن کا واقعہ ہے، اس وقت تک وہ آپ کے حبالۂ نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں، بلکہ ایک روایت کے مطابق وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، اس لئے یہ روایت صحیح نہیں، قاضی عیاض کا یہ اصولِ تنقید اگر صحیح ہے تو ہم کو بہت سی ایسی حدیثوں سے دست بردار ہونا پڑے گا جن کا نقطہ نقطہ خود ان کے نزدیک اور جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے، لیکن وہ حضرت عائشہؓ کے اس زمانہ سے متعلق ہیں، جب وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، آغاز وحی کے حالات، صحاح میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی نے مفصل بیان نہیں کئے، بلکہ انہی کی روایت پر ان واقعات کے تفصیلی علم کا دارومدار ہے

لہ سیرت ابن ہشام ذکر الاسراء۔ شہ خفاجی علی الشفاء۔ جلد ۲، ص ۳۰۴۔

اس لئے روایت معراج سے زیادہ خود یہی روایت آغاز وحی اس دائرۂ تنقید کے اندر ہے کہ وہ بالیقین اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اور معراج کا واقعہ تو اس کے کئی برس بعد پیش آیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جیسا کہ زرقانی ابن دحیہ اور ابن سریح نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت ثابت ہی نہیں، ابن اسحاق جو اس کے راوی ہیں، خود بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اپنے راوی کا وہ نام نہیں بتاتے، خاندان ابوبکر کا ایک شخص کہتے ہیں۔ وہ راوی حضرت عائشہؓ کا نام لیتا ہے، حالانکہ اس کے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کم از کم ایک راوی اور چاہیئے۔ اس لئے یہ روایت حجت کے قابل ہی نہیں۔

الصحابۃ عدول اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام تر عدول، ثقہ اور مامون تھے، تا آنکہ کسی خاص شخص کی نسبت کوئی بات عدالت وثقاہت کے خلاف ثابت نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ کے واقعہ کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خانہ جنگیوں میں اہل مصر و عراق اور اہل شام ایک دوسرے کے حامی اور طرف دار صحابہؓ کو لعن وطعن کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے اس کو حکم الٰہی کے خلاف سمجھا اور اس پر قرآن مجید سے استدلال کیا۔ فرمایا۔

یاابن اختی امروا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسبوا۔[1]	اے بھانجے! حکم دیا گیا تھا کہ رسول کے اصحاب کے لئے رحمت کی دعا کریں تو یہ لوگ گالی دیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط کیا جو مہاجرین وانصار کی تعریف کے سلسلہ میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا	اور ان (صحابہ) کے بعد جو نسل آئے وہ کہے کہ خدا وندا ہم کو معاف کر اور ہمارے

[1] صحیح مسلم آخر کتاب التفسیر۔

الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (حشر-۱)	ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے ساتھ کینہ نہ پیدا کر، اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحیم ہے۔

ترتیب خلافت | مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں ان سے فرمایا کہ ابوبکر اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلوا بھیجو تاکہ میں لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ کوئی آرزومند (خلافت) یہ کہے کہ میں مستحق ہوں، حالانکہ خدا اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتے، اسی کتاب میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ایک عزیز شاگرد ابن ابی ملیکہ نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، فرمایا، ابوبکرؓ کو، پوچھا ان کے بعد جواب دیا "عمرؓ کو" سوال کیا پھر، کہا "ابوعبیدہؓ بن جراح کو" اس کے بعد چپ ہوگئیں۔

قرآن مجید میں قبر کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں، البتہ برزخ یعنی موت کے بعد اور قیامت سے پہلے عذاب کا ذکر ضرور ہے۔ لیکن اس سے قبر میں عذاب ہونے کی طرف بتصریح ذہن منتقل نہیں ہوتا، چنانچہ معتزلہ اس کے اب تک منکر ہیں۔

عذاب قبر | اسلام میں اس مسئلہ کی تحقیق حضرت عائشہؓ ہی کی ذات سے ہوئی۔ دو یہودی عورتیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں، باتوں باتوں میں انھوں نے کہا خدا آپ کو عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہؓ کے لئے یہ بالکل نئی آواز تھی، سن کر چونک پڑیں، شک کیا کہ قبر میں عذاب نہ ہوگا، پھر تسکین نہ ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت کیا، فرمایا سچ ہے، پھر حضرت عائشہؓ نے آپ کی دعاؤں کو غور سے سنا، تو دیکھا کہ عذاب قبر سے بھی پناہ مانگتے تھے، پہلے ان کو گویا ادھر توجہ نہیں ہوئی تھی۔

سماع موتی | مُردے سنتے ہیں یا نہیں، صحابہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں، حضرت عمرؓ

ل صحیح مسلم فضائل ابی بکر ٹ صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب التعوذ من عذاب القبر۔

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ[1] سماع کے قائل ہیں، حضرت عائشہؓ اس کی منکر ہیں ان کا انکار صرف قیاس وعقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیات ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں۔

۱- اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ (نمل-۸۰)	۱- اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔
۲- وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (فاطر-۳)	۲- اور نہ ان کو سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردے موت کے بعد سماعت سے محروم ہیں، الا یہ کہ بعض خاص حالات میں ان کو کوئی خاص آواز سنادی جائے۔

علم اسرار الدین

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شریعت کے سارے احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں، لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے ان مصلحتوں کا بیان بھی فرما دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احکام کے بہت سے مصالح خود بتائے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے اس کی مصلحتیں کبھی خود ظاہر فرما دی ہیں، اور کبھی کسی نے پوچھا تو بتا دیا ہے، صحابہ میں جو لوگ شریعت کے رازداں تھے، وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ تھے[2] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے علم اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغہ کے نام سے جو کتاب تصنیف کی ہے اس میں اس سوال کا جواب کہ جب سلف نے اسرار شریعت کے ساتھ اعتبار نہ کیا، تو تم کیونکر کر سکتے ہو، یہ جواب دیا ہے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر

[2] حجۃ اللہ البالغہ [illegible]

قلنا لا یضر عدم تدوین السلف	ہم کہتے ہیں کہ سلف کا اس علم کا مدون
ایاہ بعد ما مھد النبی صلی اللہ	نہ کرنا ہمارے دعویٰ کو مضر نہیں جب کہ
علیہ وسلم اصولہ وفرع فروعہ	خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے
واقتفی اثرہ فقہاء الصحابہ	اصول وفروع ممہد فرمائے اور فقہائے صحابہ مثلاً
کامیر المومنین عمر وعلی	حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت
وزید وابن عباس وعائشۃ	حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ نے
وغیرھم بحثوا عنہ وابرزوا	آپ کی اس میں تقلید کی ان امور کی تحقیق اور
وجوھا منہ،	ان کے وجوہ ظاہر کئے۔ (مقدمہ)

اگر مجھ پر ہیرو پرستی کا الزام نہ قائم کیا جائے تو شاہ صاحب کی فہرست میں آخر کے بجائے سب سے اول حضرت عائشہؓ کا نام لکھ دوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ ان کو دوسرے بزرگوں سے اسرار شریعت کی زیادہ واقفیت تھی، بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ان سربمہر خزانوں کو سب سے زیادہ وقف عام کیا، چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل احادیث کے اوراق اور صفحات ہیں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں بے تکلف مسجد نبوی میں آتی تھیں اور جماعت کی نماز میں مردوں اور بچوں سے پیچھے ان کی صف ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تاکیدی حکم تھا کہ ان کو آنے سے روکا نہ جائے لیکن عہد نبوت کے انقضاء کے بعد مال و دولت کی فراوانی اور غیر قوموں کے اختلاط نے ان کی سادگی، بے تکلفی اور پاکیزہ نفسی کو باقی نہ رکھا، حضرت عائشہؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا، اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور عورتوں نے اب جو جدتیں پیدا کرلی ہیں، ان کو وہ دیکھتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے[1]۔ یہ ایک جزئی واقعہ ہے لیکن اس سے یہ ثابت

---

[1] صحیح بخاری باب خروج النساء الی المساجد۔

ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت کے احکام مصالح اور اسباب پر مبنی ہیں اور ان کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں،

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عائشہؓ سے ملنے آئے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت عائشہؓ نے ان کی بھاوج کا دودھ پیا تھا، انھوں نے اجازت نہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو واقعہ عرض کیا، فرمایا تم کو اجازت دے دینی تھی، عرض کی اس کے بھائی نے مجھ کو دودھ نہیں پلایا، اس کے بھائی کی بیوی نے پلایا (یعنی بھاوج اور دیور میں کوئی نسبتی تعلق نہیں ہے، جو حرمت ثابت ہو) آپ نے فرمایا، نہیں، وہ تمہارا چچا ہوا۔[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احکام کے اندر مصالح عقلی کو بھی تلاش کرتی تھیں،

اب ہم ذیل میں ان مسائل کو لکھتے ہیں جن کے اسرار و حقائق احادیث میں حضرت عائشہؓ نے ظاہر کئے ہیں، گو ہم نے اس کے لئے حدیث کی تمام کتابوں کا استقصاء کر لیا ہے، تاہم ممکن ہے کہ بہت سی باتیں رہ گئیں ہوں، والکمال للہ وحدہ۔

قرآن مجید کی ترتیب و نزول | مقام نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کے دو حصے ہیں، مکی اور مدنی؛ یعنی ایک قرآن مجید کا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا، اور دوسرا جو ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوا، یہ دونوں ٹکڑے معنوی خصوصیات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں گو عام لوگوں کو اس کا مطلق احساس نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ عربی زبان پر عبور کامل رکھتے ہیں اور اس کے رموز سے واقف ہیں اور وہ صرف سورہ کے الفاظ کو سن کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کئی سورہ ہے یا مدنی، ان دونوں میں جلی امتیازات حسب ذیل ہیں،

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
زیادہ تر پرجوش اور جذبات سے بھری ہوتی ہیں۔	ٹھوس اور عمیق ہیں۔

[1] صحیح مسلم باب الرضاعۃ۔

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
الفاظ پُرعظمت اور شاندار ہوتے ہیں،	قانونی الفاظ ہوتے ہیں،
زیادہ تر نصائح، مواعظ، توحید ذکر، قیامت اور آیاتِ حشر ونشر پر مشتمل ہیں۔	احکام اور قوانین پر مشتمل ہیں،
ان میں اکثر قافیوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور عموماً قافیے بھی چھوٹے۔	قافیوں کا لحاظ کم ہے اور اگر کہیں ہے تو بڑے بڑے قافیے۔
ان میں یہود و نصاریٰ سے مناظرہ نہیں، سیدھی سیدھی باتیں ہیں،	یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے ہیں۔
ان میں اعمال وعبادات کا مطالبہ کم تر ہے، زیادہ تر عقائد کی بحث ہے،	ان میں اعمال وعبادت کا مطالبہ ہے،
جہاد کا ذکر نہیں بلکہ صرف دعوت وتبلیغ اور نرمی کلام کا۔	دعوت وتبلیغ کے ساتھ جہاد کا حکم ہوتا ہے،

اس فرق و امتیاز کے کشاف پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن انھیں خبر نہیں کہ رازدار و محرمِ نبوت آج سے ۱۳۲۵ برس پہلے اس سرِ مکتوم کو علی الاعلان فاش کر چکی تھی، صحیح بخاری میں ہے۔

انہ نزل اول ما نزل منہ سورۃ	قرآن کی جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی
من المفصل فیہا ذکر الجنۃ	وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت اور
والنار حتی اذا ثاب الناس الی	دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ
الاسلام نزل الحرام والحلال	اسلام کی طرف مائل ہوتے تو پھر حلال وحرام
ولو نزل اول شئی لا تشربوا	اترا، اگر پہلے ہی یہ اترتا کہ شراب مت

الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدًا
ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع
الزنا ابدا لقد نزل بمكة
وانا جارية العب بل الساعة
موعدهم والساعة ادهى
وما نزلت سورة البقرة
والنساء الا وانا عنده۔
(باب تاليف القرآن)

پیو۔ لوگ کہتے کہ ہم شراب ہرگز نہیں
چھوڑیں گے، اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو
کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔ مکہ میں
جب میں کھیلتی تھی، تو یہ اترا، ان کے وعدہ
کا وقت قیامت ہے، اور قیامت نہایت
سخت اور تلخ چیز ہے۔ سورۂ بقر اور سورۂ
نسا، جب اترا تو میں آپ کی خدمت
میں تھی۔

مقصود یہ ہے کہ اسلام نے اپنا اصول یہ رکھا کہ آہستہ اور رفتہ رفتہ وہ اپنی تعلیم کا دائرہ وسیع کرتا ہے، اسلام ایک جاہل قوم میں آیا، پہلے خطیبانہ اور موثر طریقہ ادا سے ان کو جنت اور دوزخ کا ذکر سنایا گیا، جب لوگ اس سے متاثر ہوتے تو اسلام کے احکام، قوانین، اوامر و نواہی نازل ہوتے، زنا اور شراب خوری وغیرہ عادات بد کے ترک کا اگر پہلے دن مطالبہ کیا جاتا تو کون سنتا؟ زبان اور طرزِ ادا کا فرق، معانی اور مطالب کے فرق کی بنا پر ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ ایک موعظت و نصیحت کی کتاب کی اور قانونِ تعزیرات کی زبان ایک ہو سکتی ہے سورۂ بقر اور نسا۔ جس کی نسبت حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئیں، چونکہ مدینہ میں یہود و نصاریٰ تھے، اس لئے ان میں ان سے مناظرات ہیں، اور چونکہ اسلام کی دعوت یہاں کام کر چکی تھی، اس لئے ان میں احکام نازل ہوئے اور احکام و قانون کی زبان کی بنا پر ان میں قافیے کم ہیں، اور سورۂ قمر کے نزول کو مکہ میں بتاتی ہیں اس میں قیامت کا ذکر ہے کہ آغازِ اسلام تھا، مشرکین کی تردید ہے کہ وہاں انہی سے سابقہ تھا، چھوٹے چھوٹے قافیے ہیں کہ ان سے عبارت میں رقت اور تاثیر پیدا کرنا مقصود تھا، الغرض مکی اور مدنی سورتوں میں فرق، حالات کے اختلاف کی بنا پر ہے اور حالات کے اختلاف سے زبان تعبیر اور طرزِ ادا میں فرق ہے۔

مدینہ میں اسلام کی کامیابی کا سبب یہ ایک ایسا تاریخی سوال ہے کہ جس کی نسبت یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی سے پہلے تاریخ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ وہ اس قسم کے سوالات پیدا بھی کر سکے۔ آج کل بڑے بڑے مصنفین اور ارباب قلم جب ان عقدوں کو حل کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آسمان کے تارے توڑ رہے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کی نگاہ سے یہ نکتہ پوشیدہ نہ تھا، مخالفوں کے ہجوم میں اسلام کی ترقی قدرت الہٰی کا ایک معجزہ ہے، لیکن ضرور نہیں کہ معجزہ اسباب عادی کے بغیر ہی ظہور پذیر ہوا، اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل سے کسی شے کے ہونے کے مختلف اسباب کو ایک وقت مناسب میں مہیا اور مجتمع کر دینا بھی تو معجزہ ہے، جو دنیا میں ہر کام کو میسر نہیں آتا ورنہ اس عالم امکان میں کوئی تحریک کبھی ناکامیاب نہ ہوتی، حالانکہ ہزاروں تحریکیں ہیں جو عدم اسباب کی بناء پر سرسبز نہیں ہوتیں۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے، ان لڑائیوں میں ان قبائل کے اکثر ارباب ادعا قتل ہو گئے اور یہی لوگ ہمیشہ ہر تحریک کے مانع ہوتے ہیں کہ اس سے ان کی پوزیشن کو صدمہ پہنچتا ہے، انصار لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو رحمت سمجھا اور چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا اس لئے انکی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کئے، اس طریقے سے خدائے پاک نے اسلام کی ترقی کے راستے مدینہ میں صاف کر دیئے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

کان یوم بعاث یوماً قدمہ اللہ	جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے
لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقدم	اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہلے سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد	پیدا کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے
افترق ملؤھم وقتلت سرواتھم	تو ان کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار
وجرحوا فقدمہ اللہ لرسولہ فی دخولھم	مارے جا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول

الاسلام۔	صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انکے اسلام میں داخل
(صحیح بخاری باب القسامۃ فی الجاہلیۃ)	ہونے کیلئے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کردیا تھا،

جمعہ کے دن نہانا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، اس وجوب کا حضرت عائشہ رض کی زبانی سننا چاہیئے۔

کان الناس ینتابون الجمعۃ من	لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ کی باہر
منازلھم والعوالی فیاتون فی	کی آبادی سے جمعہ کی نماز میں آکر شریک
الغبار لیصیبھم الغبار والعرق	ہوتے تھے، گرد وغبار میں اٹے ہوتے
فیخرج منھم العرق فاتی رسول اللہ	تھے، پسینہ چلتا تھا، ان میں سے ایک
صلی اللہ علیہ وسلم انسان منھم وھو	آدمی آپ کے پاس آیا، آپ میرے یہاں
عندی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا، اس
ولو تطھرتم لیومکم ھذا (بخاری کتاب الغسل)	دن کے لئے تم نہا لیتے۔

سفر میں دو رکعت وہ نمازیں جو چار رکعت ہیں قصر کی حالت میں صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کردی گئی ہیں، لیکن اصل واقعہ سنو، فرماتی ہیں،

فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم ھاجر	مکہ میں دو دو رکعتیں فرض تھیں، جب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرضت	آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی
اربعا وترکت صلوٰۃ السفر علی الاولیٰ	گئیں، اور سفر کی نماز اپنی حالت پر
(بخاری باب ہجرت)	چھوڑ دی گئی

نماز صبح اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت احادیث میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ عصر کی اور صبح کی نماز پڑھ لینے کے بعد پھر کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، عبادت کا خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، یہ حیرت اور استعجاب حضرت

عائشہؓ درد فرماتی ہیں،

وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا۔

عمرؓ کو وہم ہوا، آپ نے نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز پڑھے۔

(مسند احمد ۶ ص ۱۲۴)

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، یا آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ کا گمان نہ ہو، اسی قسم کی روایتیں اور صحابہ سے بھی بخاری میں مروی ہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر بھی ادا فرماتے تھے، اسی سے بعض لوگ کسی عذر کے بغیر بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے تھے، حالانکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے آدھا ہے، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، جواب دیا۔

حین حطمہ الناس۔

جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا (یعنی آپ کمزور ہو گئے)

دوسری روایت میں ہے۔

ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فی شیٔ من صلوٰۃ اللیل جالساً قط حتی دخل فی السن۔

میں نے کبھی آپ کو تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا لیکن ہاں جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی۔

یہ دونوں روایتیں ابوداؤد، باب صلوٰۃ القاعد میں ہیں، مسلم میں بھی (باب صلوٰۃ میں) اسی قسم کی روایتیں ہیں، ایک روایت ہے۔

قالت لما بدن صلی اللہ علیہ وسلم وثقل کان اکثر صلاتہ جالساً

جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو آپ اکثر نفل بیٹھ کر پڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ عذر نصف ثواب پر قناعت فرمائی ہے، اب جن کی نظر ثواب کی قلت وکثرت پر ہے، وہ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اچھا سمجھتے ہیں، لیکن جو محبت کے آشنا ہیں، وہ ثواب کی کثرت پر محبوب کی اتباع کو اہمیت دیتے ہیں، اس لئے گوان کو ان نفلوں کے بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کم ملے گا مگر ان کی تلافی اتباعِ محبت کے ثواب سے انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہو جائے گی۔

مغرب میں تین رکعتیں کیوں ہیں ہجرت کے بعد نمازوں میں جب دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں تین رکعتیں کیوں رہیں، حضرت عائشہؓ اس کا جواب دیتی ہیں۔

الا المغرب فانہا وتر النہار	مغرب کی رکعتوں میں اضافہ ہوا کیونکہ
(مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)	وہ دن کی نماز وتر ہے۔

جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح یہ دن کی نمازوں میں وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

صبح کی نماز دو ہی رکعت کیوں رہی؟ صبح کی نماز میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس میں اور رکعتیں زیادہ ہونی چاہئیں، فرماتی ہیں۔

وصلوٰۃ الفجر لطول	نماز فجر میں بھی رکعتوں کا اضافہ نہ ہوا
قرأتہما	کیونکہ صبح کی دونوں رکعتوں میں لمبی
(مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)	سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

صبح کی نماز میں مخصوص طور سے شریعت نے خشوع وخضوع کا لحاظ زیادہ رکھا ہے، بار بار کے اٹھنے بیٹھنے سے اس میں فرق آتا ہے اس لئے کمیت کے بجائے اس میں کیفیت کا اضافہ کر دیا گیا، یعنی رکعتوں کی تعداد تو دو ہی رہی، لیکن قرأۃ لمبی کر دی گئی۔

صوم عاشورہ کا سبب روزہ عاشورہ یعنی دسویں محرم کو اہل جاہلیت روزہ رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت میں اس دن روزہ رکھتے تھے، اسلام آیا تو بھی یہ روزہ

واجب نہ رہا، رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس روزہ کا وجوب منسوخ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی قسم کی روایات احادیث میں مذکور ہیں، لیکن یہ وہ بیان نہیں کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، اس کا سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں۔

کانوا یصومون یوم عاشوراء	رمضان کی فرضیت سے پہلے قریش
قبل ان یفرض رمضان وکان	عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے اس

---

[1] بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت اس سے مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب آپ مدینہ آئے تو یہودیوں کو دیکھا کہ اس دن روزہ رکھتے ہیں، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چونکہ اس دن خدا نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر فتح عطا کی تھی، اس کی یادگار میں یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا، تو پھر میں اس روزہ رکھنے کا زیادہ مستحق ہوں، چنانچہ آپ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی رکھنے کا حکم دیا، حضرت ابوموسیٰؓ سے بھی بخاری میں ایک اسی قسم کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے جو حضرت عائشہؓ کی تائید ہے، معجم کبیر طبرانی میں حضرت زیدؓ سے جو روایت ہے وہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کی تائید میں ہے، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرنا چاہیے وہ دس کو روزہ رکھتے ہیں ہم آئندہ نو کو روزہ رکھیں گے، حضرت عائشہؓ کی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت پر تین اسباب سے ترجیح رکھتی ہے، روایات کی کثرت، حضرت ابن عمرؓ کی تائید اور قیاس کا اقتضاء یعنی اگر عاشورہ کے دن آپ یہود کی پیروی میں روزہ رکھتے تو پھر مخالفت کے اظہار کی کیا حاجت تھی، بہرحال دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ میں اہل جاہلیت اس دن روزہ رکھتے تھے، آپ بھی رکھتے ہوں گے اسی دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے، اتفاقاً دونوں کی تاریخیں تھیں، جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو بھی روزہ سے پایا، آپ نے بھی حسب دستور روزہ رکھا، یہود کی تقلید منظور نہ تھی اسی لئے مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آپ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا

یوم تستر فیہ الکعبۃ ‏ روز کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔

پورے رمضان میں آپ نے تراویح کیوں نہ پڑھی | آپ رات کو جو نمازیں پڑھا کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی ان سے تحقیقی طور سے واقف نہ تھا، وہ کہتی ہیں کہ آپ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ رمضان میں آپ نے ایک دن مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی، آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے، لوگ انتظار کرکے مایوس ہوکر واپس چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔

امابعد فانہ لم یخف علی شانکم الیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا۔ ‏ آج شب کو تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہوجائے اور تم اس کی ادا سے قاصر رہو

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہ نے مواظبت کے ساتھ اس کو ادا فرمایا، اب جن کی نظر اصل حدیث پر ہے، وہ اس کو مستحب ہی سمجھتے ہیں، لیکن جنھوں نے صحابہ کی پیروی کی، انھوں نے اس کو سنت موکدہ قرار دیا۔

حج کی حقیقت | ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ حج کے تمام ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، حج میں کہیں ٹھہرنا، کہیں کنکری پھینکنا، ایک بے سود عمل ہے حضرت

(بقیہ حاشیہ ص۲۳۵) کہ یارسول اللہ یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ سال نو تاریخ کو روزہ رکھیں گے لیکن آئندہ سال آپ زندہ نہ رہے، آخر ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنہ ھ کا واقعہ ہے حالانکہ حدیث کی اکثر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ھ میں آپ نے صوم عاشورہ کا حکم دیا تھا نو تاریخ کو روزہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ دس کے ساتھ نو کو بھی روزہ رکھیں گے، یعنی نو اور دس دونوں تاریخوں میں۔

ؔ مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴ ؔ صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل۔

عائشہؓ فرماتی ہیں،

انما جعل الطواف بالبیت و	خانۂ کعبہ، صفا اور مروہ کا طواف،
بالصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ	کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کی یاد قائم
ذکر اللہ عز وجل۔	کرنے کے لئے ہے۔

یعنی اصل مقصود یہ اعمال نہیں ہیں، بلکہ یاد الٰہی کے مقامات ہیں، اور قرآن سے اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرزِ عبادت تھا حج جو یادگار ابراہیمی ہے اس میں وہی پہلا طرز عبادت باقی رکھا گیا، جس کو ہر مستطیع مسلمان کو عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے۔

وادی محصب میں قیام | مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں وہاں قیام فرمایا تھا، آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی یہاں قیام فرمایا، حضرت ابن عمرؓ محصب میں قیام کو بھی اعمال حج کے مسنونات میں سمجھتے تھے، حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں، اور یہاں قیام نہیں کرتی تھیں، فرماتی تھیں،

انما نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ نے یہاں صرف اس لئے پڑاؤ ڈالا تھا کہ
لانہ کان منزلاً اسمح لخروجہ۔	یہاں سے نکلنے میں آسانی ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابو رافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہیں[1]

قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت | ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن واقدؓ سے مروی ہے کہ وہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت سلمہ بن اکوعؓ، حضرت ثوبانؓ مولی رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت بریدہؓ نے آنحضرت

---

[1] یہ چاروں روایتیں مسلم استحباب النزول بالمحصب میں ہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت مسند احمد جلد ۶ ص ۱۹۰ میں موجود ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ یہ وقتی اور فوری حکم تھا، لیکن اس فوری حکم کی علت حقیقی ہم کو حضرت عائشہؓ ہی نے بتائی، ایک شخص نے پوچھا کہ کیا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے؟ فرمایا۔

لا ولکن لم یکن یضحی منھم الا قلیل ففعل ذلک لیطعم من ضحی من لم یضح۔ (مسند جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)	نہیں، اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے، اس لئے آپ نے یہ حکم دیا تا کہ جو قربانی کریں وہ ان کو کھلائیں جنھوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے جزئی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس کے دیہاتوں میں قحط پڑا، اس سال آپ نے یہ حکم دیا، اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، منسوخ فرما دیا، حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی اسی قسم کی روایت ہے[1]۔

تعمیر کعبہ اور بعض اعمال حج کعبہ کی ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوتی ہے، اس کو حطیم کہتے ہیں، طواف میں حطیم بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں، اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں، ممکن ہے کہ اور صحابہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس راز کی عقدہ کشائی چاہی ہو، لیکن کتب حدیث کی موجودہ خاموش مجالس درس میں اس وقت حضرت عائشہؓ کے سوا اور کسی کی زبان گویا نظر نہیں آتی، فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں"، عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا، فرمایا تمہاری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا، اس لئے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا، فرمایا یہ اس لئے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں،

---

[1] یہ دونوں حدیثیں مع حدیث ماقبل متعلق قربانی کے لئے مسلم کتاب الذبائح دیکھئے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کو بوسہ نہیں دیا، لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کریں، یہ شبہ نہ تھا، جو جانشین ابراہیم سے پوشیدہ ہوتا، آپ نے فرمایا عائشہ! تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا۔[1] یعنی چونکہ عام اہل عرب ابھی نئے نئے مسلمان ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے بھڑک جائیں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اگر کسی شرعی کام کی تعمیل میں تاخیر کی جائے تو قابلِ ملامت نہیں، بشرطیکہ شریعت نے اس کام کی فوری تعمیل کا علی الاعلان مطالبہ نہ کیا ہو۔

حضرت عائشہؓ کی اسی روایت کے مطابق آپ کے بھانجے حضرت بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کعبہ کو ڈھا کر اصل ابراہیمی بنیاد پر قائم کیا، عبد الملک نے جب حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تو یہ سمجھ کر کہ یہ فعل ابن زبیرؓ نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا، ڈھا کر پھر قدیم ہیئت پر اس کو بنوا دیا، لیکن جب اس کو ثقات کی روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ام المومنین کی روایت کے مطابق اس کی تعمیر ہوئی تھی تو اپنی اس حرکت پر اس کو سخت ندامت ہوئی۔[2]

سوار ہو کر طواف کرنا | حجۃ الوداع میں سواری پر بیٹھ کر آپ نے طواف کیا تھا، اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ سواری پر بیٹھ کر طواف کرنا سنت ہے، چنانچہ بعض مجتہدین کا یہ مسلک ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا تھا

---

[1] یہ روایتیں حدیث کی اکثر کتابوں میں ہیں، لیکن میں نے خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر مسلم باب نقض الکعبہ پیش نظر رکھی ہے [2] مسلم باب نقض الکعبہ و مسند جلد ۶ ص ۲۴۷ و ۲۵۳۔

صحابہ میں سے تین صحابیوں نے اس کی تین وجہیں بتائی ہیں۔[1] حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ بیمار تھے، اس لئے سوار ہو کر طواف کیا، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایسا اس لئے آپ نے کیا تھا کہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور آپ سے پوچھ سکیں، کیونکہ ہجوم کے سبب سے آپ لوگوں کو نظر نہ آتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے اس سبب سے ایسا کیا تھا کہ لوگوں کی بے انتہا بھیڑ تھی اور ہر شخص گویا اپنے آپ کو آپ کے پاس پہنچانا چاہتا تھا، کش مکش تھی اور آپ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے، اس لئے آپ سوار ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے جو وجہ بتائی ہے، اس کے تسلیم کرنے میں اس لئے تردد ہے کہ اگر آپ واقعۃً بیمار ہوتے، تو ایسا واقعہ نہ تھا جو صرف حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوتا بلکہ اس عام مجمع میں اس کا اعلان ہو جاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کے سبب کو اپنی اپنی فہم کے مطابق سمجھ کر ان صاحبوں نے بیان کیا ہے۔

ہجرت | آج کل ہجرت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ میں جا کر آباد ہو جائے، خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھا وہ کیسے ہی آرام اور امن و امان کا ملک ہو۔ عطا بن ابی رباح جو ائمہ تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، ایک دفعہ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سوال کیا کہ ہجرت کی کیا حقیقت ہے، فرمایا،

لا هجرة اليوم كان المومنون	اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت جب تھی
يفر احدهم بدينه الى الله	جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس
والى رسوله مخافة ان يفتن	کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ
عليه فاما اليوم فقد ظهر	اس کو تبدیل مذہب کے سبب سے ستایا
الله الاسلام واليوم يعبد	نہ جائے، اب خدا نے اسلام کو غالب
ربه حيث يشاء ولكن	کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے

[1] صحیح مسلم کتاب الحج میں حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتیں ہیں اور ابوداؤد میں ابن عباس کی حدیث ہے

جہاد ونیۃ: خدا کو پوچ سکتا ہے۔ ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔

اس نکتہ کے واضح ہو جانے کے بعد یہ راز کھل جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ یہ کیوں کہا کرتے تھے لا ھجرۃ بعد الفتح، فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، کیونکہ اس کے بعد تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا تھا۔ تاہم اگر کوئی جواز الٰہی یا جواز نبوی کی نیت سے ترک وطن کر کے وہاں آباد ہو تو نیت کا ثواب ملے گا،

آپ کا حجرہ میں دفن ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جاتے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، اس لئے آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی، دفن کیا گیا، ممکن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ہو، تاہم یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے اور ثبوت کا محتاج ہے، اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقوم منہ لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد، لولا ذلك ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجداً۔

(صحیح بخاری آخر کتاب الجنائز۔ ومسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

آپ نے مرض الموت میں فرمایا، خدا یہود ونصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں) اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جاتے (اس لئے آپ حجرہ کے اندر دفن ہوئے)

۱؎ صحیح بخاری باب الہجرۃ ۲؎ ایضاً، اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت کی ضرورت نہیں رہی،

اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک کو دیواروں اور سقف کے اندر محفوظ رکھا جانا اب بھی کیوں ضروری ہے۔

طب، تاریخ وادب وخطابت وشاعری

حضرت عائشہؓ کے شاگردوں کا بیان ہے کہ تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری میں ان کو اچھی دستگاہ حاصل تھی اور طب میں بھی ان کو کسی قدر دخل تھا، ہشام بن عروہ کی روایت ہے:

ما رأیت احدا من الناس اعلم [1]	میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام
بالقرآن ولا بفریضۃ ولا بحلال	(یعنی فقہ، شاعری، عرب کی تاریخ و
ولا حرام ولا بشعر ولا بحدیث	نسب کا حضرت عائشہؓ سے زیادہ
العرب ولا النسب من عائشۃ۔	واقف کار کسی کو نہ پایا۔

طب عروہ کہتے ہیں، میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو طب کا ماہر نہیں پایا، یہ ظاہر ہے کہ عرب میں فن طب کا باقاعدہ رواج نہ تھا، عرب کا سب سے بڑا طبیب اس زمانہ میں حارث ابن کلدہ تھا، اور ملک میں چھوٹے چھوٹے طبیب ومعالج تھے، ان کا فن طب وہی تھا جو جاہل قوموں میں رائج ہوتا ہے، کچھ جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم ہوں گے، کچھ بیماریوں کی مجرب دوائیں معلوم ہوں گی، حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ شعر کہتی ہیں تو میں نے مانا کہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں، کہہ سکتی ہیں، لیکن آپ کو طب سے یہ واقفیت کیسے ہوتی، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب آیا کرتے تھے، جو وہ بتاتے تھے میں یاد کر لیتی تھی۔[2]

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی طبی واقفیت ویسی ہی ہوگی جیسے پہلے خاندان کی بڑی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ عائشہؓ۔ [2] مستدرک حاکم و مسند احمد جلد ۶ ص ۶۷۔

بوڑھیاں بچوں کا علاج کرتی تھیں اور کچھ اور بیماریوں کے مجرب نسخے یاد رکھتی تھیں، مسلمان عورتیں عموماً لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی جنگِ احد میں مصروفِ خدمت تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں خاتونانِ اسلام کو حسبِ ضرورت اس فن سے واقفیت تھی۔

تاریخ | عرب کے حالات، جاہلیت کے رسوم اور قبائل کے باہمی انساب کی واقفیت میں حضرت ابوبکرؓ کو مہارت تامہ حاصل تھی[۲]، حضرت عائشہؓ ان کی بیٹی تھیں، اس لئے ان فنون کی واقفیت اُن کا خاندانی ورثہ تھا، عروہ کہتے ہیں ما رأیت احداً من الناس اعلم بحدیث العرب والنسب من عائشۃ[۳]، میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عرب کی تاریخ و نسب کا ماہر نہ پایا۔

عرب جاہلیت کے رسوم اور معاشرتی حالات کے متعلق بعض نہایت قیمتی معلومات حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی منقول ہیں، مثلاً عرب میں شادی کے کتنے طریقے جاری تھے[۵]، طلاق کی کیا صورت ہوتی تھی[۶]، شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا[۷]، ان کے روزہ کا دن کون تھا[۸]، قریش حج میں کہاں اترتے تھے[۹]، میت کو دیکھ کر کیا کہا جاتا تھا[۱۰]۔

محدثین کی محفل میں انصار کی جنگ بعاث کا تذکرہ ہم نے حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی سنا[۱۱]، انصار کی بعض مذہبی رسوم مثلاً یہ کہ وہ جاہلیت میں مشلل کے بت پوجتے تھے، انہی سے ہم کو

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد [۲] اصابہ اور استیعاب میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حسانؓ بن ثابت کا تذکرہ پڑھو نیز مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۷ [۳] مسند جلد ۶ ص [۴] تذکرۃ ذہبی ترجمہ حضرت عائشہؓ [۵] صحیح بخاری کتاب النکاح [۶] ترمذی کتاب الطلاق [۷] معجم صغیر طبرانی، باب الحاء [۸] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴۔
[۹] صحیح بخاری تفسیر ثم افیضوا [۱۰] بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔
[۱۱] صحیح بخاری جلد اول ذکر ایام جاہلیت۔

معلوم ہوئے[1]، اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً آپ کے آغازِ وحی اور ابتدائے نبوت کے مفصل حالات[2]، ہجرت کے تفصیلی واقعات[3]، خود اپنے واقعہ افک کی من وعن مفصل کیفیت[4] کو انہی کی زبان سے لوگوں نے سُنا، صحاح میں احادیث دو تین سطروں سے زیادہ کی نہیں ہوتی، لیکن حضرت عائشہؓ کے یہ واقعات احادیث کے دو دو تین تین صفحوں میں مسلسل بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کیونکر اور کس ترتیب سے نازل ہُوا۔ نماز کی کیا کیا صورت اسلام میں پیدا ہوئی انہی نے بتایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی شروع سے آخیر تک مفصل کیفیت صرف انہی کی زبان سے سُن کر دنیا نے جانا۔ آپ کے کفن میں کے کپڑے تھے اور کس قسم کے تھے، انہی نے بتایا (صحاح ابواب الجنائز)

خیر یہ تو گھر کے اندر کی باتیں تھیں، میدانِ جنگ کے حالات بھی انہوں نے ہم کو سنائے ہیں، غزوہ بدر کے بعض واقعات[8]، جنگِ احد کی کیفیت[9]، غزوہ خندق کے کچھ حالات[10]، غزوہ بنی قریظہ کے بعض جزئیات[11]، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت[12]، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت۔ حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزاء[13] انہی سے ہاتھ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے متعلق صحیح و مفصل معلومات انہی نے ہم پہنچائیں، مثلاً قصہ بدء وحی، واقعہ ہجرت، واقعہ وصال کے علاوہ آپ کی عبادت شبانہ[14]، آپ کے خانگی مشاغل[15]، آپ کے ذاتی اخلاق کا صحیح نقشہ انہی نے ہم کو کھینچ کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے سخت دن کون سا گزرا انہی نے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج [2] صحیح بخاری باب بدء وحی [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ [4] صحیح بخاری باب الافک [5] صحیح بخاری باب تالیف القرآن ..... [6] صحیح بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [7] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۷۲ و ص ۱۵۰ [8] مسند احمد جلد ۶ [9] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۴۱ [10] بخاری ذکر قریظہ [11] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۰۵ [12] صحیح بخاری وغیرہ کتاب الحج [13] صحیح بخاری، مسلم و ابوداؤد وغیرہ باب قیام اللیل [14] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۸۲ و صحیح بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ۔ [15] صحیح بخاری و ابوداؤد کتاب الادب۔

ہم کو بتایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت، حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کا دعویٰ، حضرت علیؓ کا ملال خاطر اور بیعت کے تمام مفصل واقعات بروایت صحیحہ انہی سے ہم کو معلوم ہوئے (صحیح بخاری، وفات النبی وکتاب الفرائض وغزوہ خیبر وصحیح مسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ)

تاریخ اسلام کے متعلق تو ان کے معلومات ذاتی مشاہدات پر مبنی تھے لیکن عرب جاہلیت کے حالات انہوں نے کس سے سُنے، ایک حدیث کی سند پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیض ان کو اپنے پدر بزرگوار سے پہنچا تھا، ان کے ایک شاگرد ان سے کہتے ہیں،

لا اعجب من علمك	آپ کے تاریخ عرب کے متعلق معلومات
..... ایام العرب اقول ابنۃ	پر مجھ کو تعجب نہیں، میں کہتا ہوں کہ
ابی بکر۔	ابوبکر کی بیٹی ہیں،

ادب | ادب سے مراد عام گفتگو کی خوبی اور نثر کی انشاء پردازی ہے، بہت سی روایتیں اس باب میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ان کے ایک شاگرد موسیٰ بن طلحہ کی روایت ہے کہ،

ما رایت افصح من عائشۃ۔ (مستدرک حاکم ترمذی، مناقب)	حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح اللسان میں نے نہیں دیکھا۔

احنف بن قیس ایک ..... لکھتے ہیں،

ماسمعت الکلام من فم	کسی مخلوق کے منہ کی بات حسن بیان
مخلوق افخم ولا احسن	اور متانت میں حضرت عائشہؓ کے منہ کی
من عائشۃ (مستدرک حاکم)	بات سے عمدہ اور بہتر نہیں سُنی۔

گو حضرت عائشہؓ سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں تاہم یہ محدثین میں مسلّم ہے کہ احادیث

۱؎ صحیح بخاری باب مشرا مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲؎ مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۷ و مستدرک حاکم۔

بالفاظہا بہت کم محفوظ ہیں، بایں ہمہ پوری حدیث میں ایک فقرہ بھی اگر ان کی زبان کا محفوظ رہ گیا ہے تو اس نے پوری حدیث میں جان ڈال دی ہے، حدیث بدء وحی میں فرماتی ہیں کہ ابتدؑ آپ کو رویائے صادقہ ہوتا تھا، اس موقع پر فرماتی ہیں فسادا ای رویا الا جاءت مثل فلق الصبح، آپ جو خواب دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا، آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو پیشانی عرق آلود ہو جاتی تھی، اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں مثل الجمان "پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے" جب لوگوں نے معاذاللہ ان پر تہمت رکھی ہے، تو اس کرب اور بے چینی میں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس مفہوم کو اس طرح ادا فرماتی ہیں فی اکتحل بنوؑ "میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا"۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی ام زرع کا جو اخلاقی قصہ مذکور ہے، اس کی عبارت کا ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ عرب کی زبان اور ان کی تشبیہات و استعارات کا خالص نمونہ ہے، اہل ادب نے صرف ایک صفحہ کی عبارت کی شرحیں لکھی ہیں اور اس پر حواشی چڑھاتے ہیں۔

تعلیم کے عنوان میں ابھی آئے گا کہ وہ اپنے شاگردوں کی زبان اور طرزِ ادا اور صحتِ تلفظ کی نگرانی کرتی تھیں۔

خطابت خطابت یا قوتِ تحریر عربوں کی آزاد طبیعتوں کا فطری جوہر ہے، مردوں سے گزر کر یہ ملکہ عورتوں تک میں موجود تھا، اسلام کے ابتدائی قرنوں میں جب مسلمانوں میں عربیت کی روح زندہ تھی، ان میں بڑی بڑی پُرزور مقررہ اور خطیبہ گزری ہیں، احمد بن ابی طاہر المتوفی ۲۸۰ھ نے بلاغات النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں اس زمانے کی مسلمان عورتوں کی تقریریں اور خطبے قلم بند کئے ہیں، اس میں حضرت عائشہؓ کی تقریریں بھی ہیں، طبری میں ان کی وہ تقریریں ہیں جو جنگِ جمل کے میدانوں میں انھوں نے کی تھیں، ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں ان کی ایک تقریر نقل کی ہے۔

احنف بن قیس تابعی بصری جنھوں نے غالباً بصرہ میں حضرت عائشہؓ کی تقریریں سُنی ہوں گی، کہتے ہیں، میں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور اس وقت تک کے تمام خلفاء کی تقریریں سُنی ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے منہ سے جو بات نکلتی تھی، اس میں یہ خوبی اور بلندی ہوتی تھی وہ کسی کے کلام میں نہیں ہوتی تھی۔[1] میری رائے میں احنف کا یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں، اس میں خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے، ایک عورت کی تقریر اور وہ بھی میدانِ جنگ میں، یقیناً مؤثر ہوتی ہوگی، بہرحال اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی فصیح البیان مقررہ تھیں، حضرت معاویہ کا قول ہے کہ میں نے عائشہؓ سے زیادہ بلیغ، زیادہ فصیح البیان اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا، موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح البیان میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[2]

ایک مقرر کے لئے حسنِ گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ آواز میں بلندی اور لہجہ میں رفعت اور جلالت ہونی ضرور ہے، حضرت عائشہؓ کی آواز اسی قسم کی تھی، طبری میں ہے،

فتکلمت عائشۃ و کانت جھوریۃ یعلو صوتھا کثرۃ کانہ صوت امرأۃ جلیلۃ	پھر حضرت عائشہؓ نے تقریر کی، وہ بلند آواز تھیں، ان کی آواز اکثر لوگوں پر غالب آجاتی تھی گویا کہ وہ ایک صاحب جلال خاتون کی آواز تھی،

(صفحہ ۳۱۱۹ یورپ)

جنگِ جمل کے تذکرہ میں ہم نے ان کی چند تقریریں نقل کی ہیں، گو ترجمہ سے اصل شان ظاہر نہیں ہو سکتی، تاہم ان سے جوشِ بیان اور زورِ کلام کا اندازہ ہوگا۔

شاعری اسلام سے پہلے عرب کی علمی کائنات جو کچھ تھی، وہ شاعری تھی، ایک عرب شاعر جب اپنی زبان کے جوہر دکھاتا تھا تو کہیں آگ لگا دیتا تھا اور کہیں آبِ حیات برسا دیتا تھا، یہ وصف

---

[1] مستدرک ذکر عائشہؓ و امام احمد فی کتاب الزہد [2] زرقانی بر مواہب جلد ۳ ص ۲۶۷ بحوالہ طبرانی، دوسری روایت برجال الصحیح مروی ہے۔

صرف مردوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ عورتیں بھی اس میں داخل تھیں، اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی سو برس تک مسلمانوں میں عربیت کا جوہر باقی رہا، سینکڑوں عورتیں شعر وسخن میں وہ کمال رکھتی تھیں کہ اب تک ان کا کلام عرب کی شاعری کی زینت ہے۔

حضرت عائشہؓ اسی عہد میں پیدا ہوئی تھیں، ان کے پدر بزرگوار عرب میں شعر وسخن کے جوہری[1] تھے، اس لئے یہ فن آغوشِ پدر ہی میں انھوں نے سیکھا، ان کے شاگرد کہا کرتے تھے، کہ ہم کو آپ کی شاعری پر تعجب نہیں، اس لئے کہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں[2]۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا ایک قصیدہ میں کم و بیش چالیس[3] شعر تھے، ایک صاحب نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی موقع پر شعر پڑھتے تھے، بولیں[4] ہاں عبد اللہؓ بن رواحہ کے بعض اشعار پڑھتے تھے، مثلاً:

ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد — جس کو زادِ راہ دے کر تم نے نہیں بھیجا وہ خبریں لیکر آئیگا۔[5]

ابوکبیر ہذلی ایک جاہلی شاعر تھے، اس نے اپنے سوتیلے بیٹے تابط شرّا کی تعریف میں اشعار کہے تھے، ان میں سے دو شعر یہ ہیں،

ومُبرّءٍ من کل غبر حیضۃ — وفساد مرضعۃ وداء مُغیل

وہ اپنی ماں کے تمام عوارضِ شکم سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے

واذا نظرت الی اسرۃ وجھہ — برقت کبرق العارض المتھلل

اور جب تم اسکے چہرہ کی لکیروں کو دیکھو تو وہ برستے بادل کی چمکتی ہوتی بجلیوں کیطرح چمکتی ہوئی نظر آئیں۔

حضرت عائشہؓ نے یہ دونوں شعر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ کر عرض کی یارسول اللہ

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۶۷، مستدرک حاکم، ذکر عائشہؓ، استیعاب واصابہ ذکر حسان بن ثابت [2] مسند و مستدرک بحوالہ سابق [3] ادب المفرد امام بخاری باب الشعر حسن کحسن الکلام [4] ایضاً [5] سبعہ معلقہ میں یہ مصرع طرفہ کے قصیدہ میں داخل ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شعروں کے زیادہ مستحق تو آپ ہیں، آپ یہ سن کر مسرور ہوئے۔[1]

احادیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ کی زبانی بہت سے اشعار مروی ہیں، ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا وطن سے باہر انتقال ہوا تھا، لاش مکہ معظمہ لاکر دفن کی گئی جب مکہ معظمہ آنے کا اتفاق ہوا، بھائی کی قبر پر آئیں، اس وقت ایک جاہلی شاعر کے یہ شعر ان کی زبان پر تھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

ہم مدت تک بادشاہ وجذیمہ کے دونوں مصاحبوں کی طرح ایک ساتھ رہے یہانتک کہ لوگ کہنے لگے اب ہرگز علیحدہ نہ ہونگے

فلما تفرقنا کانی و مالکا — لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

جب ہم علیحدہ ہوگئے تو گویا میں نے اور مالک نے طول اجتماع کے باوجود ایک شب بھی ساتھ بسر نہیں کی۔

مہاجرین کو مدینہ کی آب وہوا ابتداءً راس نہ آئی، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ اور حضرت بلالؓ مدینہ آکر بیمار پڑ گئے، اس غربت اور بیماری میں وطن کی یاد ان کو بےچین کر دیتی تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ دونوں صاحب حسرت سے وطن کی یاد میں شعر پڑھتے حضرت ابو بکرؓ کو جب زور سے بخار چڑھتا، کہتے۔[2]

کل امرء مصبح فی اھله — والموت ادنی من شراك نعله

ہر شخص اپنے اہل وعیال میں مرتا ہے اور موت اس سے اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہے۔

حضرت بلالؓ کو جب ذرا سکون ہوتا، چلا کر یہ شعر پڑھتے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة — بوادو حولی اذخر و جلیل

کاش معلوم ہوتا کہ میں کوئی شب اب مکہ کی وادی میں بسر کرونگا، اور میرے اردگرد اذخر و جلیل کی گھاسیں ہوں گی

---

[1] حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں یہ واقعہ اور یہ شعر نقل کئے ہیں۔ ص ۲۷۷ مصر۔

[2] ترمذی فی زیارۃ مقبور للنساء، صحیح بخاری باب ہجرۃ۔

وهل اردن یوماً میاہ مجنۃ — وهل یبدون لی شامۃ وطفیل

یا مجنہ کے چشمہ پر میرا بھی گزر ہوگا، اور کیا شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں اب مجھے کبھی نظر آئیں گی۔

حضرت عامر بن فہیرہ سے خیریت پوچھی تو انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

انی وجدت الموت قبل ذوقہ — ان الجبان حتفہ من فوقہ

میں نے موت کو اس کا مزہ چکھنے سے پہلے پایا، نامرد کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔

غزوہ بدر میں قریش کے بڑے بڑے صنادید مارے گئے تھے اشعرائے قریش نے ان کا پُر درد مرثیہ لکھا تھا، چند شعر حضرت عائشہؓ کی زبانی محفوظ رہ گئے ہیں۔

وماذا بالقلیب بدر — من القینات والشرب الکرام

بدر کے کنوئیں میں کیا کیا ناچنے والیاں — اور شریف مے خوار پڑے ہیں

تحیی بالسلامۃ ام بکر — وهل لی بعد قومی من سلام

اے بکر کی ماں سلامتی کی مبارک باد دے کیا میرے لئے میری قوم کی موت کے بعد کوئی سلامتی ہو

یحدثنا الرسول بان سنحی — وکیف حیاۃ اصداء وھام

رسول ہم سے کہتا ہے کہ ہم زندہ کئے جائیں گے صدی اور ھام کی زندگی کیونکر ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی عورت آیا کرتی تھی اور اکثر یہ پڑھا کرتی تھی۔

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا — الا انہ من بلدۃ الکفر انجانی

اور دن ہمارے خدا کے تعجبات میں سے تھا لیکن شکر ہے کہ اس نے کفر کی آبادی سے نجات دی

حضرت سعدؓ بن معاذ غزوۂ خندق میں جو رجز پڑھتے تھے، وہ حضرت عائشہؓ کو یاد تھا

---

۱ مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۵ ۲ صحیح بخاری باب الہجرۃ ۳ عربوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد روح چڑیا بن کر اڑ جاتی ہے اور آواز دیتی ہے ۴ صحیح بخاری ذکر جاہلیہ۔

لیت قلیلاً یدرك الهیجا جمل　　　ما احسن الموت اذا حان الاجل

کاش کہ تھوڑی دیر میں اونٹ کو پالیتا، موت کتنی پیاری ہے جب موت کا وقت آگیا

انصار کی عورتیں شادیوں میں یہ اشعار گاتی تھیں،

واھدیٰ لھا اکبشا　　　تبحبح فی المربد

وزوجك فی النادی　　　ویعلم ما فی غدٍ

مشرکین قریش نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصائد کہے تو مسلمان شعراء نے ان کا کیونکر جواب لکھا، یہ ہم کو صرف حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔

ام المومنین بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو لکھو کہ یہ حملہ تیر کی زد سے بھی زیادہ ان پر کارگر ہوگا، حضرت ابن رواحہؓ شاعر تھے، ان کو یہ پیغام بھیجا، انھوں نے چند شعر کہے لیکن آپ کو پسند نہ آئے، اس کے بعد حضرت کعب بن مالک کو حکم دیا کہ وہ جواب لکھیں اور آخر میں حضرت حسانؓ کی باری آئی، وہ حاضر ہوئے اور عرض کی آخر اس شیر کی ضرورت پیش آئی، پھر گذارش کی کہ یا رسول اللہ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میں ان کو اس طرح ادھیڑ دوں گا جس طرح لوگ چمڑے کو ادھیڑتے ہیں، فرمایا۔ ابھی عجلت سے کام نہ لو، ابوبکر تمام قریش میں قریش کے نسب ناموں سے زیادہ واقف ہیں، میری بھی اس سے قرابت ہے، میرے رشتہ کو ان سے اچھی طرح سمجھ لو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس وہ جاکر رشتوں کے پیچ وخم کو سمجھ آئے اور آکر عرض کی یا رسول اللہ میں سمجھ آیا، اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میں آپ کو ان سے اس طرح کھینچ لوں گا جس طرح آٹے کے خمیر سے لوگ بال کھینچ لیتے ہیں، اس پر حضرت حسانؓ نے وہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر ہے۔

وان سنام المجد من آل ھاشم　　　بنو بنت مخزوم ووالدك العبد

آل ہاشم کی بزرگی کا کوہان مخزوم کے نواسے ہیں اور تیرا باپ غلام تھا۔

۱؎ مسند احمد جلد ۶، ص ۱۴۱ ۲؎ معجم صغیر طبرانی باب الحاء۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپ کو کہتے سنا ہے کہ "حسان! جب تک تم خدا اور رسول کی مدافعت کرتے رہو، روح القدس کی امداد تمہارے ساتھ رہے۔" اور یہ بھی روایت کرتی ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ "حسان نے ان کا جواب دے کر غم سے آزاد کیا۔" اس کے بعد اُم المومنین نے قصیدہ کے یہ شعر سناتے:-

هجوت محمدا فاجبت عنه　　عند الله فی ذاك الجزاء

تم نے محمد کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا، خدا کے پاس میرے اس کام کی جزاء ہے

هجوت محمدا برًّا حنیفا　　رسول الله شیمته الوفاء

تم نے محمد کی ہجو کی جو نیک دیندار　　خدا کا پیغمبر ہے اور اس کی خصلت وفاداری ہے

فان ابی ووالده وعرضی　　لعرض محمد منكم وقاء

میرے باپ دادا اور میری عزت وآبرو　　محمد کی عزت تم سے بچانے کیلئے سپر ہے

ثکلت بنیتی ان لم تروها　　تثیر النقع من کنفی کداء

میں اپنی دادا کو رودوں اگر تم اسلام کے لشکر کو نہ دیکھو کداء کے دونوں کناروں سے گرد اڑاتے

یبارین الاعنة مصعدات　　علی اکتافها الاسل الظماء

اونٹنیاں جو مہاروں میں ناز کرتی بلند زمین پر چڑھتی جاتی ہیں ان کے بازوؤں پر پیاسے نیزے رکھے ہیں۔

تظل جیادنا متمطرات　　تلطمهن بالخمر النساء

ہمارے گھوڑے برستے بادل کی طرح رواں ہیں اور بیویاں اپنی اوڑھنیوں سے ان کے منہ سے گرد وغبار جھاڑتی ہیں

فان اعرضتم عنا اعتمرنا　　وكان الفتح وانكشف الغطاء

اگر اے قریش تم نے انکار کیا تو ہم عمرہ ادا کریں گے، اور فتح ہوگی اور پردہ کھل جائے گا۔

والا فاصبروا لضراب یوم　　یعز الله فیه من یشاء

ورنہ اس دن کے حملہ کے لئے صبر کرو　　جس میں خدا جس کو چاہے گا عزت دیگا

وقال اللہ قد یسرت جندا   هم الانصار عرضتها اللقاء

خدا نے کہہ دیا ہے کہ میں نے اس لشکر کو آسان کر دیا ہے جو انصاری ہیں اور جن کا پیشہ میدان جنگ کی ملاقات ہے

لنا فی کل یوم من معدٍّ   سباب او قتال او هجاء

ہم لوگوں کو ہر روز معد کے قبیلوں سے   گالی گفتہ کرنا ہے یا لڑنا ہے یا ہجو کرنا ہے

فمن یهجو رسول اللہ منکم   ویمدحه وینصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرے   یا مدح کرے اور مدد دے، برابر ہے

وجبریل رسول اللہ فینا   وروح القدس لیس له کفاءُ[1]

جبریل خدا کا ہمارے درمیان پیغمبر ہے   اور پاکیزگی کی روح جس کی کوئی نظیر نہیں

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مدینہ کی بدامنی کا حال ان کو معلوم ہوا تو ان کی زبان پر یہ شعر تھا[2]،

ولو ان قومی طاوعتنی سراتهم   لانقذتهم من الحبال او الخبل

اگر میری قوم کے سردار میرا کہا مانتے   تو میں ان کو اس فریب اور بربادی سے نکال لاتی

سرسبز اور آباد راستوں کو چھوڑ کر جب بصرہ پہنچیں تو یہ دو شعر پڑھے[3]:

دعی بلاد جموع الظلم اذ صلحت   فیها المیاه وسیری سیر مذعور

اہل ظلم کی آبادیوں کو چھوڑ دے کہ ان کے   تالاب اچھے ہیں اور خوف زدہ کی چال چل

تخیری النبت فارعی ثم ظاهرة   وبطن واد من الضماد ممطور

اس گھاس کو پسند کر پھر وہاں دھوپ میں چر، ضماد کے سرسبز میدان میں

جنگ جمل میں بعض بہادروں نے جو رجز پڑھے تھے، وہ ان کو یاد تھے، ایک دفعہ ان کو پڑھ کر بہت روتی تھیں، وہ رجز کے شعر یہ تھے[4]:

---

[1] یہ واقعات اور اشعار صحیح مسلم مناقب حسان میں مذکور ہے [2] طبری ص ۳۰۹۹ طبع بریل [3] ایضاً ص ۳۱۰۵ بریل [4] طبری ۳۲۰۱ بریل۔

یا امنا یا خیر ام نعلم   اما ترین کم شجاع یکلم

اے ہماری ماں اے ہماری سب سے اچھی ماں جس کو ہم جانتے ہیں آپ نہیں دیکھتیں کہ اتنے بہادر زخمی ہوتے

وتختلی هامته والمعصم

اور سر اور ہاتھ گھاس کی طرح کاٹے گئے۔

حضرت عائشہؓ کے اس ذوق شاعری اور سخن فہمی کو دیکھ کر شعرا ان کو اپنا کلام سناتے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ جو انصار میں شاعری کے مسلم الثبوت استاد تھے، گو واقعہ افک میں شرکت کے باعث حضرت عائشہؓ کو ان سے ملول خاطر ہونا چاہیئے تھا، تاہم وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سناتے تھے[1] حضرت عائشہؓ ان کی تعریف کرتی تھیں اور ان کے مناقب بیان فرماتی تھیں[2]۔ ان کے علاوہ دربار نبوت کے دوسرے شاعر حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے نام بھی اس سلسلہ میں لیتی تھیں[3]۔

حدیث میں آیا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے، یہ حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے لیکن چونکہ اس سے شاعری کی مذمت ثابت ہوتی ہے، اس لئے بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث جب حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا، ابوہریرہؓ کو حدیث محفوظ نہیں رہی، آپ نے فرمایا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ ان اشعار سے بھرا ہو جو میری ہجو میں کہے گئے ہیں[4]، اس حدیث کا راوی کلبی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے، چونکہ اس کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عائشہؓ نے صحابہ پر استدراک کیا ہے، اور نیز ان کو شاعری سے بھی ذوق تھا اس لئے اس حدیث کیلئے اس کو حضرت عائشہؓ سے بہتر نام نہیں مل سکتا تھا، لیکن محدثین نے تصریح کی ہے کہ حدیث موضوع ہے[5]۔

اصل یہ ہے کہ شاعری فی ذاتہ نہ خیر ہے نہ شر، وہ کلام کی ایک قسم ہے، کلام کا حسن و قبح

---

[1] ایضاً [2] صحیح بخاری مناقب حسانؓ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ادب المفرد امام بخاری باب الشعر۔

[4] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ ابوعروبہ و ابومنصور بغدادی ص ۲۰ [5] موضوعات شوکانی ص ۱۰۴۔

وزن شعری پر نہیں، بلکہ ان مضامین اور مطالب پر موقوف ہے جو اس میں ادا کئے گئے ہوں، اگر مضمون تقویٰ اور ثقافت کے خلاف نہیں تو شعر میں بھی برائی نہیں ورنہ وہ اخلاق کے چہرہ کا داغ اور انسان کی زبان کا عیب ہے، یہ سب کچھ شاعری ہی پر موقوف نہیں بلکہ نثر کا بھی یہی حال ہے، امام بخاری نے ادب المفرد میں شاعری کے حسن و قبح کے متعلق بعینہٖ یہی فیصلہ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے، فرماتی ہیں:

الشعر منه حسن و منه قبیح — بعض اشعار اچھے ہوتے ہیں اور بعض
خذ بالحسن ودع القبائح۔ — برے ہوتے ہیں اچھے لیلو اور برے چھوڑ دو

اسی بنا پر حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، بڑا گنہگار وہ شاعر ہے جو تمام قبیلہ کی ہجو کرے۔[1] یعنی صرف ایک دو شخص کی برائی کے سبب سے قبیلہ کے قبیلہ کو برا کہہ دینا ایک اخلاقی لغزش اور شاعری کا بے جا استعمال ہے،

تعلیم، افتاء اور ارشاد

تعلیم

علم کی خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے، اور اس سے تزکیہ نفوس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ فلیبلغ الشاهد الغائب جو حاضر ہو وہ غائب تک پہنچائے، کیا حضرت عائشہؓ نے یہ فرض ادا کیا؟ ہم نے اس کا جواب تعلیم، افتاء اور ارشاد کے تین بابوں میں دیا ہے۔

علم کی اشاعت اور تعلیم جو مردوں کی مخصوص صفت قرار دیتے ہوں وہ آکر دیکھیں کہ

[1] یہ تینوں حدیثیں ادب المفرد، امام بخاری باب الشعر میں ہیں، ابو یعلیٰ کی مسند عائشہؓ میں بھی دوسری حدیث مروی ہے۔

حرمِ نبوت کی یہ شمع مبارک اس بزم میں بھی کس طرح جلوہ فروز ہے،

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لئے پھیل گئے تھے، مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی، خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۰ برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا، تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مٹ نہ سکی مدینہ پاک میں اس وقت حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کی مستقل درس گاہیں قائم تھیں، لیکن درسگاہِ اعظم مسجد نبویؐ کا وہ گوشہ تھا جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجۂ رسول کے مسکن کے پاس تھا۔

لڑکے، عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہؓ سے پردہ نہ تھا، وہ حجرہ کے اندر آکر مجلس میں بیٹھتے تھے اور لوگ حجرہ کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھتے، دروازہ پر پردہ پڑا رہتا، پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں، لوگ سوالات کرتے، یہ جوابات دیتیں، کبھی کوئی سلسلۂ بحث چھڑ جاتا، اور استاد شاگرد اس خاص موضوع پر گفتگو کرتے، کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں، اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے۔ اپنے شاگردوں کی زبان، طرزِ ادا اور صحت تلفظ کی بھی سخت نگرانی کرتی تھیں، ایک دفعہ قاسم اور ابن ابی عتیق کہ دونوں بھتیجے تھے، مگر دو ماؤں سے تھے، خدمت بابرکت میں پہنچے، قاسم کی زبان صاف نہ تھی، اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے، جیسی میرا یہ برادر زادہ بولتا ہے ہیں سمجھ گئی، اس کو اس کی ماں نے اور تم کو تمہاری ماں نے تعلیم دی ہے قاسم کی ماں کنیز تھیں،

(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الاجنبیین)

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، وہ

ہ مسند جلد ۶ ص ۷۲ و ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۲۹ ہ مسند جلد ۶ ص ۷۵۔

خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں کو، اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ غیر لڑکوں کو جو بڑے ہو چکے ہوں، اپنی بہنوں اور بھانجیوں سے دودھ پلواتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن کر ان کو اندر آنے کی اجازت دیتی تھیں[1]، جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی، یعنی محرم نہ تھے، وہ افسوس کرتے تھے کہ ہم کو حصولِ علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا، قبیصہ کہتے تھے کہ عروہ مجھ سے علم میں اس لئے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے[2]، امام نخعی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے، وہ لڑکپن[3] میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے[4]، ان کے دوسرے معاصرین کو ان پر رشک تھا۔

معمول تھا کہ ہر سال حج کو جاتیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاتا تھا، کوہِ حرا اور ثبیر کے درمیان حضرت عائشہؓ کا خیمہ نصب ہوتا[5]، تشنگانِ علم جوق در جوق دور دراز ممالک سے آکر حلقۂ درس میں شریک ہوتے[6]، مسائل پیش کرتے تھے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے، لوگ بعض مسائل کو پوچھتے جھجکتے تو وہ ڈھارس بندھاتیں، ایک صاحب ایک بات پوچھنا چاہتے تھے لیکن شرماتے تھے آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے، مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو[7]، یہی واقعہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ گزرا، ان کو بھی یہی جواب دیا[8]، میں تو تمہاری ماں ہوں، درحقیقۃً وہ اپنے شاگردوں کی ماں ہی بن کر تعلیم دیتی تھیں، عروہ، قاسم، ابوسلمہ، مسروق، عمرہ اور صفیہ کی تعلیم و تربیت بخوبی

---

[1] صحیح مسلم کتاب رضاعۃ الکبیر و مسند ابن حنبل ۶، ص ۲۷۰، اس مسئلہ میں جیسا کہ پہلے اوپر گزر چکا (ص ۱۴۸) بشرہ حضرت عائشہؓ منفرد نہیں [2] تہذیب ابن حجر، ترجمہ عائشہؓ [3] تذکرۃ ذہبی، ترجمہ ابراہیم نخعی [4] مسند جلد ۶ ص ۲۷، [5] ابن سعد جزء مدنیین ص ۲۱۸ میں جائے قیام کوہ ثبیر اور حرا کے بیچ میں بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۹ میں وادی ثبیر کے جوف میں جگہ بتائی گئی ہے [6] ابن سعد جزء اہل مدینہ ص ۲۰۸ [7] مسند جلد ۶ ص ۶۷ و بخاری جلد ص ۲۲ [8] مسند جلد ۶ ص ۹۰ [9] موطا امام مالک باب الغسل،

نے اسی مادرانہ شفقت کے ساتھ کی تھی، بلکہ ایسے بچوں کو متبنیٰ کر لیتی تھیں، اور ان کے مصارف کی بھی خود ذمہ دار ہوجاتی تھیں، وہ اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ ان کے عزیزوں کو رشک آتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو اُن کے چہیتے بھانجے تھے، وہ اپنی خالہ کے ایک شاگرد اسود سے کہتے ہیں کہ ام المومنین تم سے جو راز کی باتیں کہتی تھیں، مجھے بھی بتاؤ؟[1]

اُن کے شاگرد بھی ویسی ہی ان کی عزت کرتے تھے، عمرہ انصاریہ تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ کو وہ خالہ کہتی تھیں[2]، مسروق بن اجدع تابعی کو انھوں نے متبنیٰ کر لیا تھا، وہ ان کا نام اس طرح لیتے تھے۔ الصدیقة بنت الصدیق حبیبة حبیب اللّٰہ المبرأة من السماء۔

مستفیدین اور تلامذہ کی تعداد کم نہ تھی، مسند ابن حنبل میں حضرت عائشہؓ کی سب سے زیادہ حدیثیں ہیں، ان حدیثوں کو جن لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے، میں جہاں تک گن سکا ہوں، ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تک پہنچتی ہے، ان میں مرد و عورت، صحابی و تابعی، غلام و آزاد عزیز و بیگانہ، ہر صنف کے اشخاص داخل ہیں، ابو داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ جو امام بخاری سے مقدم تھے، انھوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد کی روایتیں الگ الگ اس کے نام سے لکھی ہیں، لیکن یہ مسند مختصر ہے، اس لئے حدیثیں بھی کم ہیں، ابن سعد نے طبقۂ اہل مدینہ میں ان کے شاگردوں کو گنایا ہے اور ان کے حالات لکھے ہیں، ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عزیزوں، غلاموں، صحابیوں اور تابعیوں کی الگ الگ فہرست دی ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حسب ذیل اشخاص ہیں،

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عمر بن العاص، حضرت زید بن خالد جہنی، ربیعہ بن عمرو الجرشی، سائب بن یزید، حارث بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، غلاموں میں ابویونس، ذکوان، ابوعمرو، اور ابن فرخ کا نام تو تہذیب ہی میں

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۷ [2] تذکرۃ ذہبی ترجمۂ مسروق [3] تذکرۃ ذہبی تہذیب ابن حجر ترجمۂ مسروق۔

ہے، ان کے علاوہ ابو مدنہ[1] مولیٰ عائشہؓ کا ذکر ترمذی میں ہے[2] اور ابو لبابہ مروان کا ابن سعد میں ہے[3]، ابو یحییٰ اور ابو یوسف کا نام مسند میں ہے[4]، ان غلاموں میں ذکوان اور ابو یونس زیادہ مشہور ہیں، مسند میں عبد اللہ بن یزید رضیع[5] عائشہؓ کا ذکر ہے، رجال کی کتابوں میں بھی اسی قدر مذکور ہے، ان بزرگ کا زیادہ حال معلوم نہیں۔

عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکران کی بہن، عوف بن حارث رضاعی بھائی، قاسم بن محمد اور عبد اللہ بن محمد دونوں بھتیجے، حفصہ بنت عبد الرحمٰن اور اسماء بنت عبد الرحمٰن دونوں بھتیجیاں، اور عبد اللہ بن عتیق بن محمد عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ، ان کے بھائی کے پرپوتے، عبد اللہ بن زبیر اور قاسم بن زبیرؓ دونوں بھانجے، اور عائشہ بنت طلحہ، ان کی بھانجی، اور عباد بن حبیب اور عباد بن حمزہ بھانجے کے پوتے، ان کے علاوہ اور بہت سے اعزہ و اقارب کے لڑکے ان کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے ابن سعد میں ان کی تفصیل ہے۔

تابعین میں سے اس عہد کے تمام علمائے حدیث ان کے خوشہ چیں ہیں، ڈیڑھ دو سو نام ہم نے مسانید سے چھانٹے ہیں، سب کی تفصیل کے لئے کئی صفحوں کی ضرورت ہوگی اس لئے قلم انداز کرتے ہیں، ان میں صرف عورتوں کے نام لکھتے ہیں کہ ان پردہ نشینوں کو اس پردۂ حرم کے علاوہ کہیں اور بیٹھنے کا موقع نہ ملے گا،

---

[1] باب ما جاء فی کلام احب الی اللہ ص ۵۹۷، [2] جزء اہل مدینہ ذکر موالی [3] ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۸، [4] ایضاً ص ۶۷۔

[5] ایضاً ص ۱۳۲۔ ان کے نام کے ساتھ ہمیشہ رضیع عائشہؓ لکھا جاتا ہے، رضیع عائشہ کے معنی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پلایا ہوا بچہ، اس سے مقصود یہی ہوگا کہ ان کے حکم سے ان کی بہن بھانجی نے دودھ پلایا ہوگا۔ مگر اس کی تصریح مجھے نہیں ملی،

ا

اسمار بنت عبدالرحمن۔

ب

بریرہ مولاۃ عائشہ، بنانہ بنت یزید
بنانہ مولاۃ عبدالرحمن، بہیئہ۔

ت

تبالہ بنت یزید البشمیہ۔

ج

جسرۃ۔

ح

حفصہ بنت عبدالرحمن۔

خ

خیرہ حسن بصری کی ماں۔

ذ

ذفرہ۔

ر

رمیثہ۔

ز

زینب بنت ابی سلمہ، زینب بنت محمد
زینب بنت نصر۔

س

سائبہ، سلمیٰ البکریہ، سمیتہ البصریہ۔

ش

شمیسہ۔

ص

صفیہ بنت الحارث، صفیہ بنت
شیبہ، صاحبۂ عائشہ، صفیہ بنت
عبیدہ، صفیہ بنت عطیہ۔

ع

عائشہ بنت طلحہ، عمرۃ بنت عبدالرحمن،
عمرۃ بنت قیس العدویہ۔

ف

فاطمہ بنت ابی حبیش۔

ق

قمیر بنت عمیر الکوفہ۔

ک

کریمہ بنت ہمام، کلثم بنت عمرو صاحبۂ
عائشہ رضی اللہ عنہا۔

م

معاذہ، میمونہ بنت عبدالرحمن۔

ھ	
ہنید، ہنیدہ	کنی ام عاصم
کنی ام بکر	″ ام علقمہ
″ ام جحدر	″ ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیقؓ
″ ام حمیدہ	″ ام کلثوم بنت ثمامہ
″ ام الدرداء	″ ام کلثوم اللیثیہ
″ ام ذرہ مولاۃ عائشہؓ	″ ام محمد
″ ام سالم	″ ام عبد اللہ
″ ام سعیدہ	″ ام ہلال

ان تمام مستفیدین اور مسترشدین میں وہ ارباب کمال جو حضرت عائشہؓ ہی کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوئے اور حلقۂ محدثین میں وہ اسی حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے خزانۂ علم کے کلید بردار سمجھے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

عروہ حضرت زبیرؓ کے بیٹے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کے فرزند، حضرت عائشہؓ کے بھانجے، خالہ کے بڑے پیارے تھے، انہی کی گود میں پرورش پائی مدینہ میں فضل و کمال کے تاجدار تھے، امام زہری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، فن سیرت میں امام سمجھے جاتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے مرویات اور فقہ و فتاوی کا عالم ان سے بڑا اور کوئی نہ تھا۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

قاسم بن محمد، محمد بن ابی بکرؓ کے بیٹے، حضرت ابو بکرؓ کے پوتے، حضرت عائشہؓ کے بھتیجے یہ بھی اپنی پھوپھی ہی کے آغوش تربیت میں پلے تھے، بچپن سے مذہبی تعلیم پائی تھی، بڑے ہو کر مدینہ کے امام الفقہ ہوئے، مدینہ میں فقہائے سبعہ کی جو مجلس تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، ایک ایک حرف کی احتیاط کرتے تھے ۱۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابو سلمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے فرزند تھے، کم سنی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش کی، یہ عروہ کے ہمسر سمجھے جاتے تھے، مدینہ کی بارگاہ علمی کے ایک مسند نشین یہ بھی ہیں، بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایتیں کی ہیں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

مسروق کوفی تھے، لیکن باہمی خانہ جنگیوں میں شریک نہ ہوئے، ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا، ابن سعد میں ہے کہ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو ام المومنین نے ان کے لئے شربت بنوایا کہ میرے بیٹے کے لئے شربت بناؤ، حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے کہا کہ اگر بعض باتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ام المومنین کے لئے ماتم کی مجلس برپا کرتا، ابن حنبل نے مسند میں اور بخاری نے جامع میں حضرت عائشہؓ سے ان کی اکثر روایتیں لکھی ہیں، فقہائے عراق میں شمار ہوتے تھے، بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے، کوفہ میں قضا کی خدمت انجام دیتے تھے لیکن معاوضہ نہیں لیتے تھے ۶۳ھ میں وفات پائی۔

عورتوں میں سب سے پہلے عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا نام لینا چاہیئے، یہ مشہور صحابہ اسعدؓ بن زرارہ انصاری کی پوتی تھیں، عورتوں میں حضرت عائشہؓ کی تعلیم و تربیت کی سب سے بہتر مثال ہیں، محدثین ان کا نام عظمت سے لیتے تھے، ابن المدینی کا قول ہے جس کو صاحب تہذیب نے نقل کیا ہے۔

عمرة احد الثقات العلماء بعائشة الاثبات فيها۔	عمرہ حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کی ثقہ اور مستند جاننے والوں میں ایک تھیں۔

اسی کتاب میں ابن حبان کا قول ہے۔

كانت من اعلم الناس بحديث عائشة۔	حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کو سب سے بہتر جانتی تھیں۔

سفیان کہتے ہیں۔

اثبت حدیث عائشۃ حدیث	حضرت عائشہؓ کی مستند ترین حدیث وہ ہے
عمرۃ والقاسم وعروۃ۔	جو عمرہ، قاسم اور عروہ کی حدیث ہو۔

ام المومنین ان سے بڑی محبت کرتی تھیں، اسی کا اثر تھا کہ لوگ بھی ان کی خاطر داری کرتے تھے[1] امام بخاری کی روایت کے مطابق وہ ام المومنین کی میر منشی تھیں، لوگ انہی کے توسط سے تحفے اور خطوط حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجتے تھے[2] ابوبکر بن محمد قاسم بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے احادیث کی جمع وتحریر کا حکم دیا تھا وہ انہی کے بھتیجے تھے اور اسی بناء پر اس خدمت کے لئے ان کا انتخاب ہوا تھا، چنانچہ اس فرمان کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ عمرہ کی تمام حدیثیں لکھ کر بارگاہِ خلافت میں بھیجی جائیں[3] پھوپھی اپنے قاضی بھتیجے کی اجتہادی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھیں[4]۔ امام زہری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تو ایک محدث نے کہا اگر تم کو علم کی حرص ہے تو میں تم کو اس کا خزانہ بتاؤں۔ عمرہ کے پاس جاؤ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش پروردہ ہیں، زہری کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان کو اتھاہ سمندر پایا[5]۔

صفیہ بنت شیبہ مشہور تابعیہ تھیں، شیبہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے[6] ان کی صاحبزادی تھیں، تمام حدیث کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں، ان کا ذکر احادیث میں صفیہ بنت شیبہ صاحبۃ عائشہؓ، یعنی شیبہ کی لڑکی صفیہ حضرت عائشہؓ کی مخصوص شاگرد، یا حضرت عائشہؓ کی صحبت یافتہ، لوگ ان سے مسائل اور حضرت عائشہؓ کی حدیثیں پوچھنے آتے تھے۔ ابوداؤد (باب الطلاق علی الغلط) میں ہے۔

خرجت مع عدی بن عدی	عدی کندی کے ساتھ میں حج کو نکلا جب
الکندی حتی قدمنا مکۃ فبعثنی	ہم مکہ پہنچے تو مجھ کو صفیہ بنت شیبہ کی خدمت

---

[1] کتاب ادب المفرد بخاری باب مراسلۃ الی النساء [2] ایضاً [3] تہذیب ابن حجر ترجمۂ عمرۃ [4] موطا امام مالک ما لا قطع فیہ [5] تذکرہ ذہبی جلد اول ص ۹۵ [6] مسند جلد ۶ ص ۲۷۶ و ابن سعد جزء نسا۔

الی صفیۃ بنت شیبۃ وکانت حفظت من عائشۃ۔	میں سے نے بھیجی، صفیہ نے حضرت عائشہؓ سے حدیثیں یاد کر رکھی تھیں،

کلثم بنت عمرو القرشیہ، رجال کی کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ بھی صاحبۃ عائشہؓ کا لقب لکھا جاتا ہے، بعض حدیثیں ان سے بھی مروی ہیں،

عائشہ بنت طلحہ حضرت طلحہؓ کی صاحبزادی، صدیق اکبرؓ کی نواسی اور حضرت عائشہؓ کی بھانجی تھیں، خالہ کی گود میں پلی تھیں، ابن معین ان کی نسبت کہتے ہیں ثقۃ حجۃ، عجلی کے الفاظ ہیں۔ مدنیۃ تابعیۃ ثقۃ ابوزرعہ دمشقی کا قول ہے،

حدث عنہا الناس لفضلہا وادبہا۔	لوگوں نے ان کی بزرگی اور ان کا ادب دیکھ کر ان سے حدیث روایت کی،

معاذہ بنت عبد اللہ العدویہ، بصرہ وطن تھا، حضرت عائشہؓ سے تلمذ تھا، احادیث میں ام المومنین کی حدیثیں ان کی زبانی بھی کثرت سے مروی ہیں، بڑی عبادت گزار تھیں، شوہر کی وفات کے بعد بستر پر کبھی نہ سوئیں، ایک دفعہ بیمار پڑیں، طبیب نے نبیذ تجویز کی۔ دوا جب تیار ہوئی۔ نبیذ کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور دعا کی کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے منع فرمایا ہے، پیالہ اسی وقت ہاتھ سے گر پڑا اور وہ اچھی ہوگئیں۔[1]

افتاء

عنوانات سابقہ میں حضرت عائشہؓ کے فضل وکمال کے جو دلائل وشواہد گزرے ہیں ان سے قیاس ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنی زندگی کے بقیہ چالیس برس کس مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت سے بسر کیے ہوں گے، لیکن ہمارے پاس

[1] اس فصل کے تمام حالات کتب رجال خصوصاً ابن سعد اور تہذیب ابن حجر سے ماخوذ ہیں،

خوش قسمتی سے ایسی تحریری شہادتوں کا ذخیرہ بھی موجود ہے جس سے یہ قیاس یقین اور قطعیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، خلفائے اسلام، علمائے صحابہؓ، عام مسلمانان بلاد مشکلات کی حالت میں اسی آستانہ کی طرف رجوع کرتے تھے، محدثین نے کثرت وقلت فتاوی کی بناء پر علمائے صحابہ کے تین طبقات قرار دیئے ہیں، طبقۂ اول جس کے فتاوے اگر مستقلاً علیحدہ علیحدہ جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، طبقۂ دوم میں وہ اشخاص ہیں جن کے الگ الگ فتاویٰ ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں، تیسرے طبقہ کا مجموعۂ فتاویٰ ایک رسالہ کے برابر ہے طبقہ اول میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آخراً زوجۂ رسول، جگر گوشہ صدیقؓ ام المومنین عائشہؓ، ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں کہ اگر ایک جا جمع کئے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔

خلفائے اسلام حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا، اور آخر زمانہ تک بقیہ خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں بھی وہ ہمیشہ اس منصب پر ممتاز رہیں، حضرت قاسم جو صحابہ کے بعد مدینہ کے سات مشہور تابعیوں میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں،

کانت عائشۃ قد استقلت بالفتوی فی خلافۃ ابی بکر وعمر و عثمان وھلم جرا الی ان ماتت رحمہا اللہ۔[۲]	حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے عہد ہی میں مستقل طور سے افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتوے دیتی رہیں

حضرت عمرؓ کہ مجتہد اسلام تھے اس مشکوۃ سے بے نیاز نہ تھے۔

---

[۱] اعلام الموقعین ابن قیم مقدمہ [۲] ابن سعد جزء ۲ قسم ۲ ص ۲۶۔

كانت عائشة تفتي في	حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں
عهد عمر وعثمان بعده	اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں
يرسلان اليها فيسئلونها عن	فتویٰ دیا کرتی تھیں، اور حضرت عمرؓ وحضرت
السنن۔	عثمانؓ ان سے حدیثیں پوچھا بھیجتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مخصوص صحابۂ کبار کے علاوہ اور لوگوں کو افتاء کی اجازت نہ تھی، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کے علم اور واقفیت پر کس درجہ اعتماد تھا امیر معاویہؓ دمشق میں حکومت کرتے تھے، لیکن ضرورت پڑتی تو قاصد شام سے چل کر باب عائشہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر سلطان وقت کے لئے مسائل دریافت کرتا، مواعظ و نصائح کا ذخیرہ چاہتا۔

اکابر صحابہ مدینہ طیبہ اکابر صحابہ کا مرکز تھا۔ خلافت شیخین تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت ابودردا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا شانۂ اسلام کے اساطین علم فتویٰ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی، ان کے بعد نوجوان صحابہؓ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کے سرعسکر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن زبیر، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم تھے، حضرت عائشہؓ اس صغر سنی اور کم عمری کے باوجود جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے اول ہی دور سے اکابر صحابہ کی زندگی ہی میں افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، بڑے بڑے صحابۂ کبار معضلات امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جامع ترمذی میں ہے۔

ما اشكل علينا اصحاب محمد صلى الله	ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی مشکل
عليه وسلم حديث قط فسالنا	مسئلہ پیش نہیں آیا، لیکن عائشہؓ کے پاس

---

۱ حوالہ مذکور ۲ مسند احمد جلد ۶ ص ۸۷ ۳ جامع ترمذی بعد باب ماجاء فی حفظ، ملسان۔

عائشۃ الا وجدنا عندھا علما۔	اس کا علم موجود پایا۔

ابن سعد میں ہے۔

یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	اُن سے بڑے بڑے صحابہ آکر مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

مسروق تابعی قسم کھا کر کہتے تھے۔

لقد رایت مشیخۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئالونھا عن الفرائض (ابن سعد وحاکم)	ہم نے شیوخ صحابہ کو ان سے مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ جو فقہ اور اجتہاد میں حضرت عائشہؓ کے برابر تھے، وہ بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہؓ سے پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے[1]۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری علمائے صحابہ میں داخل ہیں، وہ بھی اس آستانہ سے بے نیاز نہ تھے[2]۔

مرجع عام ممالک اسلامیہ مدینہ ممالک اسلامیہ کا قلب تھا۔ لوگ زیارت و تبرک کے لئے ہر طرف سے ادھر کا رُخ کرتے تھے، یہاں آتے تو زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتے۔ دور دراز ممالک کے لوگ آداب و رسوم سے ناواقف ہوتے، وہ پہلے حضوری کے آداب و رسوم سیکھتے، قاعدہ سے سلام کرتے[3]۔ حضرت عائشہؓ ان سے عزت و تعظیم سے پیش آتیں[4]۔ بیچ میں پردہ حائل ہوتا[5]، لوگ مختلف مسائل اور شکوک و شبہات پیش کرتے، جوابات سن کر تسلی پاتے، کسی سوال و پرسش میں اگر سائل کو شرم آتی تو ان اللہ لا یستحی من الحق کے مطابق اس کی ڈھارس بندھاتیں، فرماتیں میں تمہاری ماں ہوں، ماؤں سے کیا پردہ ہے[6]۔

---

[1] صحیح بخاری وتر و جنازہ، ونسائی باب لبس الحریر [2] موطا امام مالک باب المس [3] مسند احمد ج ۶ ص ۹۵۔

[4] ایضاً ص ۲۰۹ [5] ایضاً ص ۲۰۹ و صحیح بخاری باب طواف النساء [6] مسند احمد جلد ۶ ص ۹۰، و ۲۶۵۔

حضرت عائشہ رض کا سالانہ حج کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، موسم حج میں حضرت عائشہ رض کے خیمے[1] جو کوہ ثبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا، سائلوں اور مستفتیوں کا ہجوم ہوتا، کبھی خانہ کعبہ میں زمزم کی چھت کے نیچے بیٹھ جاتیں اور تشنگان علم کا سامنے پرا جم جاتا۔ لوگ ہر قسم کے مسائل پوچھتے، اور وہ قرآن و حدیث سے سب کے جواب دیتیں،

جن مسائل میں صحابہ میں اختلاف پیش آتا، لوگ فیصلہ کے لئے انہی کی عدالت میں رجوع کرتے، ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رض حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی مجھے ایک مسئلہ میں اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف بہت شاق گزرا، آپ کی رائے کیا ہے، حضرت عائشہ رض نے اس کا جواب دیا، حضرت ابوموسیٰ کو اس جواب سے تسلی ہوگئی، اور کہا کہ آپ کے بعد اب کسی سے اس مسئلہ کو نہ پوچھوں گا،[2] حضرت ابو درداء رض فتویٰ دیتے تھے کہ اگر اتفاقاً کسی نے وتر تہجد کے خیال سے نہیں پڑھی اور صبح ہوگئی تو وتر کا وقت نہیں رہتا۔ لوگوں کو تسکین نہ ہوتی۔ حضرت عائشہ رض کے پاس آئے، آپ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہو جاتی تھی تب بھی وتر ادا فرمالیتے تھے،[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رض اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کہ دونوں اکابر صحابہ میں سے ہیں ان میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رض افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کو کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ رض دونوں میں تاخیر فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت عائشہ رض سے فتویٰ چاہا، دریافت کیا کہ ان میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں لوگوں نے کہا عبداللہ بن مسعود رض، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہی تھی،[4]

اگر کوئی شخص حج کے لئے نہ جاتے اور اپنی قربانی کا جانور یہیں سے کعبہ مکرمہ کو روانہ

---

[1] صحیح بخاری باب طواف النساء۔ [2] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵ و ۲۶۱ و ۲۵۹ و ۲۱۹ و ۲۹۵ و ۴۰ ۔
[3] صحیح بخاری باب طواف النساء۔ و مسند جلد ۶ ص ۹۵ [4] موطا امام مالک باب الغسل [5] مسند جلد ۶ ص ۲۴۲ [6] ایضاً ص ۴۸ و سنن نسائی باب السجود۔

کردے، اس صورت میں اس شخص کی کیا حالت سمجھی جائے گی، حضرت ابن عباسؓ فتوے دیتے تھے کہ وہ بحالتِ حج سمجھا جائے گا اور حاجی پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں، وہ اس پر بھی عائد ہوتی ہیں، زیاد ابن ابیہ امیر معاویہ کی طرف سے حجاز کا والی تھا، اس نے استفتاء حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا، انھوں نے جواب دیا کہ ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نہیں۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی ہڈیاں اپنے ہاتھ سے بٹی ہیں اور میرا باپ اس قربانی کو لے کر کعبہ گیا، لیکن جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں ان میں سے کسی چیز سے بھی آپ نے اس اثنا میں احتراز نہیں فرمایا۔[1]

بیہقی میں ہے کہ امام زہری نے کہا کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے جس نے کشف حقیقت کیا ہے وہ ام المومنین عائشہؓ تھیں، لوگوں کو ان کا جب یہ فتویٰ معلوم ہوا تو سب نے اس کی تقلید کی، اور اس دن سے حضرت عباسؓ کے اس فتوے پر عمل متروک ہو گیا۔[2]

حضرت ابوہریرہؓ فتویٰ دیتے تھے کہ رمضان میں صبح ہو جائے اور انسان کو غسل کی ضرورت ہو تو اس کا روزہ اس دن کا درست نہ ہوگا، ایک صاحب نے حضرت عائشہؓ سے اور اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ سے جا کر فتویٰ پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف تھا، مروان ان دنوں امیر مدینہ تھا، اس نے مستفتی کو حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بھیجا، اس نے جا کر ٹوکا اور ام المومنین کا فتویٰ بیان کیا انھوں نے سنا تو اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔[3]

حالتِ احرام میں موزہ پہننا درست نہیں، اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو موزہ کا بالائی حصہ کاٹ دینا چاہیئے کہ جوتا ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں موزے کاٹ لیں، لیکن ایک تابعیہ نے ان سے حضرت عائشہؓ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل کیا تو انھوں

---

[1] صحیح بخاری و کتاب الحج [2] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سنن بیہقی [3] صحیح مسلم کتاب الصیام

نے اپنا قول واپس لے لیا۔

ایک مجلس میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں بزرگ تشریف فرما تھے مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوگئی اور چند روز کے بعد اس کو وضع حمل ہوا تو اس کی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا. قرآن مجید میں دونوں کے الگ الگ احکام مذکور ہیں بیوگی کے لئے چار مہینہ دس دن اور حاملہ کے لئے تا زمانہ وضع حمل، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ان دونوں میں جو سب سے زیادہ مدت ہوگی، وہ زمانۂ عدت ہوگا. حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ وضع حمل تک عدت کا زمانہ ہے. دونوں میں فیصلہ نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی بھیجا، انھوں نے وضع حمل تک بتایا، اور دلیل میں سبیعہ کا واقعہ پیش کیا. جن کی بیوگی کے تیسرے ہی دن ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔ یہ فیصلا اس قدر مدلل تھا کہ اسی پر جمہور کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے میں ثواب ہے یا نہیں، دوسرے صاحب ثواب کے مدعی تھے اور پہلے صاحب منکر تھے فیصلہ حضرت عائشہؓ سے چاہا گیا، آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کی تصدیق کی۔

حضرت عائشہؓ کے فتاویٰ میں گو ہر قسم کے جوابات ہیں لیکن زیادہ تر زنانہ مسائل زن وشوتعلقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، آپ کے شبانہ عبادات اور ذاتی اخلاق کے متعلق ہیں اور بقول ابن حزم وحافظ ابن قیم اگر ان کے فتاویٰ کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔

عراق، شام اور مصر سے زن ومرد فتویٰ لے کر آتے اور جواب سے تشفی پاتے تلامذہ جو خدمت میں رہتے تھے، لوگ اپنی غرض مندی سے ان سے تقرب حاصل کرتے تھے. عائشہ بنت طلحہ جو اکثر خدمت گزاری کی عزت حاصل کرتی تھیں کہتی ہیں.

---

۱ عین الاصابہ سیوطی بحوالہ شافعی وبیہقی وابوداؤد وابن خزیمہ ۲ طیالسی ومسند عائشہؓ وام سلمہؓ
۳ صحیح بخاری کتاب الجنائز ۴ مسند احمد جلد ۶ ص ۹۳ و ۵ و ۵ ایضاً ص ۱۷۳ ۶ مسند جلد ۶ ص ۲۵۸۔

کان الناس یاتونھا من کل	لوگ حضرت عائشہؓ کے پاس ہر شہر سے
مصر فکان الشیوخ ینتابونی	آتے تھے، مسن آدمی میرے ان کے تعلقات
لمکانی منھا وکان الشباب	کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے جوان آدمی
یتأخونی فیھدون الی و	مجھ سے برادرانہ و خواہرانہ رشتے قائم کر لیتے
یکتبون الی من الامصار فاقول	تھے مجھ کو لوگ تحفے بھیجا کرتے تھے اور
لعائشۃ یا خالۃ ھذا کتاب	شہر شہر سے خط لکھتے تھے، میں حضرت عائشہؓ
فلان وھدیتہ فتقول لی	سے عرض کرتی، خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط
عائشۃ ای بنیۃ فاجیبیہ و	اور تحفہ آیا ہے، فرمائیں اس کا جواب لکھ دو
اثیبیہ[1]	اور معاوضہ میں تم بھی کچھ بھیجو!

لیکن بایں ہمہ علم و فضل اگر ان کے سامنے کوئی ایسا استفتا پیش ہوتا جس کے متعلق ان کو کوئی مستند واقفیت نہ ہوتی یا ان سے بہتر اس کا کوئی جواب دینے والا موجود ہوتا تو مستفتی کو اس کے پاس جانے کا حکم دیتیں، ایک دفعہ ایک شخص نے سفر میں موزوں پر مسح کرنے کے متعلق استفسار کیا، فرمایا علیؓ سے جا کر پوچھو وہ اکثر سفروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں، ایک دفعہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی بابت کسی نے سوال کیا، بولیں ام سلمہؓ سے جا کر پوچھو[2] ایکبار کا واقعہ ہے کہ ایک سائل نے حریر پہننے کی نسبت پوچھا، جواب دیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس جاؤ

ارشاد

کسی مذہب میں تجدید کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب امتداد زمانہ کیساتھ ساتھ داعی مذہب کی آواز ایک مدت کے بعد پست پڑ جاتی ہے، لیکن قرب عہد میں اس بات کی

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب الکتابۃ الی النساء۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۵۵۔

[3] سنن نسائی باب التشدید فی لبس الحریر۔

حاجت ہوتی ہے کہ اس آواز کو بار بار کی صدائے بازگشت سے خاموش نہ ہونے دیا جائے اور اسی کا نام ارشاد ہے، حضرت عائشہؓ نے فریضۂ ارشاد کو جس حد تک ادا کیا وہ دیگر صحابہ کی کوششوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، وہ اپنے حجرہ میں، مجمع میں، موسم حج میں، غرض کہیں بھی اس فرض سے غافل نہیں رہتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں سازشوں کا جو جال پھیل رہا تھا، اس سے مذہب کا تار و پود اُدھڑ رہا تھا، اس کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ کا دل دکھتا تھا، جنگ جمل کی شرکت بھی اسی دردِ دل کا نتیجہ تھا۔

مصر و عجم کی ریشہ دوانیوں سے لوگوں میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے اس قدر ناراضی پھیلنی شروع ہوئی کہ بعض لوگ ان پر لعنت بھیجنے لگے، مخارق بن شامہ بصرہ کے ایک رئیس تھے، انہوں نے اپنی بہن کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ اس ابتلائے عام کی نسبت وہ اپنی رائے ظاہر کریں، فرمایا کہ میرے بیٹوں سے میری طرف سے سلام کے بعد کہہ دو کہ میں نے اسی حجرے کے اندر یہ منظر دیکھا ہے کہ جبریل وحی لاتے ہوتے، آپ تشریف فرما ہوتے عثمانؓ پاس ہوتے، آپ ان کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہتے "ہاں عثمان یہ لکھو"، خدائے پاک یہ رتبہ فروتر لوگوں کو نہیں عطا کر سکتا، اس بنا پر جو عثمانؓ کو گالیاں دے اس پر خدا کی لعنت ہو[1]۔

امام احمد نے مسند میں اسی روایت کو اور الفاظ میں بیان کیا ہے، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا جو ان پر لعنت بھیجے اس پر خدا کی لعنت، میں نے دیکھا ہے کہ وحی آتی ہوتی اور آپ عثمانؓ کے بدن سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے، اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں دیں، کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی، خدا یہ رتبہ اور تقرب اس کو نہیں عطا کر سکتا تھا جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک معزز نہ ہو[2]۔

ابو سلمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے تھے، ایک زمین کی نسبت چند

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب نقش شیءٍ من الاسم [2] مسند جلد ۶، ص ۲۶۱ و ص ۲۵۰

لوگوں کو ان سے نزاع تھی، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ابوسلمہؓ کو بلا کر سمجھایا کہ اے ابوسلمہ! اس زمین سے باز آؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بالشت بھر زمین کے لئے بھی اگر کوئی ظلم کرے گا تو ساتوں طبقے اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔[1]

مدینہ میں جب بچے پیدا ہوتے تو پہلے تبرکاً وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں لائے جاتے وہ ان کو دعائیں دیتیں، ایک بچہ آیا تو اس کے سر تلے لوہے کا ایک اُسترا نظر آیا، پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا اس سے بھوت بھاگتے ہیں، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے اُسترا اٹھا کر پھینک دیا اور بولیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شگون سے منع کیا ہے ایسا نہ کیا کرو۔[2]

مسلمانوں اور ایرانیوں میں اختلاط عہدِ فاروقی میں ہوا، لیکن حضرت عمرؓ کے زور و قوت کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں عجمیت کے جراثیم سرایت نہ کر سکے۔ عہدِ عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا کو مسموم کرنا شروع کر دیا، کبوتر بازی، شطرنج بازی، نرد بازی، یہ تمام لہو ولعب اور تضیع اوقات کے طریقے اس زمانہ میں پھیلنے لگے، صحابہ چونکہ زندہ تھے، انھوں نے سخت دار و گیر شروع کر دی، حضرت عائشہؓ کے ایک گھر میں کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں، سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[3]

ابن ابی السائب تابعی مدینہ کے واعظ تھے، واعظین گرمی مجلس کے لئے نہایت مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لئے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کے لئے آمادہ رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے ان سے خطاب کر کے کہا، تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو، ورنہ میں بزور تم سے بازپرس کروں گی۔ عرض کی یا ام المومنین! وہ کیا باتیں ہیں، فرمایا دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو، کہ آپؐ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں

---

[1] صحیح بخاری باب اثم من ظلم شیأ من الارض [2] ادب المفرد امام بخاری باب الطیرة من الجن
[3] ایضاً باب الادب و اخراج اہل الباطل۔

صرف ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن، لوگوں کو خدا کی کتاب سے اُکتا نہ دو، ایسا نہ کیا کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہوں، آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کر دو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں، تب کہو۔[1]

اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر ہی کے گھر میں گزاریں، اس حکم کے مخالف صرف ایک فاطمہ بنت قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں، فاطمہ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازتِ انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے عہد میں اسی واقعہ کی سند سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلا لیا، حضرت عائشہؓ نے اس عام حکم اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا، مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا، اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو، اور نفس مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں، واقعہ یہ تھا کہ فاطمہؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی تھی۔[2]

عجم کے فتح ہونے کے بعد عرب شراب کے جدید اقسام اور اس کے نئے ناموں سے آشنا ہو گئے تھے، جن میں سے ایک "باذق" تھا، یعنی بادہ عربی میں لغۃً "خمر" کا اطلاق شراب کی خاص قسموں پر ہوتا ہے، اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان نئی شرابوں کا کیا حکم ہے، حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں، پھر مخصوص عورتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا، اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشی چیز کو منع فرمایا ہے۔[3]

قدرۃً مردوں سے زیادہ آپ کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوتیں، عام نسوانی مسائل کے

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۱۷، [2] صحیح بخاری باب قصۂ فاطمہ بنت قیس [3] سنن نسائی کتاب الخمر۔

ساتھ ان کے مردوں کے متعلق ہدایات دیتی تھیں کہ اپنے اپنے شوہروں کو آگاہ کردیں، بصرہ سے کچھ عورتیں حاضرِ خدمت ہوئیں، ان کو ہدایت کی کہ مجھے مردوں کو ٹوکتے ہوئے شرم آتی ہے اپنے اپنے شوہروں کو مطلع کردو کہ پانی سے طہارت کریں کہ یہ مسنون ہے[1]۔

ایک دفعہ کوفہ کی چند بیبیاں حاضرِ خدمت ہوئیں، دریافت فرمایا کہاں سے آتی ہو، عرض کیا کوفہ سے، اس نام سے ان کو کچھ تکدر ہوا، اس کے بعد ان میں سے ایک نے مسئلہ کی ایک صورت پیش کی، یہ صورت حضرت زیدؓ بن ارقم مشہور صحابی کے ساتھ پیش آئی تھی، فرمایا تم دونوں پر ار قاملہ کیا، زید سے کہہ دینا کہ انھوں نے اپنے جہاد کا ثواب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا تھا باطل کردیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کرلیں[2]، ایک دفعہ شام کی عورتیں زیارت کو آئیں، وہاں حمام میں جاکر عورتیں برہنہ غسل کرتی تھیں، فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے میں اور خدا میں پردہ دری کرتی ہے[3]۔

موسم حج میں حضرت عائشہؓ کی قیام گاہ لاکھوں مسلمان قلوب کا مرکز بن جاتی تھی، عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں، وہ امام کی صورت میں آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں[4]، اسی درمیان میں ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے، ایک دفعہ ایک عورت کو دیکھا، جس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے تھے، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔

عورتوں کو ایسا زیور پہننا جس سے آواز پیدا ہو ممنوع ہے، نیز گھنٹے وغیرہ کی آواز منع ہے ایک دفعہ ایک لڑکی گھنگرو پہن کر حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، فرمایا پہنا کر میرے پاس نہ لایا کرو اس کے گھنگرو کاٹ ڈالو، ایک عورت نے اس کا سبب دریافت کیا بولیں کہ آپ نے فرمایا ہے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۳ و ۹۴ [2] سنن بیہقی کتاب البیوع [3] مسند جلد ۶ ص ۱۷۳،
[4] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵، موطا کتاب الحج، نیز دیکھو باب افتا۔ کا بیان،

کہ جس گھر میں اور جس قافلہ میں گھنٹا بجتا ہو، وہاں فرشتے نہیں آتے۔

حفصہ بنت عبدالرحمٰن آپ کی بھتیجی تھیں، وہ ایک دن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کے پاس آئیں، دیکھنے کے ساتھ ان کے دوپٹہ کو غصہ سے چاک کر ڈالا پھر فرمایا، تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کئے ہیں، اس کے بعد دوسرا گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک مکاتب غلام آزاد کیا، رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ جاؤ اور جہاد الٰہی میں شریک ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کے اندر خدا کی راہ میں گرد و غبار نہیں پہنچتا، لیکن خدا جہنم کی آگ اس پر حرام کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عائشہؓ نے فوراً ٹوکا، عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگیں گے، اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔

ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں، دیکھا کہ صاحب خانہ کی دو لڑکیاں جو اب جوان ہو چکی تھیں، بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔

یہودیوں کا دستور تھا کہ کسی عورت کے بال چھوٹے ہوتے تو وہ مصنوعی بال جوڑ کر بڑے کر لیتی، ان کو دیکھ کر عرب عورتوں میں اس کا رواج ہو گیا تھا،

ایک دفعہ ایک عورت نے آکر عرض کی کہ میری ایک بیٹی دلہن بنی ہے، بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا بال جوڑ دوں، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے

ایضاً ص ۲۲۵ و ۲۰۱ مسند ص ۲۰۴ موطا امام مالک کتاب اللباس مسند جلد ۶ ص ۲۸۵ مسند جلد ۶

والوں اور جوڑوانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔[1]

لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید جس قدر جلدی پڑھ کر ختم کرلیں گے، اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا، ایک شخص نے آکر پوچھا، اے ام المومنین! بعض لوگ ایک شب میں قرآن دو، دو، تین، تین بار پڑھ ڈالتے ہیں، فرمایا، ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام تمام رات نماز میں کھڑے رہتے تھے، لیکن بقرہ، آل عمران اور نساء سے آگے نہیں پڑھتے تھے (گویا انہی تین سورتوں تک پہنچتے پہنچتے رات آخر ہو جاتی تھی) جب کسی بشارت کی آیت پر پہنچتے تو خدا سے دعا مانگتے، اور جب کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے۔[2]

حضرت اسید بن حضیرؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے، حج کا قافلہ واپس آرہا تھا، جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، منہ پر کپڑا رکھ کر رونے لگے محبت کی خوبی سے کس کو انکار ہے مگر اس طرح منہ چھپا کر عین مجمع میں رونا، صبر و حلم کے نمونوں کے لئے مناسب نہ تھا، قافلہ میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں، انہوں نے حضرت اسیدؓ سے خطاب کر کے کہا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپ کو اسلام کی اولیت کا

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۱۱، یہ حدیث اور کتابوں میں بھی ہے اور صحیح ہے۔ مدت تک اس فعل کی ممانعت، اس پر اس سخت وعید کی علت میری سمجھ میں نہیں آتی، اتفاق سے ایک دفعہ کسی رسالہ میں یورپ کا حال پڑھ رہا تھا کہ خوبصورت بالوں والی عورتیں جب مرتی ہیں تو زینت و آرائش کی کمپنیاں ان کے بال خرید لیتی ہیں اور ان کو دوسری لیڈیاں اپنے بالوں میں مصنوعی طور سے جوڑنے کے لئے خرید لیتی ہیں چونکہ یہ انتہائی دناءت اور خلاف انسانیت اور حرمت جنازہ کے خلاف فعل ہے، اس لئے سزاوار لعنت ہے، عرب کے یہودیوں میں بھی اسی قسم کا دستور ہوگا، چونکہ یہ لوگ بے حد لالچی اور روپے کے حریص تھے، اس لئے عجب نہیں کہ ایسا کرتے ہوں ورنہ اپنی زندگی میں کسی عورت سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ دوسروں کے حسن و جمال کے لئے اپنی بدصورتی و بدجمالی کو گوارا کرتی ہو اور اپنے بال کٹوا کر فروخت کے لئے دیتی ہو۔ [2] مسند جلد ۶ ص ۱۱۰۔

شرف حاصل ہے، آپ ایک عورت کے لئے روتے ہیں۔[1]

کعبہ پر ہر سال ایک نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا اتار لیا جاتا ہے، حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں کعبہ کے متولی پرانے غلاف کو ادب کی بناء پر زمین میں اس لئے دفن کردیتے تھے کہ اس کو کوئی ناپاک ہاتھ نہ لگنے پائے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے بیان کیا کہ ہم سارے غلاف کو اکٹھا کر کے ایک گہرا کنواں کھود کر اس میں دفن کردیتے ہیں، تاکہ ناپاکی کی حالت میں لوگ اس کو نہ پہن لیں، شریعت کے نکتہ شناس نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، جس کا خدا اور رسول نے حکم نہیں دیا، اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے کوئی سوء اعتقاد پیدا ہو، ام المومنین نے شیبہ سے فرمایا، یہ تو اچھی بات نہیں، تم برا کرتے ہو، جب وہ غلاف کعبہ سے اتر گیا، تو اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اس کو پہن بھی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہیئے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کے جو دام آئیں وہ غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔[2] غالباً اسی کے بعد یہ پرانا غلاف مسلمانوں کے ہاتھ پھاڑ پھاڑ کر فروخت کردیا جاتا ہے اور مشتاق مسلمان اس کو خرید کر گھروں میں لاتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں، اس فیض کے لئے مسلمانوں کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ہی ممنون ہونا چاہیئے جن کی بدولت ان کے ہاتھ یہ دولت آئی۔

ایک دفعہ ایک صاحب (غالباً حضرت ابوہریرہؓ) مسجد نبوی میں آئے اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس بیٹھ کر جلدی جلدی اور ان کے سنانے کے لئے زور زور سے حدیثیں بیان کرنے لگے، میں نماز میں تھی، اور وہ اٹھ کر چلے گئے، اگر مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں کہتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی باتیں نہیں کرتے تھے۔ ام المومنین کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ حدیث نبوی کا شغل رکھتے ہیں، ان کے قول و عمل میں مطابقت چاہیئے ورنہ حدیث بے اثر رہے گی۔[3]

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۵۲ [2] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سنن بیہقی [3] صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حج کے موسم میں منیٰ میں ایک خیمہ میں تھیں، لوگ ملاقات کو آرہے تھے، چند قریشی نوجوان ہنستے ہوتے آئے ہنسنے کا سبب دریافت کیا، عرض کیا ایک خیمہ کی ڈوری میں پھنس کر ایسے گرے کہ ان کی آنکھ ہی چلی جاتی، یا گردن ٹوٹ جاتی، ہم لوگوں کو یہ دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آگئی، فرمایا ہنسنا نہ چاہیئے، کسی مسلمان کو کانٹا چبھ جاتے یا اس سے بھی معمولی مصیبت اس پر آئے تو خدا اس کا درجہ بڑھاتا ہے اور اس کا گناہ معاف فرماتا ہے[۱]۔

جنسِ نسوانی
پر
حضرت عائشہؓ کے احسانات

اب ہم کتاب کے آخری باب پر پہنچ گئے ہیں، اور اب ہمارے اس علمی سفر کی یہ آخری منزل ہے، حضرت عائشہؓ کی پاک زندگی کے کارناموں کا خاتمۃ الباب وہ خدمات جلیلہ ہونی چاہئیں جو انھوں نے اپنی ہم جنس بہنوں کے لئے مختلف طریقوں سے انجام دیں،

جنسِ نسوانی پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی اور پند و موعظت اور اصلاح وارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجا لا سکتی ہے، غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گزشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے، ام المومنینؓ کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے، صحابہؓ میں اگر ایسے لوگ گزرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق[۲] اور عہد محمدی کے ہارون بننے کے سزاوار تھے[۳] تو الحمد للہ کہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریم اسلام کی

---

[۱] صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیب [۲] حضرت ابوذر مسیح اسلام تھے، استیعاب و اصابہ میں ان کا حال دیکھو [۳] حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو آپ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ،

حیثیت رکھتی تھی[1]۔

صحابیات اپنی عرض داشتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک ام المومنین کی وساطت سے پہنچاتی تھیں اور ان سے جہاں تک بن پڑتا تھا ان کی حمایت کرتی تھیں۔ حضرت عثمان بن مظعون ایک پارسا صحابی تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے، ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں، دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب وآرائش سے خالی ہیں، سبب دریافت کیا کیا کہہ سکتی تھیں، پردہ پردہ میں بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے، تو حضرت عائشہؓ نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا، آپ حضرت عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ عثمان ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں، میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں[2]، یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

حولاؓ ایک صحابیہ تھیں، جو رات بھر سوتی نہ تھیں، برابر نمازیں پڑھا کرتی تھیں، اتفاق سے وہ ایک دفعہ سامنے سے گزریں، حضرت عائشہؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ حولا ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتیں، آپ نے تعجب سے فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں؟ پھر فرمایا کام اتنا کرو جو نبھ سکے[3]۔

ایک عورت کو چوری کے جرم میں سزا دی گئی تھی، اس کے بعد وہ تائب ہو کر نیک ہو گئی شاید اور بیبیاں اس حالت میں بھی اس سے ملنا پسند نہ کرتی تھیں، لیکن وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آتی تھی اور وہ اس سے ملتی تھیں بلکہ ضرورت پڑتی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی اس کی درخواست پہنچا دیتی تھیں[4]۔ ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے مارا جس سے بدن

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے کہ عورتوں میں صرف چار کاملہ گزری ہیں، مریم ...... اور عائشہؓ کی بزرگی ایسی ہے جیسے کھانوں میں ثرید کی [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۲۶ [3] ایضاً ص ۲۴۷ [4] صحیح بخاری باب شہادۃ القاذف۔

پر جا بجا نیل پڑ گئے۔ وہ سیدھی ام المومنین کے پاس آئیں اور اپنا بدن دکھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو ام المومنین نے عرض کی۔

ما رأیت مثل ما یلقی المؤمنات	مسلمان بیویاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں، میں نے
لجلدھا اشد خضرۃ من	اس کی مثال نہیں دیکھی، اس بیچاری کا
ثوبھا۔	بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے

ان کے شوہر کو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی بارگاہِ نبوت میں پہنچی ہے، وہ بھی دوڑے آئے اور اظہار سے فریقین کا قصور ثابت ہوا۔[1]

عورتوں کو جو لوگ ذلیل سمجھتے تھے، ام المومنینؓ ان سے سخت برہم ہوتی تھیں کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تھا تو وہ اس کو صاف کر دیتی تھیں۔ بعض صحابیوں نے روایت کی ہے کہ عورت، کتا اور گدھا اگر نماز میں نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا ان المرأۃ اذا دابۃ سوء تو عورت بھی ایک بد جانور ہے، بئس ما عدلتمونا بالحمار والکلب تم نے کیا برا کیا کہ ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی، یہ طیالسی کی روایت ہے[2]، دوسری روایتوں میں ہے کہ فرمایا، آپ سجدہ کرنا چاہتے، میرے پاؤں دبا دیتے، میں سمٹ لیتی[3]، بعض فقہاء کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ام المومنین کی یہ روایت ان کی اس خطائے اجتہادی کے پردہ کو چاک کر دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑا، گھر اور عورت۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ کو بہت غصہ آیا، بولیں قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ پر قرآن اتارا، آپ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا، یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے

---

[1] صحیح بخاری باب الثیاب الخضر [2] مسند طیالسی ص ۲۰۵ طبع حیدرآباد

[3] ابو داؤد باب المرأۃ لا تقطع الصلوٰۃ۔

نحوست کی فال لیتے تھے۔

بعض ایسے فقہی احکام جن میں صحابہ مختلف الرائے تھے، انھوں نے ہمیشہ وہ پہلو اختیار کیا جس میں عورتوں کے لئے سہولت اور آسانی ہوتی تھی کہ ان کی جنسی ضرورتوں کو وہی بہتر جانتی تھیں، اس پر کتاب و سنت سے استدلال کرتی تھیں، چنانچہ عموماً فقہاء کا فیصلہ انہی کے حق میں رہا اور اکثر اسلامی ملکوں میں انہی کے فتووں پر عمل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ تھا کہ عورتیں شرعی طہارت کے لئے اپنے جوڑے منڈوا ڈالیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کرتی تھی اور صرف تین دفعہ پانی ڈال لیتی تھی،[۱] اور ایک بال بھی نہیں کھولتی تھی۔[۱]

حج میں سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا بھی حاجیوں کے لئے ضروری ہے، عورتوں کے لئے کسی قدر بال کٹوا دینا کافی ہے، حضرت ابن زبیرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل ترشوانا چاہیئے، حضرت عائشہؓ کو ان کا فتویٰ معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو ابن زبیر کی بات پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔[۲]

احرام کی حالت میں مردوں کو موزے نہیں پہننا چاہئیں، اگر کسی مجبوری سے پہنیں تو ٹخنے سے کاٹ دیں، حضرت ابن عمرؓ عورتوں کے لئے بھی یہی فتوے دیتے تھے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ مردوں کے لئے مخصوص ہے، عورتوں کو موزہ ٹخنے سے کاٹنا ضروری نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہے، یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کیا۔[۳]

احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال منع ہے کہ اس سے حاجی کی فطری ابراہیمی صورت

---

[۱] صحیح مسلم باب الغسل [۱] نسائی باب الغسل [۲] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ مناسک کبیر امام ابن حنبل۔
[۳] ابوداؤد باب ما یلبس المحرم۔

میں فرق آتا ہے، اس سے بعض صحابہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ احرام کے وقت بھی خوشبو ملنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم (ازواج) احرام کے وقت خوشبو مل لیتے تھے اور پسینہ سے وہ خوشبو ڈھل کر بعضوں کے چہروں پر آجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے[1]۔

حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ احرام میں چہرہ پر نقاب نہیں ڈالنا چاہیئے (عرب میں مرد بھی گرمی اور تپش سے بچنے کے لئے چہرہ پر نقاب ڈالتے تھے)، لیکن عورتوں کے لئے اس پر دائمی عمل مشکل تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، ہم لوگ جب آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں چلے، قافلے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے، جب مقابل آجاتے، ہم سر سے چادر ڈال لیتے، جب وہ نکل جاتے ہم منہ کھول دیتے، چنانچہ قرن اول کی عورتوں کا حضرت عائشہؓ ہی کے فتوے پر عمل تھا،

ایک تابعیہ جس نے حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کے ساتھ حج کیا تھا بیان کرتی ہے کہ ہم منہ چھپاتے تھے اور وہ منع نہیں کرتی تھیں[2]،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی کے جواب میں آپ نے فرمایا، احرام کی حالت میں کرتہ، پاجامہ، عمامہ، ٹوپی، اور موزہ نہ پہنا جائے، اور نہ زعفران اور کوسوم (ورس) سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے جائیں (صحیح بخاری باب مایلبس المحرم من الثیاب)

اس حدیث کی رو سے عورتوں کو بھی زعفران اور اس کے رنگے ہوئے کپڑوں کے پہننے سے بعضوں نے منع کیا ہے مگر ذرا تامل سے معلوم ہوگا کہ یہ پورا حکم مردوں سے متعلق ہے اور ایک مرد ہی کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہؓ خود احرام کی حالت میں زعفران سے رنگے ہوتے کپڑے پہنتی تھیں، بلکہ عورتوں کو بحالت احرام زیور پہننے اور سیاہ اور گلابی

---

[1] ابو داؤد باب مذکور۔ [2] موطا امام مالک باب تخمیر المحرم وجہہ۔

رنگ کے کپڑوں اور موزوں کے پہننے میں بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں[۱]۔

سونے اور چاندی کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، حضرات صحابہؓ کا اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ اور تابعین اور ائمہ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہے، فقہائے احناف کا اسی پر عمل ہے، حضرت ابن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہی مذہب ہے، زیوروں کا تعلق زیادہ تر عورتوں سے ہے اس لیے حضرت عائشہؓ کی رائے اس بارہ میں زیادہ معتبر ہو سکتی تھی، مگر ان کا طرزِ عمل بھی اس بارہ میں واضح نہیں، ایک طرف تو جیسا کہ موطا میں ہے، وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی جن کی وہ متولیہ تھیں، زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں[۲]۔

دوسری طرف ابوداؤد اور دارقطنی میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں، فرمایا کہ آتشِ دوزخ سے بچو[۳]، ظاہر ہے کہ اس تہدید کو سن کر ناممکن ہے کہ وہ زیوروں میں زکوٰۃ نہ دیتی ہوں، چنانچہ سنن دارقطنی (باب زکوٰۃ الحلی) میں حضرت عائشہؓ سے

---

[۱] صحیح بخاری باب مایلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ [۲] ترمذی اور موطا امام مالک باب زکوٰۃ لحلی [۳] اس روایت کا ایک راوی دارقطنی کی روایت میں محمد بن عطا ہے دارقطنی نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس میں محمد بن عطا مجہول راوی ہے، لیکن ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ محمد بن عمرو بن عطا ہے جو مشہور راوی ہے اس لئے بتصریح علما دارقطنی کی یہ جرح صحیح نہیں، امام ترمذی کا بیان ہے کہ زیوروں کی زکوٰۃ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں، اغا خیہ میں لا یصح فی ھذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شئ۔ لیکن دارقطنی میں فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیور میں زکوٰۃ ہے، ابن لہیعہ سے بذریعہ عمرو بن شعیب ایک روایت ہے کہ دو بیویاں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو، انھوں نے عرض کی کہ نہیں، یا رسول اللہ، ارشاد ہوا، کہ کیا تم آگ کے کنگن پہننا پسند کرو گی، عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ!

روایت ہے کہ جس زیور کی زکوٰۃ دی جائے، اس کا پہننا جائز ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ زیوروں میں زکوٰۃ کے وجوب کی قائل تھیں۔

موطا کی اس حدیث کا جس میں ذکر ہے کہ وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں، یہ جواب ہو سکتا ہے کہ وہ نابالغ پر زکوٰۃ کو واجب نہیں جانتی تھیں، جیسا کہ بہت سے صحابہ اور فقہا کا مسلک ہے، اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اپنے نابالغ بھتیجوں کے مال کی زکوٰۃ جیسا کہ موطا میں مذکور ہے، وہ کیوں دیتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نابالغ کے مال میں وجوب زکوٰۃ کی قائل نہ تھیں، بلکہ استحباب کی قائل تھیں، زیور چونکہ بعینہٖ رکھے تھے ان کو بیچ کر یا بدل کر تجارت میں نہیں لگایا تھا کہ اس میں اضافہ ہو، اور لڑکیوں کے لئے بہرحال ان کی ضرورت تھی، اس لئے یتیم یا نابالغ لڑکیوں کے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کے زیور کی زکوٰۃ دے کر اس کو کم نہ کریں، اور یتیم نابالغ بھتیجوں کے مال کو انھوں نے جیسا کہ موطا کے اسی مقام پر ہے، تجارت میں لگا دیا تھا، اس لئے اس میں ان کو زکوٰۃ ادا کر دینے کا پہلو زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

کسی مقتول کے بدلہ میں اگر خون بہا ادا کرنا چاہتا ہے تو درجہ بدرجہ اس کے تمام وارثوں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۷) فرمایا تو اس کی زکوٰۃ دیا کرو (ترمذی) امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اس معنی کی اور بھی روایتیں ہیں، بہرحال اس باب میں صحابہ و تابعین کی روایتیں اور اقوال مختلف ہیں اور فریقین کے دلائل کتابوں میں مذکور ہیں، زیوروں میں وجوب زکوٰۃ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سونا اور چاندی کو کنز کرنے یعنی بغیر زکوٰۃ ادا کئے اپنی ملک میں رکھنے پر شدید وعید آئی ہے۔ والذین یکنزون الذہب والفضۃ الآیۃ اور سنن ابی داؤد میں ام المومنین حضرت ام سلمہ سے یہ روایت ہے کہ وہ سونے کے کچھ زیور پہنے تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ بھی کنز ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ اگر زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو کنز نہیں، اس حدیث سے کنز کی تفسیر معلوم ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس زیور کی خواہ استعمال ہی میں ہو زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز کے حکم میں ہے اور اس پر قرآن پاک کی وعید شدید لازم ہے۔

کو رضامند کرنا چاہیئے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے وان کانت امرأة، یعنی اگر وارثوں میں عورتیں ہوں تو ان کو راضی کرنا بھی ضروری ہے، صرف مردوں کی رضامندی کافی نہیں ہے کیونکہ وراثت کا حق صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔[1]

عرب میں اسلام سے پہلے وراثت میں عورت کا حق نہ تھا، اسلام نے آکر ان کو بھی ان کا حق دلایا۔ وراثت کے اکثر مسائل تو قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں، اس میں لڑکیوں کے حصہ کی بھی تفصیل ہے، لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں جن کے حل کرنے کے لئے کتاب وسنت سے فکر واستنباط کی ضرورت پیش آئی، ان موقعوں پر حضرت عائشہؓ نے اپنی جنسی بہنوں کا حق فراموش نہیں کیا، ایک صورت یہ ہے کہ اگر لڑکا وارث نہ ہو، صرف بیٹیاں، پوتیاں اور پوتے ہوں تو تقسیم کیونکر ہوگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پوتیوں کا حصہ نہیں دلاتے، صرف پوتوں کا حصہ دیتے ہیں، حضرت عائشہؓ پوتیوں کا بھی حصہ لگاتی ہیں۔[2]

عورتیں بارگاہ نبوت میں مسائل دریافت کرنے کو آیا کرتی تھیں، بعض پردہ کے مسائل ہوتے تھے، جو کم فہم بی بیوں کی سمجھ میں نہ آتے اور آپ خود حیا سے اس کی تفصیل نہیں فرما سکتے تھے تو ایسے موقع پر ام المومنین ہی اپنی بہنوں کی امداد فرماتی تھیں اور اپنے پاس بلا کر آپ کا مطلب سمجھا دیتی تھیں[3]، اور ان کے سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر کے ان کے جوابات ان کو بتاتی تھیں۔

عرب میں دامن کا اتنا بڑا رکھنا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے، فخر اور عزت کی علامت سمجھی جاتی تھی، آپ نے فرمایا کہ جو شخص غرور سے اپنا دامن گھسیٹ کر چلے گا، خدا اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ، عورتوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا، ایک بالشت نیچے لٹکائیں، بولیں کہ اتنے میں پنڈلیاں کھل جائیں گی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب عفو النساء۔ [2] مسند دارمی کتاب الفرائض۔

[3] صحیح بخاری باب الاحکام التی تعرف بالدلائل۔

تو فرمایا "ایک ہاتھ"۔

اسلام میں نکاح کے جواز کے لئے لڑکیوں کی رضامندی حاصل کرنی ضروری ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کنواری عورتوں سے اجازت لی جائے اور بیوہ سے اس کا حکم طلب کیا جائے، لیکن خدا نے عورتوں کو جو فطری حیا اور شرم عطا کی ہے اس کی بناء پر زبان سے رضامندی کا اظہار تقریباً محال ہے، ام المومنین اس مشکل سے آگاہ تھیں، عرض کی، فرمایا، کہ ان کی خاموشی ان کی رضامندی ہے[1]۔

بعض اولیاء لڑکی کی رضامندی کے بغیر صرف اپنے اختیار سے نکاح کر دیتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، عورتوں کی عدالت عالیہ حضرت عائشہؓ ہی کا حجرہ تھا، لڑکی اسی آستانہ پر حاضر ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہ تھے، حضرت عائشہؓ نے اس کو بٹھا لیا، جب آپ تشریف لائے تو صورتِ واقعہ عرض کی، آپ نے لڑکی کے باپ کو بلایا، اور لڑکی کو اپنا مختار آپ بنایا، یہ سُن کر لڑکی نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے باپ نے جو کچھ کیا، میں اب اس کو جائز ٹھہراتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے حقوق معلوم ہو جائیں[2]۔

جس عورت کو اس کے شوہر نے ایک یا دو بار طلاق دی ہو زمانہ عدت تک اس کا نفقہ اور سکونت مرد پر متفقاً فرض ہے، لیکن اگر تین طلاقیں دے دیں تو ایسی حالت میں اختلاف ہے کہ نفقہ یا مسکن مرد پر واجب ہوگا یا نہیں، بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ نفقہ اور سکونت کی ذمہ داری مرد پر عائد نہیں ہوگی، دلیل یہ پیش کی کہ قرآن میں جہاں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ شوہر کے گھر سے نہ نکلیں اور نہ شوہر ان کو گھر سے نکالیں، اس کے بعد یہ ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۷۷ و ۲۳۳۔ بعض حدیثوں میں یہ واقعہ حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب ہے ممکن ہے کہ دونوں بیویوں نے اپنی اپنی جگہ پر عرض کیا ہو۔ صحیح بخاری باب النکاح [2] نسائی باب البکر یزوجہا ابوہا وہی کارہۃ و دار قطنی کتاب النکاح (من مرسل ابن بریدہ)۔

شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کردے، یعنی مقصود یہ ہے کہ زمانہ عدت تک شوہر کے گھر سے معلقہ کو دوسرے گھر میں اس لئے منتقل نہ ہونا چاہیئے کہ شاید ایک گھر میں چند مہینے ساتھ رہنے سے اتفاق کدورتیں مٹ کر اگلا سا اخلاص پیدا ہوجائے، لیکن جب تین حدیں پڑ گئیں تو اب رجعت ہو نہیں سکتی، اس لئے ایک گھر میں رہنے کی علت مفقود ہوگئی، اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ حکم طلاق رجعی سے متعلق ہے، بائن سے نہیں[1]۔

دراصل یہ استدلال کسی قدر غلط ہے، یہ کہنا صحیح ہے کہ زمانہ عدت میں مرد کے گھر میں رہنے کا سبب یہ بھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ تمام تر سبب یہی ہے، اس حکم میں اور مصلحتیں یہ ہیں کہ جب اس کو پہلے شوہر نے طلاق دے دی، اور یہ دریافت کرنے کے لیے کہ آیا اس کو اس سے حمل تو نہیں اس کو چند مہینے انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے وہ دوسری شادی ابھی نہیں کرسکتی، چونکہ یہ نقصان اس کو شوہر اول کی وجہ سے پہنچا ہے اس لئے زمانہ انتظار اس کے طعام و قیام کا ذمہ دار اسی کو ہونا پڑے گا، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ کے استدلال کی نہایت سخت مخالفت کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کے لئے خیر نہیں کہ اپنے واقعہ کو استدلال میں پیش کرے، اس کے پہلے شوہر کا گھر چونکہ غیر محفوظ تھا اس لئے آپ نے اس کو دوسرے گھر میں منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، مروان کے زمانہ میں جب اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، اور مروان نے فاطمہ کی اسی روایت سے استدلال کیا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو کہلا بھیجا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا، فاطمہ کا واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میاں بیوی میں بنتی نہ تھی، بعض اور روایتوں میں ہے کہ فاطمہ زبان کی تیز تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری جگہ منتقل کردیا[2]۔

شوہر کی وفات کے بعد عورت کو چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا چاہیئے، اور گھر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر نہیں جانا چاہیئے، اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ ہے، تو شوہر کی وفات جہاں ہو، اور اگر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اس کو خبر

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق [2] صحیح بخاری، ابوداؤد، موطا، کتاب الطلاق۔

معلوم ہو، اس کو وہیں ٹھہر کر عدت کے دن گزارنے چاہئیں، یعنی اس حالت میں سفر اس پر حرام ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں احادیث سے جس قدر دلائل وہ پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وطن اور گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے[1]، حالانکہ ثابت یہ کرنا چاہیئے کہ باہر سے گھر بھی نہیں آنا چاہیئے، اور مسافرت سے وطن میں بھی وہ منتقل نہیں ہو سکتی، چنانچہ ام المومنین رضنے اسی بنا پر ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کیا، ان کی ایک بہن کا نام ام کلثوم تھا، اور وہ حضرت طلحہ رض سے بیاہی تھیں، جنگ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں، حضرت طلحہ رضنے وہاں شہادت پائی، عام خیال کے مطابق ان کو زمانۂ عدت وہیں بسر کرنا چاہیئے تھا، لیکن حضرت عائشہ رض ان کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں، راستہ میں مکہ معظمہ میں بھی ان کا قیام رہا، لوگوں میں اس کا چرچا پھیلا، ایوب ایک تابعی تھے انھوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر آنا ہے، حضرت عائشہ رضنے مسافرت سے ان کو وطن میں منتقل کر دیا، یہ جواب بالکل صحیح تھا۔ واقعات کی رُو سے غور کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت عائشہ رض اس مسئلہ کو واضح نہ کرتیں تو اس حالت میں بہت سی عورتوں کو کتنی مشکلات کا سامنا ہوتا،

طلاق تمام مباح امور میں سب سے بُرا کام اور فساد معاشرت کا آخری چارۂ کار ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس دائرہ کو محدود کرنا چاہیئے۔ شوہر اگر بیوی کو مفارقت کا اختیار دے دے اور وہ اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کی زوجیت کو قبول کرے تو بعض صحابہ کا فتویٰ تھا کہ ایک طلاق پڑ جاتے گی، حضرت عائشہ رضنے سختی سے اس فتویٰ کا انکار کیا اور دلیل میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش کیا کہ آپ نے آیت تخییر کے بعد تمام بیویوں کی علیحدگی کا اختیار دے دیا لیکن کوئی علیحدہ نہیں ہوتی، تو کیا ہم لوگوں پر ایک طلاق پڑ گئی۔ اور پھر یہ اخلاق اور وفاشعاری کا خون نہیں ہے کہ ایسی شوہر پرست اور وفاشعار بیوی کو اپنے لائق

---

[1] ابوداؤد اور موطا وغیرہ میں فریعہ بنت مالک کی ایک حدیث ہے، اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

[2] ابن سعد جزء نساء ص ۳۳۹۔

تحسین ایثار کا جواب شریعت کی طرف سے ایک معاشرتی داغ کی صورت میں ملے، چنانچہ جمہور فقہاء اور محدثین کا عمل حضرت عائشہؓ کے اسی فتویٰ پر ہے۔

اسی طرح اگر زبردستی کوئی شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے ورنہ قید یا قتل کر دیا جائے گا یا اس کو کوئی سزا دی جائے گی اور شوہر ڈر کر اس کی تعمیل کر دے تو عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ طلاق شرعاً صحیح نہ ہوگی، ابو حنیفہ کے سوا اور تمام فقہاء اور محدثین نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر قانون اسلامی میں یہ دفعہ نہ ہوتی تو شریف ان ما خاتونوں کا ظالم اور جابر امراء اور سلاطین کے دستِ ستم سے محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا۔

جاہلیت میں عورتوں کی نازک گردنیں رسوم وعوائد کی جن آہنی طوقوں سے گراں بار تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں نہ طلاق کی تعداد کی تعیین تھی اور نہ طلاق کے بعد زمانۂ رجعت کی کوئی تحدید تھی، سنگدل شوہر عورت کو طلاق دے دیتا اور جب رجعت کا زمانہ ختم ہونے لگتا پھر زوجیت میں لے لیتا، پھر طلاق دے دیتا۔ اگر چاہتا تو عمر بھر عورت کو اس جال سے نکلنے نہ دیتا۔ اس طرح یہ مسکین دائمی رنج و کوفت میں گرفتار رہتی۔ اور کبھی اس کے پنجۂ ستم سے آزاد نہ ہو سکتی، لیکن مسلمان عورتوں پر ام المومنینؓ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے ان کو جاہلیت کی اس لعنت سے ہمیشہ آزاد کرا دیا، زمانۂ اسلام میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، مظلوم بیوی چارہ گری کے لئے ام المومنین کے پاس دوڑی آئی، انھوں نے یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، اس پر یہ آیت اتری۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ	وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے دو بار ہے اس کے بعد یا حسن اسلوب اس کو زوجیت میں رکھ لینا ہے یا بخیر و خوبی اس کو رخصت کر دینا۔

---

[۱] بخاری و مسلم باب الطلاق فی اغلاق دیکھو [۲] یہ مفصل واقعہ ترمذی کتاب الطلاق میں ہے۔

حج کا زمانہ اوائلِ تاریخ قمری میں واقع ہوتا ہے، اور یہ زمانہ عورتوں کی شرعی معذوری کا ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر مناسکِ حج ان کے لئے تاطہارت ناجائز ہو جائیں تو میدانِ حج وعمرہ، میدانِ قیامت ہو جائے، یعنی ہزاروں کو انتظار میں پڑا رہنا پڑے اور پھر ان کے ساتھ ان کے اعزّہ کو بھی رُکنا پڑے، یا حج کو ناتمام چھوڑ دینا پڑے اور یہ دونوں صورتیں عورتوں کے حق میں سخت ترین مصائب ہیں، ام المومنینؓ نے اس مشکل کا حل خود اپنے واقعہ سے فرما دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں فتویٰ پوچھا، فرمایا، اے عائشہؓ طواف کے سوا اور تمام مناسک ادا کئے جا سکتے ہیں، جو حاجی ادا کرتے ہیں، اور اگر یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کے قریب یہ واقعہ پیش آئے، تو آخری طواف ضروری ہے، اسی بنا پر حضرت عائشہؓ عورتوں کو لے کر حج کرتی تھیں، تو انھیں جن کے متعلق شبہ ہوتا تھا ان کو طواف آخری سے پہلے رخصت کر دیتی تھیں، اور اگر طوافِ آخر کے بعد ایسا معاملہ پیش آتا تو اسی حالت میں وہ بقیہ اعمال (نفر) ادا کراتیں، صحابہ میں سے حضرت زیدؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کو ان مسائل میں حضرت عائشہؓ سے اختلاف تھا، بعد میں حضرت زیدؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنے فتووں سے رجوع کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا فتویٰ قائم رکھا، بلکہ عملاً انھوں نے ایک عورت کو جب ایسا واقعہ پیش آیا، تو اس کو مکہ میں تاطہارت روک دیا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے لوگوں نے اس مسئلہ کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو منیٰ کے میدان میں چھ ہزار عورتیں بیک وقت رُکی پڑی رہیں، پھر عمل جمہور سے اس کی تائید کی (دیکھو موطا زرقانی باب افاضۃ الحائض) ان مسائل میں کون صاحبِ سند ہے، اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

❊

عالمِ نسوانی میں حضرت عائشہؓ کا درجہ

آپ صدیقۂ کبریٰ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی سیرتِ مبارک کا ایک ایک حرف پڑھ چکے، ان کی مقدس زندگی کا ایک ایک واقعہ آپ کی نظر سے گزر چکا، آپ دنیا کی سینکڑوں بڑی بڑی خواتین کے حالات سے آگاہ ہوں گے، تاریخ نے آپ کے سامنے دنیا کی مشہور خواتین کی زندگیوں کے بے شمار مرقعے پیش کئے ہوں گے، لیکن کبھی آپ نے ان کا باہم مقابلہ بھی کیا؟

دنیا کی غیر مسلم مشہور عورتوں کی فہرست میں جو نام داخل ہیں، اس میں زیادہ تر ایسی عورتیں ہیں جن سے اپنی سطحِ جنسی سے ذرا بلند کوئی ایک اتفاقی کارنامہ ظہور میں آگیا وہی ان کی شہرت بال و پر بن گیا۔ ایک عورت نے کسی پرجوش مجمع میں کوئی تقریر کر دی، کسی تدبیر سے دشمنوں کی سازش کو توڑ دیا، یا اپنی قوتِ بازو سے کسی میدان کو مار لیا، یہ فوری اسباب اس کی تاریخی بقا، اور شہرت کا ذریعہ بن گئے۔ غور سے دیکھئے کیا اس کا مقابلہ ایک مسلسل، با نظام اور مستمر العمل کارنامہ سے ہو سکتا ہے، حسن و جمال کی غیر معمولی سحر کاری اور کسی محروم الولد خاندانِ شاہی کے تاجِ زرنگار نے بھی اکثر جنسِ نسوانی کے چہروں کو روشن کیا ہے لیکن دیکھ لیجئے تاریخ نے ہمیشہ حسرت و ناکامی ہی پر اس منظر کا خاتمہ کیا ہے، مصر و ایران اور روم کی تاریخی روداد بھی آپ کے سامنے ہے، اس سے ایک کامیاب، مقدس اور پارسایانہ زندگی کا موازنہ کیا، سوءِ ادب نہیں؟

ان عمومی حیثیتوں کو الگ کر کے مذہب، اخلاق اور تقدس کا پہلو سامنے لائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ نسوانی کا ایک ستارہ بھی اس افق سے طلوع ہونے کے قابل نہیں، ہندوستان کی بعض معصوم صورت دیبیاں آگے بڑھ کر اپنا استحقاق پیش کریں گی، لیکن آپ پوچھ سکتے ہیں کہ عفیفہ! طبیعت کی پاکیزگی اور شوہر پرستی کی مسلم دلیلوں کے علاوہ کوئی اور سند بھی اپنے پاس رکھتی ہو، صدیقۂ کبریٰؓ کے سوا دنیا کی کون خاتون ہے جس نے مذہب، اخلاق

اور تقدس کے ساتھ مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی، غرض گوناگوں فرائض انجام دیتے ہوں، اور جس نے اپنی زندگی کے کارناموں سے خدا پرستی کے نمونوں سے اخلاق کی عملی مثالوں سے روحانیت کی پاک تعلیموں سے اور کسی دین و شریعت اور قانون کی تعلیم و تشریح سے دنیا کی تقریباً دس کروڑ عورتوں کے لئے ایک کامل زندگی اور گراں بہا عملی نمونہ چھوڑا ہو، اور جس نے اس عظیم الشان تعداد نسوانی کو اپنے مذہبی، اجتماعی اور علمی احسانات سے گرانبار کیا ہو۔

مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے سوا حضرت عائشہؓ کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ عورتوں میں سب سے افضل ہیں جمہور علماء نے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ پھر حضرت خدیجہؓ اور تیسرے درجہ میں حضرت عائشہؓ کا نام رکھا ہے۔ لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ علماء نے اپنے اپنے قیاس و اجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے، ان تینوں خواتین کے الگ الگ فضائل اور مناقب احادیث میں مروی ہیں، اسی بناء پر بعض علماء نے اس باب میں توقف مناسب سمجھا ہے، علامہ ابن حزم نے تمام علماء کے برخلاف علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نہ صرف اہلبیت میں، نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، اس دعویٰ پر ان کے بہت سے دلائل ہیں جن کو شوق ہو وہ ملل و نحل میں فضل صحابہؓ کی بحث کی طرف رجوع کرے۔ ہمارا اعتقاد اس بارہ میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ کے ساتھ ہے انھوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجۂ اخروی ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں، اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو حضرت فاطمہ زہراؓ سب سے افضل ہیں، اگر ایمان کی سابقیت، اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلے اور اس زمانہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت

۱؎ مسلمان عورتوں کی تخمینی تعداد۔

وتسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو حضرت خدیجہ کبریٰ کی بزرگی سب پر مقدم ہے، لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقۂ کبریٰ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا (زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۲۶۹، حضرت خدیجہ کا حال)۔

اگرچہ حضرت مریم کی بزرگی کا ہم کو اسلام کے ذریعہ سے علم ہے لیکن انجیل کی روایات ان کو ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں کر سکتیں، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی اسلام میں فضیلت کی مستحق قرار دی گئی ہیں۔ لیکن تورات ان کے شرف کے اظہار سے خاموش ہے۔ اس بناپر عقیدۃً ہم کو ان کی اجمالی فضیلت اور بڑائی سے انکار نہیں، لیکن واقعات اور تاریخ کی زبان سے اس کا جواب سکوتِ محض ہے۔ بہر حال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کر دیا ہے، اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

عن ابی موسی الاشعری قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون و فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔	ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں میں بہت سے کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی کامل پیدا نہ ہوئی اور عائشہ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید[1] کو کھانوں کے دوسرے اقسام پر۔

(بخاری ومسلم مناقب)

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْہَارِ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ وَاَزْوَاجِہِ الْمُطَہَّرَاتِ۔

---

[1] ایک عربی کھانا ہے جو روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں بہت اعلیٰ غذا سمجھی جاتی تھی۔

باسمہ سبحانہ

عَيْنُ الْإِصَابَه

فیما

اِسْتَدْرَكَتْهُ السَّيِّدَةُ عَائِشَةُ عَلَى الصَّحَابَه

لِلْإِمَامِ الْهُمَامِ جَلَالِ الدِّيْنِ السُّيُوْطِي

بتصحیحاتِ عدیدہ و تعلیقاتِ مفیدہ

لِلسَّيِّدِ سُلَيْمَانَ النَّدْوِي

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، ہٰذا جزء لخصت فیہ کتاب الاجابۃ لایرادما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ للامام بدرالدین الزرکشی، مع زیادۃ مایتسر وسمیتہ "عین الاصابۃ فی استدراک عائشۃ علی الصحابۃ" وقد سبق الشیخ بدرالدین الی التالیف فی ذلک الاستاذ ابومنصور الحسن بن محمد بن علی بن طاھر البغدادی الفقیہ المحدث المشہور فجمع فی ذلک کتابا اوردفیہ خمسۃ وعشرین حدیثا باسانیدہ عن شیوخہ وقد انبأنی بہ ابوعبداللہ بن مقبل عن الصلاح بن ابی عمر عن ابی الحسن بن البخاری عن الخشوعی عن ابی عبداللہ بن الحسین بن محمد بن خسرو۔

باب فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا

اخبرنا المصنف سماعا اخرج الحاکم فی المستدرک[1] عن عروۃ قال ما رأیت احدا اعلم بالحلال والحرام والعلم والشعر والطب من عائشۃ، واخرج الحاکم وصححہ عن عروۃ قال قلت لعائشۃ قد اخذت السنن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والشعر والعربیۃ من العرب فممن اخذت الطب، فقالت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان رجلا سقاما وکان اطباء العرب یأتونہ فاتعلم منہم، واخرج الحاکم عن مسروق قال واللہ لقد رأیت الصحابۃ یسئالون عائشۃ عن الفرائض[2]، واخرج الحاکم عن عطاء قال کانت عائشۃ افقہ الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیا فی العامۃ واخرج الحاکم

---

[1] والطبرانی بسند صحیح کما فی زرقانی علی المواہب صفحہ ۲۳۔

[2] راجع ایضا الطبقات لابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۶۔

عن الزهری قال لو جمع علم الناس کلهم ثم علم ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
لکانت عائشۃ اوسعھم علماً ، واخرج الحاکم عن موسیٰ بن طلحۃ قال ما رأیت احداً
افصح من عائشۃ واخرج الحاکم عن الاحنف قال سمعت خطبۃ ابی بکر و عمر و عثمان و
علی والخلفاء ھلم جرا فما سمعت الکلام من فم مخلوق افخم ولا احسن منه من فی
عائشۃ رضی اللہ عنھا واخرج الحاکم صححه عن عائشۃ قالت خلال لی تسع لم تکن لاحد
من النساء قبلی الا ما اتی اللہ عز وجل مریم بنت عمران ، واللہ ما اقول ھذا انی افخر
علی احد من صواحباتی ، قیل و ما ھن قالت جآء الملک بصورتی الی رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم فتزوجنی و انا ابنۃ سبع سنین و اھدیت الیه وانا ابنۃ تسع وتزوجنی
بکراً وکان یأتیه الوحی و انا وھو فی لحاف واحدۃ وکنت من احب الناس الیه
ونزل فیّ آیات من القرآن کادت الامۃ تھلک فیھا ورأیت جبریل ولم یرہ احد
من نسائه غیری وقبض فی بیتی لم یله احد غیر الملک الا انا۔

بَابُ الطہارۃ

روی یعقوب بن سفیان القسری حدثنا محمد بن مصفی حدثنا یحییٰ بن
سعد القطان الانصاری حدثنا عثمان بن عطاء عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن قال
دخلت علی عائشۃ فقلت یا اماہ ان جابر بن عبد اللہ یقول الماء من الماء فقالت
اخطأ جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا جاوز الختان الختان فقد وجبت
الغسل ایوجب الرجم ولا یوجب الغسل ، اخرج ابو منصور البغدادی فی کتابه بسند
فیه من یجھل عن عبدۃ بن ابی لبابه عن محمد الخزاعی عن ابی بن کعب الی عائشۃ
فقال لھا ان علی بن ابی طالب یقول ما ابالی علی ظھر حمار مستحب ام علی الناخیین
فقالت عائشۃ ارجع الیه فقل له ان عائشۃ تنشدک ھل علمت ما علم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم بعد تنزیل سورۃ المائدۃ فاتاہ فقال ان عائشۃ اخبرتنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نزلت علیہ سورۃ المائدۃ لم یزد علی المسح علی التساخین فلما اخبرہ ذلک انتہی، الی قول عائشۃ وعمل بہ علی التساخین الخفاف، قال ثعلب لا واحد لہا واخرج الدارقطنی فی سننہ من طریق ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ انہا بلغہا قول ابن عمر فی القبلۃ الوضوء فقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل وھو صائم ثم لا یتوضأ واخرج مسلم والنسائی عن عبید بن عمیر قال بلغ عائشۃ ان ابن عمر یأمر النساء اذا اغتسلن ان ان ینقضن رؤسہن قالت افلا یامرھن ان یحلقن رؤسہن لقد کنت اغتسل انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد ما ازید علی ان افرغ علی راسی ثلاث افراغات ولفظ النسائی وما انقض لی شعراً واخرج ابو منصور البغدادی فی کتابہ من طریق محمد بن عمرو بن یحیی بن عبد الرحمن بن حاطب عن ابی ہریرۃ انہ قال من غسل میتا اغتسل ومن حملہ توضأ فبلغ ذلک عائشۃ فقالت اونجس موتی المسلمین وما علی رجل لو حمل عوداً۔

باب الصلوٰۃ

اخرج الطبرانی فی الاوسط من طریق محمد بن عمرو بن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ

ف التساخین الخفاف لا واحد لہا مثل التعاشیب، وقال ثعلب لیس للتساخین واحد من لفظہا کالنساء لا واحد لہا وقیل الواحد تسخان وتسخن وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث سریۃ فامرھم ان یمسحوا علی المشاوذ والتساخین، المشاوذ العمائم والتساخین الخفاف قال ابن الاثیر وحمزۃ الاصبہانی فی کتاب الموازنۃ التسخان تعریب تشکن وھو اسم غطاء من اغطیۃ الراس، کان العلماء والموابذۃ یاخذونہ علی رؤسہم خاصۃ دون غیرھم، قال وجاء ذکر التساخین فی الحدیث فقال من تعاطی تفسیرہ ھو الخف حیث لم یعرف فارسیۃ والتاء فیہ زائدۃ (لسان العرب الجزء، ا ص۶۹ فصل السین حرف النون "سخن" ؎ سنن دارقطنی جلد ا ص۵ ؎ مسلم باب اضافۃ الماء ونسائی باب ترک المرأۃ نقض راسہا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یوتر فلا صلوٰۃ لہ فبلغ ذلک عائشۃ فقالت من سمع ھٰذا من ابی القاسم ما بعد العھد وما نسینا انما قال ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم من جآء بصلوات الخمس یوم القیامۃ حافظا علی وضوئھ ومواقیتھا ورکوعھا وسجودھا لم ینتقص منہ شیئًا کان لہ عند اللہ عھد ان لا یعذبہ ومن جاء وقد انتقص منھن شیئًا فلیس لہٗ عند اللہ عھد ان شاء رحمہ وان شاء عذبہ واخرج ابو القاسم عبد اللہ بن محمد البغوی من طریق ابی القاسم بن محمد قال بلغ عائشۃ ان ابا ھریرۃ یقول ان المراۃ تقطع الصلوٰۃ فقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلّی فتقع رجلی بین یدیہ او بحذائہ فیصرفھا فاقبضھا و اصلہ فی الصحیح واخرج البیھقی فی سننہ عن ابی نھیک ان ابا الدرداءؓ خطب فقال من ادرک الصبح فلا وتر لہ فذکر ذالک لعائشۃ فقالت کذب ابو الدردار کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصبح فیوتر واخرج مسلم عن انس قال کان عمر یضرب الایدی علی الصّلوٰۃ بعد العصر واخرج عن طاؤسؒ عن عائشۃ قالت وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا۔

بَابُ الجنائز

اخرج مسلم عن عباد بن عبد اللہ بن الزبیر ما عائشۃ امرت ان یمر بجنازۃ سعد بن ابی وقاص فی المسجد فیصلی علیہ فانکر الناس ذلک علیھا فقالت اسرع مانسی الناس، ما صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سھل بن البیضاء فی المسجد واخرج الشیخان عن عبد اللہ بن ابی ملیکۃ قال توفیت ابنۃ[۳] لعثمان بن عفان فجئنا لنشھدھا وحضرھا ابن عمر و ابن عباس فقال عبد اللہ بن

[۱] اخرجہ احمد فی مسندہ جلد ۶ ص ۷۳ [۲] ایضاً جلد ۶ ص ۱۲۴ [۳] اسمھا ام ابان وتوفیت بمکۃ کما عند مسلم۔

عمر لعمرو بن عثمان الا تنھی عن البکاء فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت
لیعذب ببکاء اھلہ علیہ، فقال ابن عباس قد کان عمر یقول بعض ذلک، فذکر ذلک
لعائشۃ فقالت یرحم اللہ عمر لا واللہ ما حدث رسول اللہ علیہ وسلم ان اللہ
یعذب المؤمن ببکاء احد ولکن قال ان اللہ یزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ قال
وقالت عائشۃ حسبکم القران ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ قال ابن ملیکۃ فواللہ ما
قال ابن عمر شیئا، واخرج الشیخان عن عمرۃ ان عائشۃ ذکر لھا ان عبداللہ بن عمر
یقول ان المیت لیعذب ببکاء الحی، فقالت عائشۃ یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما انہ
لم یکذب ولکنہ نسی او اخطأ انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یھودیۃ
یبکی علیھا اھلھا فقال انھم یبکون علیھا وانھا لتعذب فی قبرھا، واخرج مسلم عن
عروۃ قال قیل لعائشۃ انھم یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی برد حبرۃ
قالت قد جاءوا ببرد حبرۃ ولم یکفنوہ واخرج الطبرانی فی الاوسط عن موسیٰ بن طلحۃ
قال بلغ عائشۃ ان ابن عمر یقول ان موت الفجاءۃ تخفیف علی المؤمنین وسخطۃ علی
الکافرین، واخرج البخاری عن ابن عمر قال وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قلیب بدر
فقال ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا ثم انھم الاٰن یسمعون ما اقول فذکر ذلک لعائشۃ
فقالت انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھم لیعلمون الاٰن ما کنت اقول لھم
حق واخرج الدارقطنی من طریق مجاھد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اذا احب العبد لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ واذا کرہ العبد لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ
فذکر ذالک لعائشۃ فقالت یرحمہ اللہ حدثکم باٰخر الحدیث ولم یحدثکم باولہ
قالت عائشۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد اللہ بعبد خیرا بعث الیہ

---

[1] ولفظ البخاری ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اھلہ علیہ [2] کما عند البخاری وعند
مسلم من شئ [3] ایضا فی مسند احمد ص ۱۴۳/۶۔

ملكاً فی عامه الذی یموت فیه فیسدده ویبشره فاذا کان عند موته اتی ملك الموت فقعد عند راسه فقال ایتها النفس المطمئنة اخرجی علی مغفرة من الله ورضوان ویتهوع نفسه رجلاون فتخرج فذالك حین یحب لقاء الله ویحب الله لقاءه واذا اراد بعبد شرا بعث الیه شیطاناً فی عامه الذی یموت فیه فاغراه فاذا کان عند موته اتاه ملك الموت فقعد عند راسه فقال ایتها النفس اخرجی الی سخط من الله وغضب فتفرق فی جسده فذالك حین یبغض لقاء الله ویبغض الله لقاءه قال الدار قطنی غریبٌ من حدیث مجاهد عن ابی هریرة وعائشة تفرد به عطاء بن السائب عنه ولا اعلم احداً احدث به عنه غیر محمّد بن فضیل، واخرج ابوداؤد وابن حبان والحاکم[1] وصححه عن ابی سعید الخدری انه لما حضره الموت دعا بثیاب جدد فلبسها ثمّ قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان المیت یبعث فی ثیابه الذی یموت فیها قال الزرکشی رایت فی کتاب اصول الفقه لابی الحسن احمد بن القطان من قدماء اصحابنا من اصحاب ابن جریج فی الکلام علی الروایة بالمعنی ان اباسعید رضی الله عنه فهم من الحدیث ان النبی صلی الله علیه وسلم اراد بالثیاب الکفن وان عائشة رضی الله عنها انکرت ذالك علیه وقالت یرحم الله اباسعید انما اراد النبی صلی الله علیه وسلم عمله الذی مات علیه قد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یحشر الناس حفاة عراة غرلا انتهی، واخرج ابومنصور البغدادی من طریق محمد بن عبید الطنافسی عن الاعمش عن خثیمة عن ابی عطیة قال دخلت انا ومسروق علی عائشة فقال مسروق قال عبد الله بن مسعود من احب لقاء الله احب الله لقاءه ومن کره لقاء الله کره الله لقاءه فقالت عائشة یرحم الله اباعبدالرحمٰن حدث باول الحدیث ولم

---

[1] المستدرك للحاکم ص ۳۴۱ ج ۱

تسألوه عن اخرہٖ ان اللہ اذا اراد لعبدٍ خیرًا قیض لہ قبل موتہ بعام ملکا یوفقہ ولیسدہ
حتی یقول الناس مات فلان علی خیر ما کان فاذا حضرو رای ثوابہ من الجنۃ
تہوع بنفسہ او قال تہوعت نفسہ فذالک حین احب لقاء اللہ واحب اللہ لقاءہ
واذا اراد لعبد سوءً قیض لہ قبل موتہ بعام شیطانًا فافتنہ حتی یقول الناس
مات فلان علی شر ما کان فاذا حضر رای ما نزل علیہ من العذاب فبلغ نفسہ ذالک
حین کرہ لقاء اللہ وکرہ اللہ لقاءہٗ۔

بَابُ الصِّیَام

اخرج احمد عن یحیی بن عبد الرحمن عن ابی عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
الشہر تسع وعشرون فذکروا ذالک لعائشۃ فقالت یرحم اللہ اباعبد الرحمن انما
قال الشہر قد یکون تسعا وعشرین واخرج ابن ابی شیبۃ عن سعید بن عمران عبد اللہ
بن عمر حدثہم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب
الشہر کذا وکذا وضرب لثالثۃ وقبض الابہام فقالت عائشۃ یغفر اللہ لابی
عبد الرحمن انما ھجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ شہرا فنزل لتسع وعشرین
فقیل یارسول اللہ انک الیت شہرا فقال وان الشہر یکون تسعا وعشرین۔ واخرج
مسلم عن الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمن عن ابی بکر بن عبد الرحمن قال سمعت
ابا ھریرۃ یقص یقول فی قصصہ من ادرکہ الفجر جنبًا فلا یصم قال فذکرت
ذالک لعبد الرحمن بن الحارث فذکرہ لابیہ فانکر ذالک فانطلق عبد الرحمن
وانطلقت معہ حتی دخلنا علی عائشۃ وام سلمۃ فسألہا عبد الرحمن عن
ذالک قال فکلتاھما قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصبح جنبًا من غیر حلم

لہ فی مسند ص ۲۴۳-[۱]

ثم ليصوم فانطلقنا حتى مروان فذكر ذالك له عبد الرحمن فقال مروان عزمت عليك الا ماذهبت الى ابى هريرة فرددت عليه مايقول قال فجئنا اباهريرة فذكر له عبد الرحمن فقال ابوهريره اهما قالتا قال نعم قال هما اعلم ثم رد ابوهريرة ما كان يقول فى ذالك الى الفضل بن عباس قال سمعت ذالك من الفضل ولم اسمع من النبى صلى الله عليه وسلم فرجع ابوهريرة عما كانت يقول فى ذالك قال البزاز فى مسنده ولا نعلم روى ابوهريرة عن الفضل بن العباس الا هذا الحديث الواحد.

باب الحج

اخرج البيهقى فى سننه عن سالم عن ابى عمر سمعت عمر يقول اذا رميتم وحلقتم فقد حَلَّ لكم كل شئ الا النساء والطيب قال سالم وقالت عائشة كل شئ الا النساء انا طيبت رسول الله صلى الله عليه وسلم لحله قال سالم وسنة رسول الله احق ان تتبع واخرج البخارى ومسلم عن عمرة بنت عبد الرحمن ان زياد بن ابى سفيان كتب الى عائشة ان عبد الله قال من اهدى هديا حرم عليه ما يحرم على الحاج حتى ينحر الهدى وقد بعث بهديى فاكتبى الى بامرك فقالت عمرة قالت عائشة ليس كما قال ابن عباس انا فتلت قلائد هدى رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى ثم قلدها رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده ثم بعث بها مع ابى فلم يحرم عليه شئ احله الله له حتى نحر الهدى واخرج البيهقى فى سننه عن الزهرى قال اول من كشف العمى عن الناس وبين لهم السنة فى ذالك عائشة فاخبرنى عروة وعمرة ان

ك راجع النسخة المطبوعة ص ١٣٥ له واخرجه احمد فى مسنده بلفظ آخر ص ١٩
ك وهذا لفظ مسلم ك راجع النسخة المطبوعة ص ٢٣٤.

عائشۃ قالت انی کنت لافتل قلائد ھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیبعث بہدیہ
مقلدا وھو مقیم بالمدینۃ ثم لا یجتنب شیئا حتی ینحر ھدیہ فلما بلغ الناس قول
عائشۃ ھذا اخذوا بہ وترکوا فتوی ابن عباس واخرج البخاری ومسلم والنسائی
عن محمد بن المنتشر قال سألت ابن عمر عن الطیب عند الاحرام قال لان اطلی
بالقار احب الی من ان ینضح طیبا فذکرت ذالک لعائشۃ فقالت یرحم اللہ ابا
عبد الرحمن قد کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیطوف فی نسائہ ثم
یصبح محرما ینضح طیبا واخرج الشیخان عن مجاھد ان عروۃ سال ابن عمر کم
اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع عمر احداھن فی رجب وکرھنا ان نرد
علیہ وسمعنا استنان عائشۃ فی الحجرۃ فقال عروۃ الا تسمعین یا ام المومنین الی ما
یقول ابو عبد الرحمن قالت وما یقول قال یقول اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اربع عمر احداھن فی رجب فقالت یرحم اللہ ابا عبد الرحمن ما اعتمر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الا وھو معہ وما اعتمر فی رجب قط، واخرج ابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ عن
مجاھد قال سئل ابن عمر کم اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مرتین فقالت
عائشۃ لقد علم ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اعتمر ثلاثا سوی التی
قرنہا بحجۃ الوداع واخرج الشافعی والبیہقی عن سالم عن ابیہ انہ کان یفتی النساء
اذا احرمن ان یقطعن الخفین حتی اخبرتہ صفیۃ عن عائشۃ انہا تفتی النساء اذا احرمن
ان لا یقطعن فانتہی عنہ واخرج ابو داؤد وابن خزیمۃ عن سالم بن عبد اللہ بن عمر کان
یصنع ذالک ثم حدثتہ صفیہ بنت ابی عبید ان عائشۃ حدثتہا ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قد کان رخص النساء فی الخفین فترک ذالک واخرج الامام
احمد فی کتاب المناسک الکبیر عن مجاھد ان عائشۃ کانت تقول الا تعجبون من
ابن الزبیر یفتی المرأۃ المحرمۃ ان تاخذ من شعرھا اربع اصابع وانہا یکفیہا

من ذالک الطرف و اخرج البیہقی فی سننہ عن ابی اسحٰق عن البراء قال اعتمر رسول
صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث عمر کلہن فی ذی القعدۃ فقالت عائشۃ لقد اعتمر اربع عمر
بعمرتہ التی حج معہا واخرج البیہقی فی سننہ عن ابی علقمۃ قال دخل شیبۃ بن
عثمان علی عائشۃ فقال یا ام المومنین ان ثیاب الکعبۃ تجمع علینا فتکثر
فنعمد الی ابار فنحفرھا فنعمقہا ثم ندفن ثیاب الکعبۃ فیہا کیلا یلبسہا الجنب
والحائض. فقالت عائشۃ ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبۃ اذ نزعت
منہا لم یضرھا ان یلبسہا الجنب والحائض ولکن بعہا واجعل ثمنہا فی المساکین
وابن السبیل۔

بَابُ البَیْع

اخرج عبد الرزاق فی المصنف والدارقطنی والبیہقی فی سننہما عن ابی اسحاق
السبیعی عن امرأتہ انہا دخلت علی عائشۃ فی نسوۃ فسألتہا امرأۃ فقالت یا ام المومنین
کانت لی جاریۃ انی بعتہا من زید ابن ارقم بثمان مائۃ الی عطائہ وانہ اراد بیعہا
فابتعتہا بستمائۃ درھم نقدا فقالت عائشۃ بئسما شریت وبئس ما اشتریت
ما بلغی زیدا انہ قد ابطل جہادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان
یتوب فقالت المرأۃ لعائشۃ ارأیت ان لم اخذ منہ الا راس مالی قالت فمن جاءہ
موعظۃ من ربہ فانتہی فلہ ما سلف[1]

بَابُ النِّکَاح

اخرج الحاکم وصححہ عن ابی ملیکۃ قالت سألت عائشۃ عن متعۃ النساء فقالت
بینی وبینکم کتاب اللہ وقرأت ھذہ الایۃ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ

---

[1] ھذہ روایۃ دارقطنی صـ۳۰۲ واخرج البیہقی الفاظ آخر صـ۳۳۱ جـ۵

الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين فمن ابتغى وراء
ما زوجه الله او ما ملكه فقد عدا وخرج مسلم والاربعة عن الشعبي قال دخلت على
فاطمة بنت قيس فسألتها عن قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها فقالت طلقها
زوجها البتة فخاصمته الى النبي صلى الله عليه وسلم في السكنى والنفقة قالت فلم
يجعل لي سكنى ولا نفقة وخرج البخاري تعليقا وابو داؤد عن عروة قالت لقد
عابت عائشة اشد العيب يعني حديث فاطمة وقالت انها كانت في منزل وحش
فخيف على ناحيتها فلذلك رخص لها رسول الله صلى الله عليه وسلم وخرج مسلم عن
عروة قال تزوج ابن سعيد بن العاص ابنة عبد الرحمن بن الحكم فطلقها فاخرجها
من عنده فعاب ذلك عليهم عروة فقالوا ان فاطمة قد خرجت قال عروة
فاتيت عائشة فاخبرتها بذلك فقالت ما لفاطمة بنت قيس خير في
ان تذكر هذا الحديث۔

باب جامع

خرج البخاري من طريق القاسم عن عائشة قالت من زعم ان محمدا رأى ربه
فقد اعظم ولكن رأى جبريل في صورته وخلقه ساد ما بين الافق واخرج مسلم
عن مسروق قال قلت لعائشة يا امتاه هل رأى محمد ربه فقالت لقد قف شعري مما
قلت من حدثك بان محمدا رأى ربه فقد كذب ثم قرأت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ
هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ولكنه رأى جبريل في صورته مرتين
واخرج البخاري عن ابي مليكة قال قرأ ابن عباس حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا
أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا خفيفة وتلا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ

ثم وفي القران ذلك فاولئك هم العادون فكانما فسرت عائشة ذلك بقولها ثم في تفسير
سورة البقرة ثم قرؤ ذلك ابن عباس تفسير المدينة وليس من القرآن۔

فلقيت عروة بن الزبير فذكرت له ذلك فقال قالت عائشة معاذ الله والله ما وعد
الله رسوله من شيء قط الا علم انه كائن قبل ان يموت ولكن لم تزل البلايا بالرسل حتى
خافوا ان يكون من معهم يكذبونهم فكانت تقرؤها قد كذبوا مثقلة. واخرج الطيالسي[1]
في مسنده عن مكحول قال قيل لعائشة ان ابا هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم الشؤم في ثلاثة في الدار والمرأة والفرس فقالت عائشة
لم يحفظ ابو هريرة انه دخل ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
قاتل الله اليهود يقولون ان الشوم في ثلاث في الدار والمرأة والفرس فسمع
آخر الحديث ولم يسمع اوله. واخرج احمد[2] عن ابي حسان الاعرج ان رجلين دخلا على
عائشة ان ابا هريرة يحدث ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول انما الطيرة
في المرأة والدابة والدار فقالت والذي انزل الفرقان على ابي القاسم ما هكذا كان
يقول ولكن كان يقول كان اهل الجاهلية يقولون الطيرة في المرأة والدابة والدار
ثم قرأت عائشة مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّبْرَاَهَا الاٰية واخرج البزار عن علقمة قال قيل لعائشة ان ابا هريرة يروى
عن النبي صلى الله عليه وسلم ان امرأة عذبت في هرة فقالت عائشة ان المرأة كانت
كافرة قال ولا نعلم روى علقمة عن ابي هريرة الا هذا الحديث. واخرج قاسم بن
ثابت السرقسطي في غريب الحديث عن علقمة بن قيس قال كنا عند عائشة رضي الله
عنها ومعنا ابو هريرة فقالت يا ابا هريرة انت الذي تحدث عن رسول الله صلى الله
عليه وسلم ان امرأة عذبت بالنار في جرء هرة لها واطعمتها ولا سقتها ولا هي تركتها
تاكل من خشاش الارض حتى ماتت، قال ابو هريرة سمعت من رسول الله صلى الله

---

[1] في نسخة المطبوعة ص ٢١٥ [2] مسند جلد ٦ ص ٢٤٦ واخرج في صفحة ٢٤٠ بلفظ آخر۔
[3] ايضاً في مسند الطيالسي في مسند عائشة ص ١٩٩۔

علیه وسلم قالت عائشة المؤمن اکرم عند الله من ان یعذب به فی جرجرة امان العرأة من ذلك كانت کافرة یا اباهریرة اذا حدثت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فانظر کیف تحدث واخرج البخاری ومسلم عن عروة عن عائشة قال ان ازواج النبی صلی الله علیه وسلم حین توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم اردن ان یبعثن عثمان بن عفان الی ابی بکر لیسألنه میراثهن من رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت عائشة لهن الیس قد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا نورث ما ترکناه صدقة واخرج الخطیب عن حسین بن محمد الحرانی والبومنصور البغدادی عن الکلبی عن ابی هریرة قال لان یمتلی جوف احدکم قیحا ودما خیر له من ان یمتلی شعرا فقالت عائشة لم یحفظ الحدیث انه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان یمتلی جوف احدکم قیحا ودما خیر له من ان یمتلی شعرا هجیت به و اخرج الحاکم وصححه والبیهقی فی سننه عن عروة قال بلغ عائشة ان اباهریرة یقول ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لان امتع بسوط فی سبیل الله احب الی من اعتق ولد الزنا وان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ولد الزنا شر الثلاثة وان المیت یعذب ببکاء الحی فقالت عائشة رحم الله اباهریرة اساء سمعا فاساء اجابة اما قوله لان امتع بسوط فی سبیل الله احب الی من ان اعتق ولد الزنا انها لما نزلت فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة فك رقبة قیل یا رسول الله ما عندنا ما نعتق الا ان احدنا له جاریة سوداء تخدمه وتسعیٰ علیه فلو امرناهن فزنین فجئن بالاولاد فاعتقناهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان امتع بسوط فی سبیل الله احب الیّ من ان امر بالزنا ثم اعتق الولد واما قوله ولد الزنا شر الثلاثة فلم یکن الحدیث علی هذا انما کان رجل من المنافقین یوذی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال من یعذرنی من فلان قیل یا رسول الله صلی الله علیه وسلم مع ما به ولد زنا فقال هو شر الثلاثة والله تعالیٰ یقول ولا تزر وازرة وزر اخریٰ واما قوله

---

[۱] قال الشوکانی موضوع انه موضوع ص۱۴۳ [۲] المستدرك للحاکم کتاب العتق جلد۲ ص۲۱۵۔

ان الميت ليعذب ببكاء الحي فلم يكن الحديث على هذا ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم
بدار رجل من اليهود قد مات واهله يبكون عليه وانه ليعذب والله عز وجل يقول
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. واخرج البخاري عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن ام مكتوم واخرج البيهقي عن عروة
عن عائشة[1] قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابن ام مكتوم رجل اعمى فاذا اذن
فكلوا واشربوا حتى يؤذن بلال وكان بلال يبصر الفجر وكانت عائشة تقول غلط ابن عمر هذا
آخر ما اورده الزركشي. بق. سدفت مما اورده اشياء لانها ليست من باب الاستدراك و
هذه زيادات لم يذكرها. اخرج الائمة الستة الا ابا داؤد عن ابي هريرة قال اتي النبي
صلى الله عليه وسلم بلحم فرفع اليه الذراع وكانت تعجبه واخرج الترمذي عن عائشة[2] قالت
ما كانت الذراع احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن كان لا يجد اللحم الا غبا
فكان يعجل اليه لانه اعجلها نضجا. واخرج ابن ابي شيبة عن ابي رزين قال خرج الينا ابو هريرة
يضرب بيده على جبهته ثم قال انكم تحدثون اني اكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم
اشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا انقطع شسع احدكم فلا يمشي
في الاخرى حتى يصلحها. وقال ابن ابي شيبة حدثنا ابن عيينة عن عبد الرحمن بن القاسم
عن ابيه ان عائشة[3] كانت تمشي في خف واحد وتقول لاحنثن ابا هريرة. انتهى والله
اعلم. تم بحمد الله كتاب عين الاصابة فيما استدركته السيدة عائشة رضي الله عنها على الصحابة
تاليف العلامة المحدث سيدنا ومولانا الجلال السيوطي تغمده الله بالرحمة والرضوان ونفعنا به
وببركات علومه ونفحاته وجلواته ورحمانيته.

---

[1] فلانه ثبت عن عائشة في البخاري ص٨٦ [2] في جامع الترمذي باب ما جاء في كراهية المشي
في النعل الواحدة ص٣٠ [3] الترمذي ايضا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کی
عمر پر تحقیقی نظر

(حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ؒ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت عائشہؓ کی عمر

اُن کے نکاح کے وقت کیا تھی؟

حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نکاح ہوا ہے۔ اس وقت اسلامی روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پچاس برس تھی اور حضرت عائشہؓ کی عمر کا چھٹا سال تمام ہوگیا تھا تو اں شروع تھا۔ نکاح کے تین برس بعد ان کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔

مخالفین اسلام کا اعتراض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی بڑی عمر میں اس قدر کم سن لڑکی سے نکاح کرنا نامناسب تھا اس اعتراض کے جواب میں مسلمان جواب دینے والوں نے مختلف راہیں اختیار کیں۔ ایک نے کم سنی کی شادی کی نامناسبت ہی کا انکار کردیا، دوسرے نے نکاح اور رخصتی کی تاریخوں کو تسلیم کرلیا لیکن رخصتی کے اس عمر میں ہوجانے سے تعلقات زن و شوئی کا بھی اسی زمانہ سے شروع ہوجانا ضروری نہیں قرار دیا بلکہ ان کے نویں سال کو صرف رخصتی کی عمر قرار دیا۔

لیکن تیسرے صاحب سب سے زیادہ تیز ثابت ہوئے انھوں نے آج کل کے جدید علم کلام کی پیروی میں سرے سے ان واقعات کی ان تاریخوں ہی سے انکار کردیا، اور اس پر ایک بے جوڑ سا مضمون لکھ کر تمام اخباروں میں شائع کردیا، اشتہار کی صورت میں تقسیم کیا اور لوگوں کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا۔ خود میرے پاس یہ کئی مرتبہ بھیجا گیا اور میں ہر دفعہ یہ سمجھ کر خاموش رہا کہ مضمون نگار کی نیت اچھی ہے لیکن دیکھتا ہوں کہ اس تسامح نے ایک طرف یہ نقصان پہنچایا کہ یہ جدید نظریہ مستند تاریخوں میں جگہ پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی کے ترکی مترجم کے معاون اردو ظفر حسن صاحب نے قسطنطنیہ سے اس مضمون کا حوالہ دے کر لکھا کہ اگر یہ مضمون آپ کی تحقیق میں درست ہے تو سیرت

لئے ترکی ترجمہ میں داخل کر دیا جائے، اور دوسری طرف یہ آگے بڑھ کر ایک فقہی مسئلہ کے استدلال میں
پیش کیا جا رہا ہے اس لئے اب ضرورت ہے کہ اس غیر ذمہ دارانہ مضمون کی تردید کر دی جائے

اس مضمون کی بنیاد یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مصنف شیخ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ کے راویوں
کے حال میں ایک مختصر سا رسالہ الاکمال فی اسماء الرجال لکھا ہے، جو مشکوٰۃ کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر چھپ
گیا ہے، صاحب مضمون کا بیان ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماؓ حضرت
عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں، اور حضرت اسماءؓ نے سو برس کی عمر میں ۷۳ھ میں وفات پائی، اس
سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر ستائیس سال، اور حضرت عائشہؓ کی ان سے دس
برس کم ۱۷ برس ہوگی اور نکاح کے وقت پندرہواں برس ختم یا سولہواں شروع ہوگا

اس واقعہ کی تنقید کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود اس رسالہ کی حیثیت معلوم کی جائے
پھر اس کی روایت کی تحقیق کی جائے اور پھر مستند روایتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے، سب سے پہلے
یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ شیخ ولی الدین خطیب کا یہ مختصر رسالہ کوئی استناد کی حیثیت نہیں رکھتا، یہ
سرسری طور سے صرف مشکوٰۃ کے طلبہ کی معمولی واقفیت کے لئے لکھا گیا ہے، خطیب آٹھویں
صدی کے آدمی ہیں، ۷۴۰ھ کے بعد یعنی مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد انہوں نے یہ رسالہ لکھا، ایک
ایسے امر اہم کے لئے اور ایک ایسے واقعہ کے لئے جو تمام قدیم مستند روایتوں کے خلاف ہے آٹھویں
صدی کے ایک مؤلف کا بیان کہاں تک قابل وثوق ہوگا،

لیکن اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ مضمون نگار نے شیخ خطیب کی اصل عبارت نقل
نہیں کی اور صرف یہ لکھ کر کہ ایک ایسے ثقہ، اور معتبر و مستند مؤلف نے یہ لکھا ہے، اس کے بعد مذکورہ
بیان جزم و یقین اور حتم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، حالانکہ غریب خطیب نے اس کو ضعف کے
صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں،

قیل اسلمت بعد سبعة عشر انسانا وهی اکبر
من اختها عائشة بعشر سنین وماتت بعد

کہا گیا ہے کہ وہ اسلام لائیں، آدمیوں کے بعد سترہ وہ اپنی
بہن عائشہؓ سے دس برس بڑی ہیں، اپنے فرزند عبد

قتل ابن الزبير بعشرة ايام وقيل بعشرين يوما وله مائة سنة وذلك سنة ثلاث وسبعين

بن زبیرؓ کے قتل کے دس دن، اور کہا گیا ہے کہ ۲۰ دن کے بعد انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۱۰۰ برس کی تھی، اور سنہ ۷۳ھ تھا

کہاں مضمون نگار کا جزم و یقین، کہاں مؤلف کا ضعف و عدم قطعیت! اگر اس عبارت کو قیل کے تحت میں نہ بھی مانیے تو یہ مانیے کہ ہر مصنف سے تسامح کا ہونا ممکن ہے، خطیب نے بھی یہاں غلطی کی ہے اور وہ بلا شک و شبہ تسامح کے مرتکب ہوئے ہیں، چنانچہ اسی کتاب میں حضرت عائشہؓ کے حال میں وہ لکھتے ہیں:-

تزوجها بمكة في شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة بثلث سنين وقيل غير ذالك واعرس بها بالمدينة في شوال سنة اثنين من الهجرة على راس ثماني عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل دخل بها بالمدينة بعد سبعة اشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثماني عشرة سنة.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے ان سے شادی کی اور ہجرت سے اس تین سال سے کم و بیش زمانہ بھی بتایا گیا ہے اور آپ نے ان کے ساتھ شب عروسی گزاری، مدینہ میں شوال سنہ ۲ھ میں ہجرت کے ۱۸ مہینے بعد اس وقت وہ نو برس کی تھیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہجرت کے سات مہینہ کے بعد آپ نے خلوت کی اور آپ کے ساتھ وہ نو برس رہیں اور آپ کی وفات کے وقت وہ ۱۸ برس کی تھیں،

ذرا ہمارے محقق مضمون نگار ایک ہی مصنف کی ایک ہی کتاب کے ان دو مقامات میں ذرا تطبیق تو دے دیں، پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کی تحقیق حال کے لئے انھوں نے اس رسالہ میں حضرت اسماءؓ کا تو حال پڑھا ہو، لیکن خود حضرت عائشہؓ کے حال پر ان کی نظر نہ پڑی ہو، پھر کیا یہ دانستہ غلطی کا ارتکاب نہیں ہے۔

جو کچھ خطیب نے اس موقع پر لکھا ہے، اسلام کے پورے تاریخی سرمایہ میں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے، صحیح بخاری (مناقب عائشہؓ، تزویج صغار وغیرہ ابواب) صحیح مسلم (نکاح)، مسند

حاکم (جلد ۴) مسند احمد (جلد ۶ صفحہ ۱۱۸) نیز ابن سعد (جلد ۸) استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ وغیرہ حدیث و سیر کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرا نکاح چھ برس کے سن میں اور رخصتی نو برس کے سن میں ہوئی۔ بخاری (فضل خدیجہؓ) اور مسند (جلد ۶ صفحہ ۵۸) میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد میری شادی ہوئی۔ اس سے مقصود میری رخصتی ہے، یا راویوں نے غلطی سے رخصتی کی تاریخ کے بجائے اس کو نکاح کی تاریخ بتا دیا ہے کیونکہ دیگر صحیح روایتوں سے اس کی تطبیق ناگزیر ہے۔

اب یا تو آٹھویں صدی کے خطیب کی ایک غلط روایت پر قیاس در قیاس کو صحیح مانو، یا امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن عبد البر، ابن الاثیر، ابن حجر وغیرہ محدثین و مورخین سلف کو مانو، یہ بھی یاد رہے کہ بخاری، مسلم، ابن حنبل، حاکم اور ابن سعد میں حضرت عائشہؓ کے نکاح و رخصتی کی یہ تاریخیں خود انھیں کی زبانی اور انھیں کے گھر کے لوگوں کے ذریعہ سے مروی ہیں جس سے زیادہ معتبر روایت اور کیا ہو سکتی ہے۔

ان اصل شہادتوں کے ساتھ ضمنی بیانات کو بھی ملاؤ، حضرت عائشہؓ نکاح اور رخصتی کے وقت اتنی چھوٹی تھیں، ہنڈولے جھولتی تھیں، گڑیاں کھیلتی تھیں (ابوداؤد کتاب الادب و ابن ماجہ باب مزاح النساء و صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ) وہ فرماتی ہیں کہ سورہ قمر کی آیتیں جب نازل ہوتی ہیں تو میں کھیل رہی تھی (صحیح بخاری تفسیر قمر) کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھے خبر بھی نہ ہوتی تھی (ابن سعد ۸ صفحہ ۴۲) افک کے موقع پر ہے کہ وہ جاریۃ حدیثۃ السن (بخاری) کم سن لڑکی تھیں، حالانکہ مضمون نگار کے قیاس در قیاس کے رو سے اس وقت ان کی عمر کم از کم بیس اکیس برس ہوگی، بیس اکیس برس کی عورت کم سن لڑکی کہی جاتے گی؟

ان دلائل کے بعد خطیب کی ایک اتفاقی غلطی پر جو بنیاد کھڑی کی گئی ہے، اس کے گرنے میں کتنی دیر لگے گی، ہمیں معلوم ہے کہ اس ارادی غلطی کا کیوں ارتکاب کیا گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم علم اور مذہب کے باب میں "دروغ مصلحت آمیز" کے فتوے پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اب رہا اصل اعتراض کا جواب تو وہ یہ ہے کہ معترض یورپ کی سرد آب وہوا پر عرب کی گرم آب وہوا کا قیاس کر رہا ہے۔ ٹھنڈے ملکوں میں بلوغ کی عمر بہت دیر کو آتی ہے اور گرم ملکوں میں بہت جلد آجاتی ہے۔ خود ہندوستان میں بھی یورپ سے نسبتاً جلد لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں اس نکاح سے آنحضرت صلعم کا جو مقصود تھا وہ تاریخ اسلام کے صفحوں سے ظاہر ہے۔ اول مقصود تو نبوت وخلافت کے باہمی رشتوں کا استحکام تھا، اور دوسرے حضرت عائشہؓ کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کے اسلامی تعلیمات کے نشر واشاعت کا سامان کرنا بحمد اللہ کہ یہ مقاصد عظمیٰ حرف حرف پورے ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زندگی اس کی گواہ ہے تاہم یہ نبوت کی وہ استثنائی مثال ہے جس کی پیروی مسلمان کو صرف استثنائی ہی صورت میں کرنا چاہیئے۔

بہرحال تمام احادیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ان کے نکاح اور رخصتی کے متعلق جو الفاظ مروی ہیں وہ بلا استثنا یہی ہیں۔ صحیح بخاری باب انکاح الرجل میں ہے۔

عن عائشة ان النبی صلعم تزوجها وھی بنت ست سنین وادخلت علیه وھی بنت تسع ومکثت عنده تسعا (جلد اول صـ) — حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم سے جب انکی شادی کی تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب وہ آپکی خدمت میں لائی گئیں تو نو برس کی تھیں اور نو برس آپکی رفاقت میں رہیں۔

یہی واقعہ احادیث کے مختلف ابواب وفصول میں اور خصوصاً بخاری میں شاید چار پانچ مقام پر ہے۔ صحیح بخاری باب تزویج عائشہؓ میں ہے۔

قال توفیت خدیجة قبل مخرج النبی صلعم الی المدینة بثلاث فلبث سنتین او قریبا من ذالك ونکح عائشة وھی بنت ست سنین وبنی بھا وھی بنت تسع سنین (جلد اول صـ۵۵۱) — عروہؓ نے کہا کہ خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی، آنحضرت صلعم تقریباً دو برس ٹھہرے اور عائشہؓ سے نکاح کیا تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ۹ برس کی تھیں۔

فلبث سنتین او قریبا من ذالك سے مراد بے نکاح کے رہنا نہیں ہے جیسا کہ ظاہر میں کو دھوکا ہو سکتا ہے ورنہ ۱ھ میں حضرت عائشہؓ کی نو برس کی عمر نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ کنایہ اس بات

سے ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد باوجود حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح کر لینے کے آپ دو برس تک کسی بیوی کے قریب نہ گئے۔

اسی صفحہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

تزوجنی النبی صلعم و انا بنت ست سنین اسلمنی الیہ و انا بنت تسع سنین۔	رسول اللہ صلعم نے جب مجھ سے شادی کی تو میں چھ برس کی تھی اور جب عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا تو میں نو برس کی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے سال وفات میں اور اس کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے نکاح و پیدائش کی تاریخ میں جو بھی اختلاف ہو، مگر اس میں کہیں بھی اختلاف نہیں کہ وہ نکاح کے وقت ۶ برس کی اور رخصتی کے وقت ۹ برس کی تھیں، یہی روایت تمام حدیث کی کتابوں میں ہے، یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں اور ان سے سن کر حضرت عروہؓ بیان کرتے ہیں، اور عروہؓ سے ان کے بیٹے ہشام، حضرت عروہؓ کون ہیں؛ ان حضرت اسماء کے صاحبزادہ جن کے سال و عمر سے حضرت عائشہؓ کے سال و عمر کی تعیین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(معارف شمارہ ۱ جلد ۲۲)

٭

شاید ناظرین کو یاد ہو کہ مولانا محمد علی صاحب لاہوری کے ایک بالکل نئے فتویٰ پر جس کا مفہوم یہ تھا کہ اسلام میں صغرسنی کی شادی جائز نہیں، اور اسی کے سلسلے میں یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صغرسنی میں بیاہی گئی تھیں، صحیح نہیں ہے، ہم نے معارف (جولائی ۱۹۲۸ء) کے شذرات میں کچھ سوالات کئے تھے، کئی مہینے بعد احباب کے اصرار پر صاحب مضمون نے اپنے اخبار میں ان شذرات کا جواب دیا ہے، ہم نے تحقیق حق کے لئے مناسب سمجھا کہ اس جواب کی تنقید کریں اور اس کے مسامحات کو واضح کردیں۔

(شذرات شمارہ جنوری ۱۹۲۹ء)

حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے اعتراضات کا جواب

از: مولانا محمد علی صاحب لاہوری

صغرسنی کی شادی اور حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہؓ کی عمر کا سوال مدت سے میرے دل میں کھٹکتا رہا ہے، نہ اس لئے کہ میں نے اس بات کو ناممکن سمجھا ہو کہ کوئی نو سال کی غیر معمولی قوت کی لڑکی حد بلوغ کو پہنچ جائے اور اس میں تعلقات ازدواجی کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بلکہ اس لئے کہ ایک طرف اگر وہ احادیث تھیں جن میں حضرت عائشہؓ کی عمر کا بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا اور بوقت رخصتانہ ۹ سال ہونا بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف بعض ایسی احادیث بھی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا سن اتنا چھوٹا نہ تھا، مگر میں نے اس سوال پر کبھی غائر نظر نہیں ڈالی، سال رواں میں جب صغرسنی کی شادی کے متعلق ایک بل اسمبلی میں پیش ہوا، تو مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں بھی اس امر پر

اپنے خیالات کا اظہار کروں کہ آیا صغر سنی کی شادی اگر قانوناً روک دی جائے تو یہ امر خلافِ شریعت اسلامی ہوگا؟ میں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ ایسی ممانعت خلافِ شریعت اسلامی نہیں کیونکہ شریعت اسلامی کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بلوغ کے بعد ہو، چنانچہ میں نے اپنی جماعت کے چند علماء کے خیالات کو بھی معلوم کیا تو ان کی رائے کو اپنی رائے کے موافق پایا اور ایک مضمون اس موضوع پر لکھ کر اخبار "لائٹ" میں شائع کیا، اس مضمون کے ذیل میں مجھے اس بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو صغر سنی کی ممانعت کو خلاف شریعت اسلامی قرار دینے والوں کی طرف سے زور سے پیش کی گئی تھی کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغر سنی میں ہوئی اور جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مجوز ہوں تو اور کسی کو کیا حق ہے کہ وہ صغر سنی کی شادی کو روک سکے۔

اصل مبحث

اس مضمون کا اردو ترجمہ منشی دوست محمد صاحب ایڈیٹر "پیغام صلح" نے خود کر کے "پیغام صلح" میں بھی شائع کیا، "پیغام صلح" میں جواب ان الفاظ میں تھا:۔

اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے اسوقت شادی کی جب وہ چھ یا سات سال کی عمر میں تھیں، ایسی احادیث کو اگر معتبر بھی سمجھا جائے تو بھی یہ ایک مسلم بات ہے کہ شادی اور طلاق کے قوانین جو قرآن کریم میں بیان ہوتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس وقت ہوا جب ابھی آپ مکہ میں تھے اس لئے اگر یہ نکاح فی الحقیقت حضرت عائشہؓ کی صغر سنی ہی میں ہوا ہو تو بھی اسے اس قانون کے بالمقابل جو بعد میں نازل ہوا اور اس کے اس صحیح مفہوم کے خلاف جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اس جواب کے ساتھ ہی ذیل کے الفاظ بھی ہیں جو پیغام صلح سے ہی نقل کرتا ہوں۔

لیکن یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت

فی الحقیقت اس قدر صغر سنی نہ تھیں معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت کی ستائیس سال تھی، اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی سولہ سال تھی۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ میرے مضمون کا اصل مبحث حضرت عائشہؓ کی عمر نہ تھا بلکہ صغر سنی کی شادی تھا اور حقیقی جواب جو میں نے دیا ہے وہ اسی قدر تھا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح مکہ میں ہوا اور نکاح کے قوانین جو قرآن کریم میں نازل ہوئے وہ اس کے بعد مدینہ میں نازل ہوئے اور یہ جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغر سنی میں ہوئی۔ لیکن ضمناً یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ باور کرنے کے وجوہ بھی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت اتنی تھوڑی ہی نہ تھی۔

بنائے استدلال

اس مضمون کے نکلنے پر اور پھر اس پر جو تنقید معارف جولائی میں ہوئی، مجھے متعدد خطوط موصول ہوئے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے سوال پر پوری روشنی ڈالی جائے، مگر سب سے بڑھ کر سید ریاست علی صاحب ندوی کا اصرار رہا کہ میں ان روایات کا پتہ دوں جس کے لئے انھوں نے متعدد خطوط بھی منشی دوست محمد صاحب کو لکھے کہ میں اپنی غلطی کا اقرار کروں سو یہ تو درست ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹے ہونے کا حوالہ میں نے دیا تو میرے ذہن میں اکمال کا حوالہ بھی تھا جو پچھلے دنوں بصورت اشتہار شائع ہوا، اور جس پر سید سلیمان صاحب نے معارف میں تنقید بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ میرے ایک کرم فرما نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے پاس اسد الغابہ کا ایک حوالہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت بارہ سال تھی، اتفاق سے اسد الغابہ میرے پاس نہ تھی اور چونکہ انھوں نے جزم سے یہ کہا کہ ایسا حوالہ موجود ہے مگر کتاب اس وقت نہیں ملی، اس لئے میں نے ان کی یادداشت پر اعتبار کیا۔ البتہ اب جو کتاب اسد الغابہ میں نے

منگوا کر دیکھی تو حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ابو بکرؓ کے تذکرے میں مجھے یہ حوالہ نہیں ملا، گو میرے وہ دوست اب بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے ایسی عبارت اسد الغابہ میں پڑھی ہے اور فرصت ملنے پر وہ اس کو نکال دیں گے، مگر ان سب سے بڑھ کر مجھے خود بعض معتبر احادیث کی بناء پر یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت اتنی چھوٹی نہ تھی۔

ضمنی بحث کی وجہ سے کم توجہی

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق چونکہ ضمنی ذکر کیا تھا اور اصل مبحث کچھ اور تھا جس پر عمر کے چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی اثر نہ پڑتا تھا، اس لئے میں نے اس پر کوئی زیادہ توجہ نہیں کی اور ان امور کی بناء پر جو میرے ذہن میں موجود تھے حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق وہ الفاظ لکھے جن کو اوپر نقل کر چکا ہوں، ان میں علاوہ عمر کے بڑا ہونے کے یہ ذکر ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہؓ کی شادی ہوئی حالانکہ ایک سال پہلے نہیں بلکہ تین سال پہلے نکاح ہوا تھا گو روایتیں دونوں طرح کی موجود ہیں یعنی بعض روایتوں میں تین اور بعض میں ایک سال قبل ہجرت حضرت عائشہؓ سے نکاح کا ذکر ہے[1]۔

---

[1] سید سلیمان صاحب نے جہاں 'معارف' میں میرے اس مضمون پر تنقید فرمائی ہے، وہاں میرے الفاظ کو نقل کر کے آخر پر استہزاءً یہ فقرہ چسپاں کیا ہے "غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ"۔ غلطی کا تو مجھے انکار نہیں، لیکن جب سید صاحب نے اس موقع پر جو استہزاء کیا ہے گو میری غلطیاں اسی لائق ہوں مگر ان کی فضیلت کے شایاں یہ نہ تھا، وہ کہہ سکتے تھے کہ اس مضمون میں ایک نہیں دو غلطیاں ہیں اگر میں نے غلطی سے ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح ہونا لکھ دیا، تو کیا بخاری میں یہ دونوں قول موجود نہیں (دیکھو اب معارف جوری صفحہ ۱۱) سید صاحب نے بخاری کے الفاظ فلبث سنتین او قریبا من ذالک ونکح عائشہ کی اور توجیہ کی ہے مگر سیرت عائشہ میں وہ خود اختلاف کو تسلیم کر چکے ہیں۔

"اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہؓ کا قول زیادہ معتبر ہو سکتا تھا، لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا، اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا واقعہ ہے" (سیرت عائشہ صفحہ ۱۹)

نوسال کی عمر میں نکاح کی روایات

یہ تو محض تمہیدی باتیں ہیں، اب میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں، روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال تھی اور رخصتانہ کے وقت ۹ سال تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ لیکن طبقات ابن سعد میں دو روایتیں حضرت عائشہؓ کے ذکر میں ایسی ہیں، جن میں نو سال کی عمر میں نکاح کا ہونا بیان کیا گیا ہے، چنانچہ جلد ہشتم صفحہ ۴۱ پر ہے۔ تزوجہا رسول اللہ صلعم وھی بنت تسع سنین۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب وہ نو سال کی تھیں۔ اور صفحہ ۴۲ پر ہے۔ نکح النبی صلعم عائشۃ وھی ابنۃ تسع سنوات او سبع۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اور ان کی عمر اس وقت نو یا سات سال کی تھی، اور یہ کہا جائے گا کہ اس اختلاف کی کوئی ایسی توجیہہ کرنی چاہیئے جو ان روایات کو کثرت روایات کے مطابق کر دے، مگر مشکل یہ ہے کہ کثرت روایات میں جو عمر بتائی گئی ہے وہ بروئے حساب درست نہیں آتی اور درایتاً ان روایات کی طرف توجہ نہیں کی گئی جیسا کہ میں نے کہا کثرت روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال تھی، اب اگر نکاح اور رخصتانہ کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو ان روایات کی صحت میں گو وہ بخاری، مسلم یا مسند احمد میں ہوں سخت شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

تاریخ نکاح کی روایات

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ پر روایات میں اختلاف تو ضرور ہے لیکن اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مستند یہی ہے کہ نکاح ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تھوڑے دن بعد ہی ہو گیا، اور اس کے معاً بعد ہی حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا یعنی حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا نکاح پہلے ہوا، اور حضرت سودہؓ سے اس کے بعد ہوا، اور چونکہ حضرت سودہؓ سے نکاح ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر ہوا، ایک مسلم امر ہے جیسا سید سلیمان صاحب نے بھی سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۶۹ پر لکھا ہے، تو یہی حضرت عائشہؓ کے نکاح کے ۱۰ نبوی میں ہونے پر ایک فیصلہ کن امر ہے۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے متعلق جو اختلاف روایات میں ہے وہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے، یعنی بعض مورخین نے حضرت خدیجہؓ کا انتقال، ہجرت سے پانچ اور بعض نے ہجرت سے چار سال پیشتر مانا ہے، ان کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے نکاح اور حضرت خدیجہؓ کی وفات میں ایک یا دو سال کا فرق ہوگا، مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ۱۰ نبوی میں ہوئی۔ تو اسی فرق کی بنا پر یہ خیال کر لیا گیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے ایک یا دو سال پیشتر ہوا، بہرحال روایات میں اختلاف ہے اور خود بخاری کی روایات دونوں طرح کی ہیں، یعنی بعض میں حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے تین سال اور بعض میں ایک سال پیشتر مانا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ دونوں روایات میں سے ایک قسم کی روایات یقیناً غلط ہیں خواہ وہ بخاری میں ہوں یا مسلم میں، اس لئے تنقیدی امور میں جذبات کو برانگیختہ کرنا کہ کیا ہم بخاری یا مسلم کو غلط مانیں صحیح طریق نہیں، اس میں شک نہیں کہ بخاری بڑے اعلیٰ پایہ کی اور حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، لیکن وہ کتاب اللہ نہیں۔ اس لئے غلطیاں اس میں بھی ہیں، حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس میں جمہور محققین نے یہی صحیح مانا ہے کہ ۱۰ نبوی نکاح کی تاریخ ہے جیسا کہ خود سید سلیمان صاحب نے بھی مانا ہے۔

"جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایت کا کثیر اور مستند حصہ اسی کا موید ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان میں انتقال کیا، اور اسی کے ایک مہینے کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا۔"

(سیرت عائشہ ص ۱۹)

تاریخ رخصتانہ

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کب آئیں؟ سو اس میں بھی اختلاف تو ضرور ہے یعنی بعض روایات میں ہجرت سے آٹھ ماہ بعد کا واقعہ اسے قرار دیا ہے اور بعض میں اٹھارہ ماہ بعد، سید سلیمان صاحب نے سیرت عائشہ میں علامہ عینی کے قول کو کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ہوئی یعنی ۲ھ میں رد کرتے ہوئے شوال ۱ھ کو صحیح قرار دیا ہے (ص ۲۴) اور حاجی معین الدین صاحب ندوی نے خلفائے راشدینؓ میں ہجرت کے بعد دو سال کو صحیح قرار دیا ہے (خلفائے راشدین ص ۹) سید سلیمان صاحب نے ۲ھ میں رخصتانہ کے قول کو صرف اس لئے رد کیا ہے کہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہؓ کا دسواں سال ہوگا غالباً ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ اگر ہجرت کا پہلا سال بھی رخصتانہ کا مانا جائے تو حضرت عائشہؓ کی عمر کا ان روایات کے مطابق بھی یہ دسواں سال نہیں گیارہواں سال تھا، شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا اور اس وقت عمر چھ یا سات سال کی بتائی جاتی ہے، اس حساب سے شوال ۱۳ نبوی میں یعنی ہجرت سے چھ یا سات ماہ بیشتر حضرت عائشہؓ کی عمر نو یا دس سال ہو چکی تھی، اور شوال ۱ھ کو بھی تاریخ رخصتانہ اگر مانا جائے تو حضرت عائشہؓ اس وقت ان روایات کے مطابق بھی پورے دس سال کی ہو کر گیارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں یا گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں، اور نو سال کی عمر کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ٹھہرتی لیکن درست وہی ہے جو عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوا، اسی کے موافق علامہ ابن عبد البر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ نبوت سے اٹھارہ ماہ بعد ہوا، تو اس حساب سے حضرت عائشہؓ رخصتانہ کے وقت ان روایات کی بنا پر بھی گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں یا بارہ کی ہو کر تیرہویں میں داخل ہو چکی تھیں، بہرحال اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ اگر یہ روایات درست ہیں تو حضرت عائشہؓ کو اپنی عمر بیان کرنے میں کچھ غلطی لگی ہے!

کیونکہ ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ سال کا فرق تھا، اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا، اس لئے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال کی مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات سے ہے۔

دوسری روایات سے عمر کا قیاس

اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح یعنی ۱۰ نبوی میں اس قدر کم نہ تھی یعنی چھ یا سات سال جیسے ان روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی وہ روایات ہیں جن کی وجہ سے مجھے پہلے پہلے یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان روایات میں جن میں نکاح کے وقت چھ یا سات سال عمر بتائی گئی ہے کچھ نقص ضرور ہے، یہ روایات بھی صحیح بخاری کی ہیں، ایک روایت کتاب التفسیر میں سورۃ قمر کی تفسیر میں ہے جس کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہیں۔ قالت لقد انزل علی محمد صلعم بمکۃ و انی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی و امر۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور میں اس وقت لڑکی تھی، بل الساعۃ موعدھم اب یہ آیت سورۃ قمر میں ہے اور سورۃ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے، کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے، کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت صلعم سے اس قدر سخت ہو گئی تھی کہ انھوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا، اور یہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے اور دوسرے نجم اور سورۃ قمر کا باہم بہت تعلق ہے جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے، اس لئے ان کا نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہیئے اور سورۃ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے، پس اسی وقت کے قریب قریب سورۃ قمر بھی نازل ہوئی اور جن لوگوں نے آیات سیھزم الجمع کا مدینہ میں نازل ہونا مانا ہے انھیں یہ غلطی اس لئے لگی ہے کہ یہ آیات آنحضرت صلعم نے جنگ بدر کے موقعہ پر تلاوت فرمائی تھیں، یہ بتانے کو کہ ان میں وہ پیشین گوئی ہے جو بدر کے دن پوری ہوئی، تو بعض لوگوں نے غلطی

سے ان کا نزول مدینہ میں سمجھ لیا، پس ۵ نبوی یا ۵ نبوی ان آیات کا نزول ہے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی اور پھر ان آیات کو سُن کر سمجھ کر یاد بھی رکھتی تھی، تو یہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا زمانہ نہیں ہو سکتا، اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں اور اگر یہ روایات صحیح ہیں تو اپنی عمر کے بیان کرنے میں انھیں غلطی لگی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت

اسی کی تائید بخاری کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتی ہے اور یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ کی ہے۔ قالت لم اعقل ابوی قط الا وھما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الا یاتینا فیہ رسول اللہ صلعم طرفی النھار بکرۃ وعشیۃ فلما ابتلی المسلمون خرج ابوبکر مہاجرا نحو ارض الحبشۃ۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا، اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ صلعم صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے، پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکرؓ سرزمین حبش کیطرف نکلے، اب حضرت ابوبکرؓ تو پہلے مسلمان ہیں اور حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں جن کا اسلام ۳ نبوی یا اس سے پیشتر کا ہے، کیونکہ وہ سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں اور ۳ نبوی میں چالیس مسلمان ہو چکے تھے، اور اس کے ساتھ جو حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا ہے، یعنی حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت کر کے حبش کی طرف نکلنا ۵ نبوی کا واقعہ ہونا چاہیئے اور اس سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ کے ہاں صبح اور شام جانا حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں اور اسے وہ اپنے ہوش کا زمانہ بتاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ہوش کا زمانہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا نہیں ہو سکتا، حالانکہ ان روایات کے مطابق جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنی عمر بیان کی ہے۔ ۵ نبوی ان کی پیدائش کا زمانہ بنتا ہے۔

عمر کے متعلق حضرت عائشہؓ کا خیال

تو ان روایات کے مطابق سنہ ۵ یا سنہ ۶ نبوی حضرت عائشہؓ کے ہوش کا زمانہ نہیں کہلا سکتا اور سنہ ۷ نبوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے اس وقت آپ کی آمد و رفت حضرت ابو بکرؓ کے گھر نہ ہو سکتی تھی اور جب شعب سے نکلے تو حضرت خدیجہؓ جلد ہی وفات پا گئیں، اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو گیا، پس حضرت عائشہ کا یہ بیان جس میں بعض واقعات کا ذکر ہے جس کی تصدیق دوسری طرح بھی ہو سکتی ہے، یقیناً اس کے خلاف ہے، جس میں انھوں نے اپنی عمر بیان کی ہے، اس لئے اس بیان کو ترجیح دی جائے گی جس کی تصدیق دوسرے واقعات سے ہوتی ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کو اپنی عمر کے متعلق کچھ غلط فہمی تھی اور قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی عمر نکاح کے وقت گیارہ سال سے اور رخصتانہ کے وقت سولہ سال سے کم نہ تھی، ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ وہ ایک جگہ پہلے کہہ چکے ہیں، ان سے دریافت کر کے جواب دیں گے، اب ظاہر ہے کہ عرب میں چار چار پانچ پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا اور حضرت عائشہؓ کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے، یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔

صاحب مشکوٰۃ کا قول

یہ پر صحیح ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ صاحب مشکوٰۃ کے اس قول کی کہ حضرت عائشہؓ اسماء سے صرف دس سال چھوٹی تھیں کیا بنا ہے لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ ان کے قول کی بنا کسی روایت پر ہی ہوگی جیسا کہ انھوں نے خود بھی اسے قیل کے لفظ سے بیان کیا ہے، اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے

کوئی بات کہہ کر یقین کے ساتھ اسے بیان نہیں کر سکتا، انھیں کوئی روایت ملی ہوگی جس کی بنا پر انھوں نے یہ لکھا ممکن ہے کہ ایسی کوئی روایت تلاش سے مل بھی جائے، میں نے اسے اس لئے قابل اعتبار سمجھا کہ ایک طرف تو حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال ہونے میں یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ دوسرے بخاری کی بعض احادیث صاف بتاتی ہیں کہ بعثت کے پانچویں چھٹے سال میں وہ ہوش سنبھالے ہوئے تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر آتے جاتے تھے اور اسی وقت انھوں نے سورۃ قمر کی آیت بل الساعۃ موعدھم کا نزول بھی یاد رکھا پس نکاح کے وقت ان کی عمر چھ یا سات سال ہونا کسی صورت میں صحیح نہیں بلکہ غالباً گیارہ بارہ سال کی عمر ہوگی۔ ممکن ہے مزید تحقیقات سے کچھ اور روشنی اس امر پر پڑ سکے، سردست اس اصرار کی وجہ سے جو بعض اطراف سے ہو رہا تھا میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

(محمد علی)

(۲۲، نومبر ۳۸ء)

(حضرت سیّد صاحب کا جواب)

حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا محمد علی صاحب کے شبہات کا جواب

ناظرین! اوپر کا مضمون آپ ملاحظہ فرما چکے، اب اس ضمن میں میری گزارشوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، جو گو کسی قدر طویل ہیں، تاہم فوائد سے خالی نہیں، سب سے پہلے میں اپنے شذرات (معارف) میں غالب کے اس ایک مصرع کے لکھنے پر معافی چاہتا ہوں جس کو مولوی صاحب نے حضرت استہزا سمجھا ہے حالانکہ اس کا درجہ صرف شوخیٔ تحریر تک ہے، مگر بہرحال میں اس ایک مصرع کی بھی معافی چاہتا ہوں کہ اس تحریر و مراسلہ سے مقصود واقعہ کی تحقیق ہے نہ کہ کسی فریق کی دل آزاری اور استہزاء۔

اس کے بعد میں مولوی صاحب کی انصاف پسندی اور جرأت کی داد دیتا ہوں کہ انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے مسامحات کا اعتراف کیا، اور صاف لکھا کہ ان کے پاس بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کے سولہ سال اور بوقت رخصتی سترہ سال کی عمر ہونے پر تاریخ و حدیث کی کوئی سند موجود نہیں ہے، اور یہ تسلیم کر لیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح شوال سنہ ۱۰ نبوی میں اور رخصتی شوال سنہ ۲ھ میں ہوئی اور بہت کھینچ تان کرنے کے بعد بھی یہی تسلیم کیا کہ نکاح کے وقت (سنہ ۱۰ نبوی میں) وہ چھ برس کی تھیں یا سات برس کی اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو برس کے بجائے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا بار بار بیان ہے ۱۲ یا ۱۳ برس تھی، اور نکاح اور رخصتی میں تین برس کا نہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں بلکہ

"ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ برس کا فرق تھا، اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا، اس لئے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات سے ہے۔"

اس سلسلہ میں چند امور کی طرف اشارہ کرنا ہے جس سے یہ ناممکن، ممکن ہو سکتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں بلکہ عہد نبوت، در عہد صدیقی میں سنہ کا رواج نہ تھا، سنہ کی تدوین عہدِ فاروقی میں ہوئی ہے۔ پہلے یہ طریقہ تھا کہ ہجرت سے اتنے مہینہ پیشتر یا اتنے مہینے بعد یہ واقعہ ہوا، بعد کو لوگوں نے ان مہینوں سے سال بنا لیا، پھر سنہ کی ترتیب قائم ہو گئی۔

۲۔ یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں رہے، اور یہ پورے تیرہ برس نہیں ہیں، بلکہ کسور کے ساتھ ہیں، یعنی چند مہینوں کی کمی کے ساتھ۔

۳۔ سنہ نبوی کو سنہ ہجری کے ساتھ جوڑنے میں ایک غلطی کثیر الوقوع ہے وہ یہ ہے کہ لوگ سنہ ہجری کے خصوصیات سنہ نبوی پر بھی عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ سنہ ہجری محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے، مگر سنہ نبوی کا یہ حال نہیں ہے، وہ مبہم طریقہ سے کسی مہینہ سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے اور آخر میں محرم سے شروع ہو کر ربیع الاول پر تمام ہوتا ہے۔

۴۔ قرآن پاک کے اشارات اور ابن اسحاق کی روایت کی بنا پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلہ نبوی رمضان سے شروع ہوا، تو گویا چار مہینے کے بعد ہی ذی الحجہ میں چار مہینوں پر تمام ہوا، اور آخری سال یعنی سنہ ۱۴ نبوی محرم اور صفر صرف دو مہینوں پر تمام ہوا، اس بنا پر سنہ نبوی نہ حقیقت بارہ برس اور چھ مہینوں پر مشتمل ہے جس کو تجوز عام میں ۱۳ برس کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

۵۔ ہجرت کا آغاز ربیع الاول سے ہوا، مگر سنہ کی تدوین کے وقت دو مہینے آگے بڑھا کر محرم سنہ ۱۴ نبوی سے محرم سلہ ہجری کا آغاز ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ سال کے حساب میں اگر تدقیق اور غور سے کام نہ لیا جائے تو دو مہینے مکرر پڑ جاتے ہیں، اسی لئے سنہ ۱۴ نبوی نہیں بولتے کیونکہ سنہ ۱۴ کے صرف دو مہینے ہیں، اور وہ سلہ ہجری میں داخل کر لئے گئے۔

۶۔ اب سنہ نبوی کا حال یہ ہے کہ اس کا پہلا سال چار مہینہ کا، اس کے بعد ۱۲ سال بارہ مہینوں پر مشتمل، اور آخری سال دو مہینوں پر۔

۷۔ حضرت عائشہؓ کے واقعات کو سنین سے تطبیق دینے میں مولانا محمد علی صاحب نے یہ سمجھا ہے کہ سنین اصل ہیں اور ان کی عمر کا شمار ان سنین پر متفرع ہے، حالانکہ یہ صریحاً مغالطہ ہے اصل ان کی

عمر کا شمار ہے اور وہ بھی انھیں کے بتاتے ہوتے سنین پر، اور اس شمار پر لوگوں نے سنہ ہجری کو تطبیق دیا ہے، اور ان روایات کے بموجب حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھی، اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی، اب سنہ ہجری کی تطبیق سے اس کا جو سنہ بھی لگاتے، بعضوں نے پورے پورے ۱۲ مہینے کے سال لئے تو سنہ گھٹ گئے اور بعضوں نے نبوت کا پہلا سال چار مہینوں والا، آخری سال دو مہینوں والا اور ہجرت کا پہلا سال دس مہینوں والا لیا تو سنہ بڑھ گئے۔ اسی بناء پر بعض راوی کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ سلہ میں ہوا، دوسرا کہتا ہے سلہ میں ہوا، اس لئے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ سنہ کا حساب اصل نہیں ہے بلکہ عمر کا حساب اصل ہے، اور اس سے حساب لگا کر راویوں نے سنہ بنایا ہے، اس لئے آپ سنہ کے حساب میں ترمیم کر سکتے ہیں مگر حضرت عائشہ کی عمر کے حساب میں ترمیم نہیں کر سکتے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا محمد علی لکھتے ہیں :۔ روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی۔

اس کے بعد آپ چھ یا سات سال برابر لکھتے گئے ہیں، حالانکہ صرف ایک مشکوک الحافظہ راوی نے اس وقت آپ کی عمر کا نو برس یا سات برس ہونا ظاہر کیا ہے، اور کہیں بھی سات برس نہیں ہے اس بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی، بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ایک دو روایتوں کے علاوہ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی اور ۱۸ برس کے سن میں بیوگی ہوئی۔

مولانا نے ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ تزوجہا رسول اللہ صلعم وھی بنت تسع سنین (جلد ۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تو وہ نو برس کی تھیں

لیکن اس کے بعد ہی کا فقرہ کیوں چھوڑ دیا کہ وماتت عنہا وھی بنت ثمانی عشرۃ سنۃ یعنی اور آپؐ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں، حالانکہ اسی بعد کے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی سے رخصتی کی جگہ نکاح کا لفظ کہنے میں صریح غلطی ہوئی ہے، اسی طرح سات برس کے سن میں نکاح ہونے کی جو روایت ہشام بن عروہ سے ہے، وہ صفحہ ۲۰ پر ناتمام ہے، مگر ۲۰ پر تمام ہے، اور وہ یہ ہے کہ "چھ یا سات میں نکاح ہوا اور نو میں رخصتی ہوئی"، مگر مولانا نے اس کامل روایت کے پورے فقرہ کا حوالہ نہیں دیا، تاکہ نو برس کی رخصتی کا واقعہ اس سے ثابت نہ ہو، جن ہشام بن عروہ سے نقل کرنے میں ابن سعد کے اس راوی کو اس بارہ میں وہم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ چھ برس کی تھیں یا سات کی، انھیں کے صحیح و مستند راویوں کے بیان ہیں جن کی ابن سعد اور بخاری و مسلم میں روایتیں ہیں، مطلق وہم و تزلزل اس باب میں نہیں ہے، کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھیں،

بہرحال نکاح کے وقت نو برس کا سن ہونا صرف ایک ضعیف الحفظ راوی کے بیان کے علاوہ جو یہ کہتا ہے کہ "نویں برس یا ساتویں برس نکاح ہوا" اور کسی نے نو برس کا ہونا نہیں ظاہر کیا، اور جس دوسرے نے یعنی اسود نے نو برس میں نکاح ہونا بیان کیا ہو، ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے اس کی مراد رخصتی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "نویں برس نکاح ہوا، اور اٹھارہ برس کی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی"، در ظاہر ہے کہ اگر نویں برس نکاح ہوتا اور تین برس کے بعد رخصتی ہوتی، اور اس کے بعد نو برس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں تو وفات نبوی کے وقت وہ اٹھارہ کی بجائے اکیس برس کی ہوتیں، اور یہ اس راوی کے بیان کے خلاف ہے،

اب جس راوی (ہشام بن عروہ) سے ایک دو جگہ سات برس کے سن میں نکاح ہونا ابن سعد میں ہے، اسی سے متعدد صحیح ترین روایتوں میں بتصریح بلاشک وشبہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی مروی ہے، بخاری و مسلم کا ہرگز لحاظ نہ کیجئے مگر صحیح اور کثیر روایتوں کا تو لحاظ کیجئے جن کی بنا پر یہ بالکل قطعی ہے کہ چھ برس کے سن میں نکاح ہوا، اور نو برس کے سن میں

رخصتی ہوئی، جو کوئی نکاح کی عمر سات برس بھی بتاتا ہے وہ رخصتی کی عمر نو ہی برس کہتا ہے اور سات کو ملا کر نکاح اور رخصتی میں وہی تین برس کا فصل نکالتا ہے۔

اب آئیے دوسرے محققین کی طرح اس کو نبوی اور ہجری سنین سے تطبیق دے لیں، ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ سنہ ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا، مہینہ کی بھی تصریح کر دیجئے تاکہ سنہ کے بنانے میں آسانی ہو، وہ بالاتفاق شوال کا مہینہ تھا، نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی چند سال کے بعد شوال ہی میں ہوئی اور دونوں باتوں کے درمیان فصل بھی بالاتفاق تین برس ہوا، اب جن محققوں نے مثلاً علامہ عینی اور ابن عبد البر نے رخصتی کا وقت شوال سنہ ۲ھ لیا ہے، انھوں نے نکاح کا زمانہ سنہ ۱۰ نہیں بلکہ سنہ ۱۱ لیا ہے اور جنھوں نے شوال سنہ ۱ھ رخصتی کا زمانہ لیا ہے، انھوں نے نکاح کا زمانہ شوال سنہ ۱۰ نبوی بتایا ہے، اور اگر کسی ایک دو نے غلطی سے ایسا کیا ہے کہ تاریخ نکاح سنہ ۱۰ نبوی اور تاریخ رخصتی سنہ ۲ ہجری قرار دیا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ انھوں نے نبوت کا پہلا سال پورا کر کے آخری سال ۲۰ صفر سنہ ۱۴ نبوی کے بجائے ۲۰ صفر سنہ ۱۳ نبوی کو تمام کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شوال سنہ ۱۰ نبوی کا زمانہ نکاح مان کر شوال سنہ ۲ ہجری کے زمانہ رخصتی کو شوال سنہ ۱۰ نبوی کے تین برس بعد ہی قرار دیتے ہیں، آپ کی طرح چار پانچ برس نہیں قرار دیتے جو ناممکن ہے۔

آپ سال بڑھانے کی غرض سے یہ کرتے ہیں کہ نکاح کا سال تو دوسرے فریق کے حساب سے لیتے ہیں یعنی سنہ ۱۰ نبوی اور رخصتی کا سال پہلے فریق کے حساب سے لیتے ہیں یعنی سنہ ۲ھ اور یہ صریح غلطی ہے، ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی ان دو واقعوں کے درمیان تین برس سے زیادہ کا فصل نہیں مانتا، اس بارہ میں انھیں دو بزرگوں کے اقوال اور تحقیقات پیش کرتا ہوں جن کو آپ نے مستند قرار دیا ہے، یعنی علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن عبد البر جنھوں نے شوال سنہ ۲ ہجری کا زمانہ رخصتی کے لئے اختیار کیا ہے۔

علامہ عینی کا بیان | چنانچہ علامہ عینی جو یہ مانتے ہیں کہ شوال سنہ ۲ھ میں رخصتی ہوئی، انھوں نے شوال سنہ ۲ ہجری اس لئے تسلیم کیا کہ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نکاح سنہ ۱۰ نبوی میں نہیں بلکہ سنہ ۱۱ نبوی

میں ہوا اس لئے تین برس کے فصل کے ساتھ انھوں نے شوال ۱ھ تسلیم کیا یہ نہیں کیا ہے کہ نکاح ۱۰ نبوی میں مان کر رخصتی ۲ھ میں تسلیم کیا ہو جیسا کہ سالوں کے بڑھانے کے لئے آپ کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اصل مبحث یعنی حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق بھی ان کا بیان محفوظ رکھیئے۔

تزوجہا رسول اللہ صلعم بمکۃ قبل الھجرۃ بسنتین، وقیل بثلاث وقیل بسنۃ ونصف اونحوھا فی شوال وھی بنت ست سنین وقیل سبع وبنی بھا فی شوال ایضا بعد وقعۃ بدر فی السنۃ الثانیۃ من الھجرۃ اقامت فی صحبتہ ثمانیۃ اعوام وخمسۃ شھور وتوفی عنہا وھی بنت ثمانی عشرۃ وعاشت ثمانا وستین سنۃ (عمدۃ القاری جلد اول صفحہ ۴۵)

آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ سے مکہ میں ہجرت سے دو سال پہلے اور کہا گیا کہ تین سال پہلے، اور کہا گیا کہ ڈیڑھ سال پہلے یا اس کے قریب شوال میں نکاح کیا، جب وہ چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں اور ان کی رخصتی کرائی شوال میں واقعہ بدر کے ۲ھ ہجری میں اور وہ آپ کی صحبت میں آٹھ برس اور پانچ مہینے رہیں، جب آپ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں اور ۶۸ برس کی عمر پائی۔

دیکھئے علامہ عینی نے ہجرت سے دو سال پہلے یعنی شوال ۱۱ نبوی کا نکاح تسلیم کیا ہے اور باقی اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے جن لوگوں نے ہجرت سے تین سال قبل نکاح تسلیم کیا ہے۔ وہ شوال ۱ھ میں رخصتی تسلیم کرتے ہیں، جو لوگ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے کہتے ہیں وہ اس لئے کہ شوال ۲ھ میں ان کے نزدیک تین سال پورے ہو جاتے ہیں، الغرض یہ تمام سنین اسی تفصیل میں ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں تین سال کا فصل قائم رہے، سنین کے تطابق کے جھگڑے کو چھوڑ کر اصل مبحث میں کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی رخصتی کے وقت نو برس کی اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں، علامہ عینی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البرؒ | دوسرا حوالہ آپ نے علامہ ابن عبد البرؒ کا دیا ہے، بے شک انھوں نے استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۶۵ (حیدر آباد) میں زبیر بن بکار کے حوالہ سے منجملہ دوسری روایتوں کے ایک روایت

یہ لکھی ہے کہ شوال سنہ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے نکاح ہوا اور مدینہ میں ہجرت سے اٹھارہ مہینے بعد شوال میں رخصتی ہوئی"

مگر یہ خود علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق نہیں ہے، بلکہ ان کی کتاب کی منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت یہ بھی ہے جو ابن شہاب زہری پر موقوف ہے، اور یہی اس میں نقائص ہیں ان کی اصل تحقیق وہ ہے جس کو انھوں نے شروع میں اپنی طرف سے لکھا ہے۔

وتزوجها رسول اللہ صلعم بمکة قبل الهجرة بسنتين هذا قول ابی عبيدة وقال غيره بثلاث سنين وهی بنت ست و قيل بنت سبع :	آنحضرت صلعم نے ان سے مکہ میں ہجرت سے دو برس پہلے نکاح کیا یہ ابو عبیدہ کا قول ہے اور دوسرے نے کہا کہ تین برس پہلے نکاح کیا اور وہ اس نکاح کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ سات برس کی تھیں۔

اور سب سے آخر ان کا وہ بیان ہے جس کو وہ اجماعی کہتے ہیں،

وابتنی بها بالمدينة وهی ابنة تسع لا اعلمهم اختلفوا فی ذلك.	اور ان کی رخصتی مدینہ میں ہوئی جب وہ نو برس کی تھیں اور مجھے علم نہیں کہ کسی نے بھی اس میں اختلاف کیا ہے

یہی علامہ ابن عبدالبر اسی کتاب کے حصہ اول صفحہ ۱۹ (حیدرآباد) میں لکھتے ہیں۔

تزوجها بمکة قبل سودة وقيل بعد سودة اجمعوا علی انه لم يبن بها الا بالمدينة قيل سنة هاجر وقيل سنة اثنتين من الهجرة فی شوال وهی ابنة تسع سنين وكانت فی عين عقد عليها بنت ست سنين وقيل بنت سبع سنين،	ان سے نکاح مکہ میں ہوا حضرت سودہؓ سے پہلے اور کہا گیا ہے کہ حضرت سودہؓ کے بعد اس پر اتفاق ہے کہ رخصتی مدینہ ہی میں ہوئی، کہا گیا ہے کہ جس سال ہجرت فرمائی اسی سال (یعنی سنہ ۱ھ) اور کہا گیا ہے شوال سنہ ۲ھ اور اس وقت وہ نو برس کی تھیں اور عقد کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ سات برس کی تھیں،

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سنہ اصل نہیں بلکہ عمر کا بیان اصل ہے اور اس سے سنین کی تعیین

کی گئی ہے اور چونکہ سنین میں مہینے چھوٹے اور بڑے ہیں اس لئے لوگوں میں سنین کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن نکاح کے وقت چھ برس اور رخصتی کے وقت نو برس ہونے میں اصلاً کسی محقق کو اختلاف نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ کا قول | افسوس ہے کہ مجیب نے آخر میں اس امر کو کہ کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن اسماء سے دس برس چھوٹی تھیں، صاحب مشکوٰۃ کا قول بتایا ہے، حالانکہ مشکوٰۃ میں اس قسم کا کوئی قول نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مؤلف کا ایک دوسرا مختصر سا رسالہ اسماء الرجال میں ہے، اس میں نسخہ کی غلطی یا کتابت کی غلطی یا نقل کی غلطی سے ایسا قیل یعنی ضعیف روایت کے طور پر لکھا ہے، جس کی صحت کی تائید اسلام کے کسی ایک مجموعہ سے نہیں ہوتی، چہ جائیکہ معتبر احادیث سے ہو، جیسا کہ فریق نے کہا تھا۔ بہرحال ولی الدین خطیب تبریزی نے بحیثیت صاحب مشکوٰۃ نہیں، بلکہ بحیثیت صاحب اکمال فی اسماء الرجال ایسا ضعیف اور غیر مؤید قول قیل کر کے نقل کیا ہے میں نے "صاحب مشکوٰۃ" کے لفظ سے اس لئے انکار کیا کہ عام لوگوں میں مشکوٰۃ شریف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی بنا پر ان کو شبہ ہو گا کہ شاید یہ کہیں مشکوٰۃ میں مذکور ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، بہرحال اگر اب مشکوٰۃ اور اکمال کے مؤلف سے ہی آپ کو اس قدر حسن ظن ہے کہ۔

"اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر قیل کے ساتھ اسے بیان نہیں کر سکتا"

تو اس پایہ کا آدمی یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کو جن دو حدیثوں سے حضرت عائشہؓ کے نکاح اور رخصتی کی عمر میں مغالطہ ہوا، وہ ان سے بے خبر ہو، بایں ہمہ دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے، اسی اکمال میں جس کو آپ اس پایہ کی کتاب سمجھتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے حال میں ہے (یہ ملحوظ رہے کہ ان کے نزدیک قیام مکہ کا آخری زمانہ ۳۰ صفر ۱۴ھ نبوی ہے) یہ ملحوظ رہے کہ ہجرت سے تین سال قبل سے مقصود شوال ۳ھ قبل ہجرت ہے جو مطابق ۱۱ھ نبوی ہے اور ۱ھ قبل ہجرت مطابق ۱۳ھ نبوی اور ۱ھ قبل ہجرت مطابق محرم ۱۴ھ تا ۳۰ صفر ۱۴ھ نبوی صرف دو ماہ)

خطبها النبی صلعم وتزوجها بمکة   آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ سے نسبت کی اور

فی شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة بثلث سنین وقیل غیر ذلک واعرس بها بالمدینة فی شوال سنة اثنتین علی راس ثمانی عشر شهرا ولها تسع سنین وقیل دخل بها بالمدینة بعد سبعة اشهر من مقدمه وبقیت معه تسع سنین ومات عنها ولها ثمانی عشرة سنة۔

بیاہ کیا، مکہ میں شوال سنلہ نبوی میں، ہجرت سے تین سال پہلے اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے (یعنی دو برس، ڈیڑھ برس پہلے) اور آپ نے ان کو رخصت کرایا مدینہ میں شوال سنہ۲ھ میں ہجرت کے اٹھارہ مہینے کے بعد اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کو مدینہ میں مدینہ آنے کے سات مہینے بعد (یعنی شوال سنہ۱ھ میں رخصت کرایا) وہ آپ کے پاس نو برس رہیں اور جب آپ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں

لیجئے ولی الدین خطیب صاحب مشکوٰۃ وصاحب اکمال بھی اس باب میں وہی کہتے ہیں جو دنیا کہہ رہی ہے، پس ایسے اجماعی مسئلہ کا جو صرف بخاری نہیں بلکہ قرآن پاک کے سوا احادیث کے سارے صحاح، جوامع، مسانید، سنن، معاجم بلکہ اسلام کے سارے مذہبی، فقہی، تاریخی، حدیثی، سیرتی ذخیرۂ کتب وروایات کا متفق علیہ ومتواتر بیان ہو اس کی تکذیب اپنے چند غلط قیاسات سے کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے

سیرت عائشہؓ سے استناد مولانا نے میری تالیف سیرت عائشہؓ سے بھی استناد کیا ہے، جس میں نکاح کا سال شوال سنلہ نبوی لکھا ہے، حالانکہ مولانا نے اگر غور کیا ہوتا تو واضح ہو جاتا کہ نبوت کا دسواں سال اس فرض پر لکھا گیا ہے کہ نبوت کا پہلا سال پورا لیا جائے اور تیرہویں سال میں صرف دو مہینے محرم اور صفر ڈالے جائیں تو اس حساب سے شوال سنلہ نبوی کے دو مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ ہوئے، سلہ نبوی کا ایک سال سلہ نبوی کا ایک سال، سلہ نبوی کے دو ماہ کل دو سال چار مہینے، ہجرت سے پہلے اور ربیع الاول سلہ سے شوال سلہ تک آٹھ مہینے، کل ۲۶ مہینے ہوتے، جن کے تین سال پورے ہوئے۔

لیکن دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نبوت کے پہلے سال کو ناتمام رکھ کر تیرہویں سال کو پورا کر لیا جائے سیرت عائشہ میں نبوت کا دسواں سال نکاح کا زمانہ لکھنے میں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے ان دو لو

نظریوں میں تخلیط ہوگئی ہے: نبوت کے دسویں سال کے اخیر کی جگہ گیارہویں سال کا اخیر لکھنا چاہیئے۔ اور غلطی خود اسی کتاب کی تصریحات سے بالکل ظاہر و واضح ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ مولانا جیسے دقیقہ رس اور نکتہ سنج پر یہ غلطی واضح نہیں ہوئی، کیونکہ:

۱۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۸ پر ان لوگوں کے قول کی تردید کے بعد جنھوں نے نبوت کے چوتھے سال کی پیدائش اور دسویں سال کے نکاح کا حساب جوڑا ہے، میں نے یہ لکھا ہے کہ:

"اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا، یعنی شوال ۹ھ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء"

اب دیکھیے کہ جب شوال ۵ھ نبوی اور ۹ھ قبل ہجرت پیدائش کہہ رہا ہوں تو اس کے چھ برس بعد نکاح کی تاریخ شوال ۱۱ھ نبوی بالکل صاف ہے۔

۲۔ پھر صفحہ ۱۹ پر ہے کہ:

"اس لحاظ سے شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا"

شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء وہی شوال ۱۱ھ نبوی ہوا۔

۳۔ اس کے بعد اسی صفحہ پر لکھتا ہوں:

"حضرت عائشہؓ نکاح کے بعد تقریباً تین برس میکہ میں رہیں، دو برس تین مہینے مکہ اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں"

کس قدر صریح ہے کہ میں نکاح کے بعد قیام کرکے صرف دو برس تین مہینے فرض کر رہا ہوں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ میں نکاح کو ۱۱ھ نبوی کا واقعہ قرار دے رہا ہوں۔

۴۔ مزید تصریح کے لیے شمسی سال کا تطابق بھی لکھ دیا ہے کہ جولائی ۶۱۴ء میں ولادت (صفحہ ۱۸) اور مئی ۶۲۰ء میں نکاح ہوا (صفحہ ۱۹)۔ ۶۱۵ء سے ۶۱۹ء تک پورے پانچ برس ہوتے اور جولائی ۶۱۴ء کے چھ مہینے اور مئی ۶۲۰ء کے پانچ مہینے کل گیارہ مہینے، غرض شمسی حساب سے (میرے مولویانہ تخمینی حساب سے) نکاح کے وقت ان کی عمر پانچ برس ۱۱ مہینے کی تھی۔

۵۔ پھر میں نے اسی صفحہ ۱۹ پر سنہ ۲ قبل ہجرت نکاح کا سال لکھتے ہوئے کہا ہے کہ اسی کی تصحیح علامہ ابن عبد البر نے بھی کی ہے، اب دیکھ لیجئے کہ جس قول کو انھوں نے اختیار کیا ہے، وہ کیا ہے وہی ہے کہ ہجرت سے دو سال پیشتر (استیعاب جلد ۲ ص ۷۶۵)، اور یہ تخمیناً ہے، ورنہ تدقیقاً دو سال چار مہینے ہوتے۔

ان تمام تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ سیرت عائشہ کے مصنف کے نزدیک نکاح شوال سنہ ۱۰ نبوی اور رخصتی شوال سنہ ۱ھ کا واقعہ ہے، شوال سنہ ۱۰ نبوی میں حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال اور تین سال کے بعد شوال سنہ ۱ھ میں وہ نو برس کی تھیں، سنہ ۱۲ نبوی کا پورا سال سنہ ۱۳ نبوی کا پورا سال دو برس ہوتے، اور سنہ ۱۱ نبوی کے ذی قعدہ اور ذی الحجہ دو مہینے اور سنہ ۱۴ نبوی یعنی سنہ ۱ھ کے دس مہینے، ۱۲ مہینے ہوتے، پورے تین سال کا فرق ہوا۔

سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۲۱ پر میں نے لکھا ہے۔

"جس دن یہ مختصر قافلہ دشمن کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا، نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی"

ان تمام تصریحات کا صاف و صریح اقتضایہ ہے کہ سیرت کے صفحہ ۱۹ پر جو نبوت کا دسواں سال لکھا ہے وہ درحقیقت گیارہواں سال ہے، دسواں نہیں، اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی لفظی غلطی ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کے فضل و کمال کو دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ وہ اس پر متنبہ نہ ہوئے ہوں، ہجرت سے تین برس پہلے شوال میں نکاح ہونا جو لوگ کہتے ہیں وہ درحقیقت لفظی تسامح میں مبتلا ہیں، ہجرت سے تین سال پہلے سے ان کا مقصود شوال سنہ ۳ قبل ہجرت ہے، نہ یہ کہ گن کر پورے تین سال، کہ گننے میں تو وہ صرف دو برس چار مہینے ہوں گے، اور سنہ کہنے میں سنہ ۳ قبل ہجرت کہنا صحیح ہوگا کہ سنہ کہنے کے لئے پورے ۱۲ مہینے کا لینا ضروری نہیں اور سال کہنے میں پورے بارہ مہینوں کا تخیل آتا ہے، اسی بنا پر صحیح بخاری (باب تزویج عائشہ) میں عروہ بن زبیرؓ سے جو یہ روایت ہے کہ۔

توفیت خدیجۃ قبل مخرج النبی صلعم

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلعم کے مدینہ کی طرف

الی المدینة بثلاث سنین فلبث سنتین او قریبا من ذلک ونکح عائشة وھی بنت ست سنین ثم بنی بھا وھی بنت تسع سنین (جلد اول ص۵۵۱)

نکلنے سے تین سال پہلے انتقال کیا۔ پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے اور حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا جب وہ چھ برس کی تھیں اور رخصتی کرائی جب وہ نو برس کی تھیں۔

اس عبارت میں ہجرت مدینہ سے تین برس قبل جو کہا گیا ہے اگر اس سے پورے تدقیقی تین سال مراد لئے جائیں تو اس عبارت سے کہ "پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے" یہ مطلب ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تخمیناً دو برس یا اس کے قریب اور تدقیقاً ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا یعنی حضرت خدیجہؓ کی وفات ربیع الاول ۱۰؁ نبوی میں ماننا پڑے گی تاکہ ربیع الاول ۱۳؁ نبوی مطابق ربیع الاول ۱؁ھ میں پورے تین برس ان کی وفات کو ہو جائیں پھر حضرت عائشہؓ کا نکاح اس کے ڈیڑھ برس بعد شوال ۱۱؁ نبوی میں ماننا پڑے گا یعنی ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے جیسا کہ بعضوں نے مانا ہے، اور پھر رخصتی تین برس کے بعد شوال ۱۴؁ نبوی مطابق شوال ۱؁ھ میں، یہ ایک قول ہے جس کی طرف محققین کی ایک جماعت گئی ہے جس میں علامہ ابن عبدالبر علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ شامل ہیں، اس قول کے بموجب حضرت عائشہؓ کی ولادت شوال ۵؁ نبوی میں ماننی پڑے گی،

دوسرا مطلب اس روایت کا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہجرت سے تین برس پہلے تخمیناً ہوئی یعنی ۳؁ھ قبل ہجرت اس لحاظ سے وفات رمضان ۱۰؁ نبوی میں ہوگی۔ یعنی ہجرت سے تدقیقاً ڈھائی برس پیشتر، اور حضرت عائشہؓ کا نکاح اس کے ایک ہی مہینہ کے بعد شوال ۱۰؁ نبوی میں ہوا، اور رخصتی شوال ۱۴؁ نبوی یعنی شوال ۱؁ ہجری میں، اور اس بنا پر روایت کے اس فقرہ کا "پھر آپ دو برس یا ڈیڑھ برس ٹھہرے" کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح ہو جانے کے باوجود آپ کسی بیوی کے پاس ڈیڑھ دو برس تک نہیں گئے۔ پھر اس مدت کے بعد مکہ میں حضرت سودہؓ سے ملاقات کی اور اس کے ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہؓ کی

رخصتی ہوئی، اس حساب سے حضرت عائشہؓ کی ولادت ۵ نبوی کا آخر ہوگا، نکاح کا زمانہ شوال ۱۰ ہوگا اور رخصتی کا زمانہ ۱ھ ہوگا، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور روایات کی تطبیق و مراجعت سے اسی کو صحیح ثابت کیا ہے۔

الغرض تمام محققینِ اخبار و سیر و آثار نے روایات اور ان کے مطالب کے اختلاف کی بنا پر سنین کی تعیین میں جو کچھ اختلاف کیا ہو، مگر اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی یا زیادہ سے زیادہ سات برس کی اور رخصتی کے وقت وہ نو برس کی تھیں، یعنی ان کی عمر کے شمار کی مطابقت میں سنین ترتیب دیئے ہیں، سنین کی مطابقت سے عمر کی تعیین نہیں کی ہے، دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ ان کی عمر کا شمار اصل ہے اور نبوی و ہجری سنین کی تعیین فرع و نتیجہ ہے، یہ نہیں کہ ہجری و نبوی سنین اصل ہیں اور عمر کا شمار نتیجہ و فرع ہے، سنین میں اصلاح و ترمیم ہوسکتی ہے مگر عمر کے شمار میں نہیں ہوسکتی۔ ھذا ھو المطلوب۔

فریق کے دو مؤیدات

اصل دلائل کے بعد اب مؤیدات کی بحث باقی ہے، اگرچہ مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں بھی مجیب کے مؤیدات کے جواب دینے سے اسی طرح احتراز کروں جس طرح اس نے میرے مؤیدات کے جواب دینے سے احتراز کیا ہے، حالانکہ وہ پورا مضمون جو معارف جولائی ۱۹۲۸ء میں چھپا ہے، اس کے ملاحظہ سے گزر چکا ہے، مگر صرف اس لئے کہ تحقیق مستحق ہو، میں مجیب کے دونوں قیاسی مؤیدات کا بھی جواب دیتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ ہجرت کے واقعہ سے استدلال

قیاس کا سلسلہ یہ ہے کہ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم میں روایت ہے جو مولوی صاحب کے ترجمہ کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دینِ اسلام پر پایا، اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ صلعم صبح اور شام ہمارے ہاں

آتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکرؓ سرزمین حبش کی طرف نکلے۔ مولوی صاحب ممدوح نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلی ہجرت ۵ نبوی والی میں شرکت کرنی چاہی اور اس وقت حضرت عائشہؓ صاحب ہوش تھیں اور ہوش کے لئے پانچ چھ سال کا ہونا ضروری ہے۔ غالباً مولوی صاحب کے اس قیاس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حضرت عائشہؓ کی ولادت سنہ نبوی بتائیں۔ یا اس سے بھی ایک سال پہلے۔

لیکن اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حدیث میں الفاظ یہ ہیں لم اعقل ابوی قط الا وھما یدینان الدین۔ اس کا ترجمہ مولوی صاحب نے اپنے مطلب کے مطابق یہ کیا ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین پر پایا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے "میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا لیکن ان کو دین کی پیروی کرتے ہوئے" ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا" اور "میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو سمجھا یا پہچانا" دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ "ہوش سنبھالنے" کا لفظ کسی قدر زیادہ سن کے لئے یا سن تمیز کے لئے بولا جاتا ہے لیکن "جب سے میں نے اپنے ماں باپ کو سمجھا یا پہچانا" اتنے سن اور تمیز کو ظاہر نہیں کرتا۔ اس لئے اس لفظ سے ہمارے فریق کا حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کے پانچ چھ برس کے صاحب تمیز و ہوش ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

اس کے بعد اس حدیث کے متعلق مجھے دو حیثیت سے بحث کرنی ہے۔ ایک تو اپنے جانتے محدثانہ بحث کرنا ہے جسے خواص اور علم حدیث کے صاحب ذوق سمجھ سکتے ہیں۔ اور دوسری عام اور روا روی کی حیثیت سے۔

پہلا طریقہ اصل یہ ہے کہ یہ حدیث چار ٹکڑوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ "میں نے جب سے اپنے والدین کو جانا پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا" دوسرا ٹکڑا "روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کا ہے" تیسرا "حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ہے" اور چوتھا ٹکڑا "مدینہ منورہ کی ہجرت کا ہے" یہ حدیث ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔ ان کی عادت ہے کہ اخبار و سیر کی روایات میں وہ ایک

واقعہ کے مختلف واقعات متعلقہ کو تسلسل کے لئے جوڑ کر بیان کرتے ہیں، تمام بڑے بڑے واقعات میں انھوں نے یہی کیا ہے، مثلاً حدیث آغاز وحی، حدیث سفیان وقیصر ومصاحبین قیصر حدیث واقعۂ افک اور آخری واقعہ میں جیسا کہ بخاری میں ہے اور کتب سیر میں تو ہر جگہ انھوں نے اپنی اس روش کی تشریح کر دی ہے

یہ حدیث کتب صحاح میں سے صرف صحیح بخاری میں ہے،، امام بخاری نے اپنے دستور کے مطابق اس حدیث کو کہیں ایک ساتھ کہیں ٹکڑے کر کے مختلف ابواب میں درج کیا ہے مثلاً کتاب المساجد، کتاب الکفالہ، کتاب الادب، باب غزوۃ الرجیع، کتاب الہجرۃ۔

کتاب الکفالۃ بروایت عقیل عن ابن شہاب الزہری صرف پہلا ٹکڑا ہے یعنی:

لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین — میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا۔

نیز ابن سعد (ترجمۂ ابی بکر) میں بھی بروایت زہری اتنا ہی ٹکڑا ہے۔

پھر صحیح بخاری باب الادب میں والدین کی شناخت، حضورؐ کی روزانہ صبح وشام کی آمد اور پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے، الفاظ یہ ہیں۔

لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین	میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا ان کو دین کا پیرو
ولم یمر علینا یوم الا و یاتینا فیہ	پایا اور رسول اللہ صلعم کوئی دن ہم پر نہیں گزرا کہ صبح وشام
رسول اللہ صلعم بکرۃ وعشیا فبینما نحن	نہ ہمارے پاس آتے ہوں، تو ہم ایک دفعہ ٹھیک دوپہر کو
جلوس فی بیت ابی بکر فی	ابوبکرؓ کے گھر (یا کمرہ) میں تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ
نحر الظھیرۃ قال قائل ھذا رسول اللہ	یہ رسول اللہ صلعم ہیں، ایسے وقت آئے کہ جو وقت آپ کی
صلعم فی ساعۃ لم یکن یاتینا فیھا	تشریف آوری کا نہ تھا تو ابوبکرؓ نے کہا کہ اس وقت آپ کسی
قال ابوبکر ما جاء بہ فی ھذہ الساعۃ	خاص ضرورت سے تشریف لاتے ہوں گے آپ نے فرمایا
الا امر قال انی اذن لی الخروج۔	کہ مجھے ہجرت کی اجازت ہو گئی۔

باب غزوۃ الرجیع میں ابن شہاب زہری سے نہیں بلکہ ابو اسامہ عن عروہ سے جو روایت ہے

اس میں یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ قصہ کو صرف ہجرت مدینہ سے شروع کیا ہے، کتاب المساجد میں پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے مسلمان ہونے کا ذکر، پھر روزانہ صبح و شام کی تشریف آوری کا ذکر، پھر حضرت ابوبکرؓ کے مسجد بنا لینے کا ذکر ہے، کتاب الہجرۃ میں حدیث کے پورے ٹکڑے یکجا ہیں، مگر ترتیب اس طرح ہے، پہلے والدین کی شناخت کے وقت ان کے مسلمان ہونے، پھر آپ کی روزانہ صبح و شام کی تشریف آوری، پھر حضرت ابوبکرؓ کا حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ اور چند منزل کا سفر، ابن دغنہ کا پناہ دے کر ان کو واپس لانا، حضرت ابوبکرؓ کا مسجد بنا کر نماز پڑھنا، ابن دغنہ کی پناہ سے نکل آنا، حضرت ابوبکرؓ کا پھر ہجرت کے لئے اذن طلب کرنا، آپ کا منع کرنا اور ہجرت کی اجازت خدا کی طرف سے ملنے کا انتظار، پھر ہجرت کا سامان اور ہجرت۔

ہر وہ شخص جس کو امام بخاری کی بتویب اور احادیث کے ٹکڑوں کی ترتیب کے سلیقہ کا علم ہے، وہ جان سکتا ہے کہ خاص قرائن کے بغیر محض ترتیب اجزاء سے کسی مختلف الاجزا احادیث سے کسی نیتجہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، فریق کا سارا استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب والدین کی شناخت، حضور کی روزانہ صبح و شام کی آمد کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ہونا مسلم ہو، مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ روزانہ صبح اور شام کے وقت آنے کا تعلق آپ کی ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول آنے سے ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الادب کی روایت مذکورۂ بالا میں اور نیز کتب سیرت میں سے ابن اسحاق کی سیرت میں ہے، الفاظ یہ ہیں ۔

عن عائشۃ ام المومنین انہا قالت کان لا یخطی رسول اللہ صلعم ان یأتی بیت ابی بکر احد طرفی النہار اما بکرۃ واما عشیۃ حتی اذا کان الیوم الذی اذن فیہ لرسول اللہ صلعم فی الہجرۃ والخروج من مکۃ من بین ظہری قومہ اتانا رسول	ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ کوئی دن صبح یا شام کو ابوبکرؓ کے گھر آنے میں ناغہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جس دن آپ کو ہجرت اور مکہ سے نکلنے کی اجازت ہوئی تو آپ ہمارے پاس دوپہر کو اس وقت آئے جس وقت

اللہ صلعم بالھاجرۃ فی ساعۃ کان لایاتی فیھا(ابن ہشام)   آپ آیا نہیں کرتے تھے۔

ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا ہوگا، کہ اصل میں ان ٹکڑوں کی ترتیب یہ ہے کہ دین کی شناخت پھر صبح و شام کی آمد و رفت پھر ہجرت کے دن معمول کے خلاف دوپہر کو تشریف آوری اور ہجرت مدینہ، اسی ہجرت مدینہ کی ترتیب سے زہری نے یہ کیا کہ والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان ہونے، حضور کی صبح و شام آمد و رفت، پھر حضرت ابوبکرؓ کے حبشہ کی ہجرت کے ارادہ اور چند منزل کے سفر اور واپسی اور بنائے مسجد، پھر ہجرت مدینہ کی تفصیلات کا ذکر کیا، اس ترتیب سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت حضرت عائشہؓ ہوش و تمیز والی تھیں، اور اس وقت حضورؐ روزانہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا کرتے تھے، بالکل بے بنیاد ہے۔ اور اگر ہم اس نتیجہ کو مان بھی لیں تو بھی جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے کہ حضرت عائشہؓ کا اس وقت (حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ ہجرت حبشہ کے وقت) ہوش و تمیز والی ہونا حدیث سے نہیں ثابت ہوگا بلکہ ان کا اس عمر میں ہونا کہ وہ والدین کو اچھی طرح پہچان سکیں اور ان کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر یہ جان سکیں کہ یہ کچھ پڑھ رہے ہیں، اور اٹھ بیٹھ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت حبشہ کے ارادہ اور چند منزل کے سفر کے بیان کے موقع پر حضرت عائشہؓ کاموں میں اپنی کسی قسم کی شرکت نہیں ظاہر کرتیں، جیسا کہ ہجرت مدینہ کے موقع پر توشہ کے باندھنے میں اپنی بہن اسماء کے ساتھ شرکت ظاہر کر رہی ہیں۔

اصل میں حضرت عائشہؓ کے بیان کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کا بیان، پھر اپنے والدین کی شناخت سے اسلام کا بیان، پھر آپ کی روزانہ صبح و شام کی آمد کا بیان، پھر مدینہ کی ہجرت کا بیان، اس ترتیب پر میری دلیل بھی ہے روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کے سلسلہ کا تو روایت کی رو سے ہجرت مدینہ کے دن دوپہر کو آنے کے ساتھ تعلق ظاہر ہو چکا، اور عقلاً بھی ظاہر ہے کہ حضور کی صبح و شام کی آمد سے ہجرت مدینہ کے دن دوپہر کو خلاف معمول آنے سے ہے اور حبشہ کی ہجرت سے اس کو اصلاً تعلق نہیں ہے۔

ترغیب کے اس نکتہ کو ابن شہاب الدین زہری نے کہیں کہیں ظاہر بھی کر دیا ہے، چنانچہ کتاب الادب باب ہل یزور صاحبہ کل یوم ابو بکرۃ و عشیا میں جس میں صحیح ترتیب ہے یعنی پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے ان کے مسلمان ہونے کا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ صبح و شام آمد کا، پھر ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول آمد کا ذکر ہے اسکی روایت یوں شروع کی ہے

حدثنی عقیل، قال ابن شہاب فاخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ قالت لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الا یاتینا فیہ رسول اللہ صلعم طرفی النہار بکرۃ وعشیا فبینما نحن جلوس فی بیت ابی بکر فی نحو الظہیرۃ حتی قال قائل ھذا رسول اللہ فی ساعۃ لم یکن یاتینا فیہ فقال ابوبکر ما جاء بہ فی ھذہ الساعۃ الا امر قال انی اذن لی فی الخروج۔

مجھ سے عقیل نے کہا، ابن شہاب زہری نے کہا تو مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عائشہؓ نے کہا کہ میں نے اپنے والدین کو نہیں پہچانا، لیکن یہ کہ وہ دونوں دین اسلام کی پیروی کر رہے تھے اور کوئی دن ہم پر ایسا نہیں گزرا کہ اس میں رسول اللہ صلعم صبح اور شام دن کے دونوں کناروں میں نہ آتے ہوں تو ہم ابوبکرؓ کے گھر میں ٹھیک دوپہر کو بیٹھے تھے کہ ایک کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلعم آرہے ہیں اس گھڑی میں جس میں وہ نہیں آتے تھے تو ابوبکرؓ نے کہا کہ اس وقت آپ کو نہیں لائی ہوگی لیکن کوئی ضرورت آپ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی گئی۔

دیکھئے اس میں پہلے والدین کی شناخت سے ان کا اسلام، پھر روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت پھر ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول دوپہر کو آنا بیان کیا ہے مگر حبشہ کی ہجرت کے ارادے کا ذکر نہیں ہے، لیکن شروع روایت پر نظر کیجئے کہ وہاں ابن شہاب زہری اخبرنی عروۃ مجھ سے عروہ نے یہ بیان کیا نہیں ہے بلکہ فاخبرنی عروۃ "تو، یا، پس، یا اس کے بعد عروہ نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ ہجرت حبشہ کا ٹکڑا، والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان اور آنحضرت صلعم کی روزانہ آمد کے ذکر سے پہلے تھا، جو اس باب میں بے تعلق ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا، اور کتاب الہجرۃ میں بھی جہاں پہلے والدین کی شناخت، پھر روزانہ آمد و رفت

پھر ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے، روایت کے شروع میں ایسا ہی کیا ہے یعنی اخبرنی، مجھے خبر دی نہیں، بلکہ فاخبرنی ہی کہا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس سے اوپر کچھ بات تھی جس کی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ فافہم

تسلیم کر کے جواب لیکن چونکہ میرے اس بیان کو صرف اشارات اور بخاری کے اجزائے حدیث کی ترتیب اور بعض قرآن پر مبنی ہے جس کا تسلیم کرنا صرف حدیث کے ذوق پر مبنی ہے، اسلئے میں فریق کو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ میں ہی تسلیم کر لیتا ہوں کہ واقعات کی ترتیب وہی ہے جو کتاب الہجرۃ میں ہے، یعنی پہلے والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان ہونے کا ذکر، پھر روزانہ آمد و رفت کا ذکر، پھر حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت کا بیان ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کے ارادہ کا زمانہ ۵؁ نبوی ہے، اس حدیث میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس میں وقت اور زمانہ کی تعیین ہو، سب جانتے ہیں کہ ہجرتِ حبشہ کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا، ایک ۵؁ نبوی میں جس کو ہجرت اولیٰ کہتے ہیں دوسرے ۶؁ میں جس کو ہجرت ثانیہ کہتے ہیں، اور اسی وقت حضورؐ شعب ابی طالب میں چلے گئے ہیں، پھر ہم حضرت ابوبکرؓ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کے لئے ۵؁ نبوی ماننے پر مجبور کیوں ہیں، کیوں نہ ہم اس کے چند سال بعد مانیں، حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے زمانہ کی تعیین پر استدلال کر سکیں۔

فریق کہہ سکتا ہے کہ اس میں ایک لفظ ایسا ہے اور وہ فلما ابتلی المسلمون جب مسلمانوں پر مصیبتیں آئیں یا مسلمان ستائے گئے، تب حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ستائے جانے کا زمانہ صرف ۵؁ تھا، ستائے جانے کے زمانے اور مراتب مختلف رہے، غلام و بیکس اور بے مددگار لوگ شروع ہی سے جب سے اسلام کا اعلان کیا گیا، ستائے جانے لگے، ان سے بڑے لوگوں کے ستائے جانے کی باری اس وقت آئی جب کفارِ مکہ کو مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ کرنے کا حال معلوم ہوا اور اپنی کوششوں میں ان کو ناکامی ہوئی، اور یہ ۶؁ میں ہوا جب بیاسی مسلمانوں نے ہجرت کی اور حضورؐ بھی شعب ابی طالب میں چلے گئے اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ

مکہ میں باوجود اپنی جاہ ومرتبہ کے تنہا سے معلوم ہونے لگے ہوں گے۔

پھر آنحضرت صلعم اور اکابر صحابہؓ کی جسمانی تکلیف کا واقعہ ۱۰ھ نبوی کے بعد ہوا جب حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب کا انتقال ہوگیا، اور سختیاں سب سے زیادہ اس وقت ہونے لگیں جب کفار کو مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور صحابہؓ کے اُدھر ہجرت کرنے کا آغاز ہوا، جو ۱۱ھ نبوی سے شروع ہوگیا تھا، اس لیے جب مسلمانوں پر سختیاں ہوئیں سے ۵ھ کی تخصیص کیونکر ہوگئی، مسلمانوں کے ستائے جانے کی مدت تو پوری تیرہ برس ہے اور ان تمام برسوں میں سے ہر ایک برس ہے، چنانچہ قیام مکہ کے آخری سالوں میں حضرت ابوبکرؓ کے ستائے جانے کا ذکر اسی ہجرت مدینہ کے تعلق سے، انہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی زبانی اسی بخاری میں مذکور ہے۔

قالت استاذن النبی صلعم ابوبکر فی الخروج حین اشتد علیہ الاذی فقال لہ اقم۔	کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ نے حضرتؐ سے مکہ سے نکل جانے کی اجازت چاہی، جب ان کو سخت اذیت دی جانے لگی تو آپ نے فرمایا ٹھہرو، مجھے بھی ہجرت کی اجازت خدا کی طرف سے ملنے والی ہے (پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے)
(باب غزوۃ الرجیع)	

دیکھیے کہ حضرت ابوبکرؓ کو ۵ھ میں نہیں بلکہ ۱۳ھ میں سخت تکلیف دی جارہی ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ فلما ابتلی المسلمون "جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی" سے خواہ مخواہ ۵ھ نبوی مراد لینا ضروری نہیں، اور اس لیے اس لفظ سے حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ ہجرت حبشہ کی تاریخ ۵ھ نبوی معین کرنے پر دلیل نہیں حاصل کی جاسکتی۔

آگے بڑھ کر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے نہ ۵ھ نبوی والی ہجرت حبشہ اولیٰ میں شرکت کی نہ ۵ھ والی ہجرت حبشہ ثانیہ میں ہجرت کی، کہ ان دونوں موقعوں پر جمعیتوں کے ساتھ سفر ہوا، اور حضرت ابوبکرؓ تنہا نکلے، یہ دونوں قافلے جدہ سے گئے اور آئے اور حضرت ابوبکرؓ یمن کی طرف برک الغماد سے رُخ کر رہے ہیں۔ چنانچہ علمائے سیر اور محدثین میں سے جو لوگ حدیثِ ہجرت جس سے فریق کو مغالطہ ہو رہا ہے اس کے جوڑ اور بند کو سمجھتے ہیں، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ

کی اس ہجرت حبشہ کے ارادہ کا زمانہ ۵ھ نبوی نہیں، ۶ھ نبوی نہیں، بلکہ اس کے بعد متعین کیا ہے، چنانچہ ابن اسحاق نے اس کا ذکر ہجرت ثانیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب میں بھی جانے کے بعد، اور نقض صحیفہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب سے ۹ھ یا ۱۰ھ نبوی میں نکلنے کے فوراً ہی متصل پہلے ذکر کیا ہے اور یہ روایت کی۔

وقد کان ابو بکر الصدیق کما حدثنی محمد بن مسلم الزہری عن عروۃ عن عائشۃ حین ضاقت علیہ مکۃ واصابہ فیہا الاذی ورأی من تظاہر قریش علی رسول اللہ صلعم واصحابہ مارأی استاذن رسول اللہ صلعم فی الہجرۃ فاذن لہ فخرج .... الخ

اور ابو بکر صدیق نے جیسا کہ مجھ سے بیان کیا محمد بن مسلم (یعنی ابن شہاب زہری) نے عروہ اور عروہ نے حضرت عائشہؓ سے کہ جب ابو بکرؓ پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی اور ان کو تکلیف ہوئی اور دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تکلیف دینے پر سب مل کر ایک ہو گئے ہیں تو آپ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دی تو ابو بکرؓ نکلے۔

دیکھئے یہ وہی روایت ہے، وہی سند ہے، وہی تمام روات ہیں، جنہوں نے بخاری کی کتاب الہجرۃ کی وہ ملی جلی روایت بیان کی ہے، جس سے فریق کو مغالطہ ہوا، ابن اسحاق نے حضور کی روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کے ٹکڑا کو صحیح طور سے ہجرت مدینہ کے ساتھ رکھا، اور حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت اس کو نہیں رکھا کہ اس سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ خوشی ہے کہ ہمارے فریق نے نہایت رواداری کے ساتھ بالاعلان کہہ دیا ہے کہ بخاری اور غیر بخاری میں کوئی فرق نہیں اس لئے ابن اسحاق کے مقابلہ میں بخاری کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ مرعوب نہ ہوگا، حالانکہ بخاری کتاب الادب میں بھی وہی ترتیب ہے جو ابن اسحاق میں ہے، اور تکلیف وایذا کا زمانہ بھی ۵ھ نبوی نہیں رکھا بلکہ بعد،

محدثین میں حافظ ابن حجرؒ کا جو پایہ ہے خصوصاً صحیح بخاری کے رموز و اشارات کے سمجھنے میں جو ان کو کمال ہے اس کی بنا پر ان کو شہادت میں پیش کرنا ضروری ہے، آیئے دیکھیں کہ وہ فیما ابتلی

المسلمون "جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی" سے کون سا زمانہ مراد لیتے ہیں،

فلما ابتلی المسلمون ای باذی المشرکین لما حصروا بنی هاشم والمطلب فی شعب ابی طالب و اذن النبی صلعم لاصحابه فی الهجرة الی الحبشة کما تقدم بیانه خرج ابو بکر مهاجرا الی ارض الحبشة ای لیلحق بمن سبق الیها من المسلمین (ج ، صفحہ ۱۸)

جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی یعنی مشرکوں کا ستانا جب انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیقوں کو، ہجرت حبشہ کی اجازت دی، جیسا اوپر بیان گزرا تو ابو بکرؓ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے نکلے یعنی تاکہ جو مسلمان حبشہ پہلے جا چکے ہیں ان کے ساتھ مل جائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ حدیث کے اجزاء کو اچھی طرح سمجھتے ہیں انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کا وقت مسلمانوں کی عام ہجرتِ حبشہ کے بعد اور شعب ابی طالب کی محصوری کے بعد کا زمانہ بتایا، یعنی سنہ ۸ نبوی کے بعد، ممکن ہے سنہ ۹ نبوی ہو یا سنہ ۱۰ نبوی ہو، (نقض صحیفہ سے پہلے) اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر اگر سنہ ۴ نبوی کی ولادت کا حساب ہو جو ابن سعد وغیرہ نے لگایا ہے تو سنہ ۹ نبوی میں بھی ان کی عمر کا پانچواں سال ہوگا، اور میری تحقیق کی بنا پر کہ سنہ ۵ نبوی کی ولادت مانتا ہوں، ان کی عمر کا چوتھا سال ہوگا، اور باوجود اس کے کہ والدین کی شناختِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ صبح و شام کی آمد کا میرے نزدیک اس ہجرتِ حبشہ کے ارادہ سے قطعاً تعلق نہیں، تاہم میں کہتا ہوں کہ ایک مستغنی حافظہ اور ہوش و گوش والی لڑکی کے لئے چوتھا سال اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے والدین کو نماز پڑھتے دیکھے یا قرآن پڑھتے سنے تو ان کاموں کو یاد رکھے، اور زیادہ تمیز آنے پر یہ سمجھے کہ وہ یہ مسلمانوں کے کام کرتے تھے۔ ھذا ھو المراد۔

دوسرا عام طریقہ | دوسرا عام طریقہ جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا تھا، وہ یہ ہے کہ پوری حدیث ایک مسلسل واقعہ ہے، اور اسی ترتیب سے ہے، جیسی بخاری کتاب الہجرۃ میں ہے آج محدثین

اور ارباب سیر کی نظر احادیث کے ان اجزاء پر نہیں پڑی اور انھوں نے اس حدیث کو مسلسل و مرتب واقعہ مانا ہے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی اس ہجرت کے ارادہ کا زمانہ ۵ نبوی نہیں جیسا کہ فریق مجیب نے کہا ہے بلکہ ۱۲ نبوی قرار دیا ہے اور جو بھی اس پر سرسری نظر ڈالے گا وہ یہی سمجھے گا، اور اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں ناظرین کے سامنے اس متنازع فیہ حدیث کا لفظی ترجمہ کردوں، اور اہم امور کو روایت کے اصلی الفاظ میں ادا کروں، اور وہ یہ ہے۔

"ابن شہاب زہری نے کہا تو مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا، لیکن ان کو دین کی پیروی کرتے ہوئے، اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرا لیکن یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دن کے دونوں کناروں میں صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے، تو جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی تو ابوبکرؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب برک الغماد پہنچے تو ان کو ابن دغنہ ملا جو قارہ کا سردار تھا، اس نے پوچھا کہ ابوبکرؓ کدھر کا ارادہ ہے تو ابوبکرؓ نے کہا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا تو چاہتا ہوں کہ زمین میں چل پھر کر اپنے رب کو پوجوں، ابن دغنہ نے کہا کہ آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا، یا نہیں نکالا جا سکتا، آپ غریب کی مدد کرتے ہیں، رشتہ داروں کو حق ادا کرتے ہیں، قرض دیتے ہیں، مہمانی کرتے ہیں، لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں، آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا، یا نہیں نکالا جا سکتا، تو ابوبکرؓ لوٹے اور ابن دغنہ آپ کے ساتھ چلا، پھر قریش کے اشراف میں گھوما، پھر ان سے کہا کہ ابوبکر جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے، کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو غریب کی مدد کرتا ہے (صفات مذکورہ گنائے) تو قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو نہیں جھٹلایا اور انھوں نے کہا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجیں، اور اسی میں نماز پڑھیں اور جو چاہیں پڑھیں ہم کو اس سے آزار نہ پہنچائیں اور نہ اس نماز و قرأت کا اعلان کریں کیونکہ ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کا ڈر ہے کہ وہ نہ کہیں بہک جائیں (یعنی اسلام کے اثر میں نہ آجائیں) تو ابن دغنہ نے ابوبکرؓ سے کہا تو ابوبکرؓ اس پر ٹھہرے فلبث ابوبکر بذالك اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجتے رہے۔ اور اپنی نماز کو اعلان کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے، اور اپنے گھر کے سوا کہیں قرآن نہیں پڑھتے تھے، پھر ابوبکرؓ کی

رائے بدل گئی تو اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹنے لگے اور وہ تعجب کرتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے، اور ابو بکرؓ قرآن پڑھتے تو روتے تھے، اور ان کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا، اس امر نے قریش کے سرداروں کو گھبرا دیا، تو انھوں نے ابن دغنہ کو کہلا بھیجا، وہ آیا، تو انھوں نے کہا کہ ہم نے ابو بکرؓ کو تمہاری پناہ دینے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کیا کریں، اب انھوں نے اس سے تجاوز کیا، اب انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی ہے، نماز اور قرآن زور سے اس میں پڑھتے ہیں، اور ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہے، تو ان کو روک دو، اگر اس بات پر رک جائیں کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں تو وہ کریں، اور اگر انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہاری ذمہ داری واپس کر دیں، کیونکہ ہم کو تمہاری ذمہ داری کو توڑنا پسند نہیں، اور ہم کبھی ابو بکرؓ کو اعلان کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھنے نہیں دے سکتے، عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابن دغنہ ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ کس شرط پر میں نے تم سے معاہدہ کیا تھا تو یا تو باز آجاؤ یا میری ذمہ داری واپس کر دو، کیونکہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ سنیں کہ میں نے کسی سے معاہدہ کیا اور وہ توڑا گیا، تو ابو بکرؓ نے کہا میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں، اور خدا کی پناہ مجھ کو کافی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مکہ ہی میں تھے، تو آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کا مقام چھوہاروں والی دو پہاڑیوں کے بیچ کی زمین دکھائی گئی ہے تو جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور عموماً صحابہؓ جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی مدینہ کی طرف واپس آئے، اور ابو بکرؓ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ٹھہرو کہ مجھے بھی امید ہے کہ اجازت دی جائے تو ابو بکرؓ نے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے لئے روک رکھا اور دو اونٹنیوں کو خبط کے پتے چار مہینے تک کھلائے، ابن شہاب نے کہا کہ عروہ نے کہا کہ ان سے عائشہؓ نے کہا، تو ہم ایک دن ابو بکرؓ کے گھر میں ٹھیک دوپہر کو بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہؐ آرہے ہیں، منہ پر چادر ڈالے

اس گھڑی میں جس میں آپ نہیں آیا کرتے تھے، تو ابو بکرؓ نے کہا میرے ماں باپ قربان، خدا کی قسم آپ کو اس گھڑی نہیں لایا لیکن کوئی اہم کام، آپؐ نے فرمایا جو تمہارے پاس اس وقت ہو اس کو علیحدہ کر دو، عرض کی میرا باپ قربان، آپ کی بیوی ہے تو آپؐ نے ہجرت کی اجازت کا حال سُنایا، حضرت عائشہؓ اور اسماءؓ نے مل کر سامان درست کیا۔"

میں نے عام ناظرین کے سامنے روایت کے پورے الفاظ رکھ دیئے، جو اہل نظر ہیں انھوں نے اس حدیث کے مختلف ٹکڑوں کو پہچان لیا ہو گا کہ اپنے والدین کی شناخت سے ان کو اسلامی کام کرتے ہوتے دیکھنا، ایک ٹکڑا ہے، روزانہ صبح و شام آمد کا تعلق ہجرت کے دن دوپہر کے آنے سے ہے، بیچ میں ہجرت کے تعلق سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کا ذکر ہے پھر ہجرتِ مدینہ کا بیان شروع ہوتا ہے مگر بہر حال مجھ کو تو یہاں ایک سرسری حیثیت سے اس حدیث پر گفتگو کرنا ہے۔

ایک حد تو متفقاً متعین ہے کہ مدینہ کی ہجرت کا واقعہ ۱۳ نبوی یعنی قیام مکہ کے آخری سال کا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام ٹکڑے وقوع اور پیش آنے میں مسلسل اور ملے ہوتے بلافصل ہیں یا ان میں جوڑ، فصل اور عدم تسلسل ہے اگر جوڑ اور فصل ہے تو لازم آتا ہے کہ یہ مانیں کہ حضرت عائشہؓ کی شناختِ والدین کا واقعہ الگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ آمد و رفت کا واقعہ الگ ہے، ہجرتِ حبشہ کے ارادے کا واقعہ الگ، اور سب سے آخر ہجرتِ مدینہ کا واقعہ الگ ہے، تو اس صورت میں فریق کا یہ قیاس و استنباط کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کے وقت ہوش و تمیز کی حالت میں تھیں، بالکل بے بنیاد ہے، اور اگر یہ مانا جاتا ہے کہ یہ واقعات اپنے وقوع میں مسلسل اور بلا فصل پیش آتے ہیں تو ظاہر اصاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات ہجرتِ مدینہ کے واقعہ کے قرب میں پیش آتے ہیں، واقعات کا تسلسل جو روایت میں مذکور ہے وہ ادھر ہی لئے جاتا ہے۔

فریق یہ کہتا ہے کہ پہلا اور دوسرا ٹکڑا یعنی والدین کی شناخت اور ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کو

توشروع میں اٹھا کرلے جاتا ہے، یعنی ۵ نبوی میں، اور آخری یعنی مدینہ کی ہجرت کے وقعہ کے زمانہ کو چونکہ بڑھا گھٹا نہیں سکتا، اس لئے اس کو ۱۴ نبوی میں قائم رکھتا ہے اور دونوں کے بیچ میں آٹھ نو برس کا فصل قرار دیتا ہے، جو کسی طرح روایت الفاظ سے ثابت نہیں ہو سکتا اور اتنے بڑے فصل کی گنجائش اس کو مسلسل و مربوط واقعہ مان کر نہیں نکالی جا سکتی عبارت کا حرف حرف ناظرین کے سامنے ہے پڑھ لیں فلبث "پس ٹھہرے ابوبکر" سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آٹھ نو برس کے توقف کا زمانہ مراد ہے کہ اتنے عرصہ تک انھوں نے چپ چاپ گھر میں نماز پڑھی، پھر اعلان کیا، یا یہ کہ اعلان تو جلدی کیا ہو مگر قریش آٹھ نو برس تک صبر کرتے رہے، دو میں کوئی بات صاف نہیں ثابت ہو سکتی، پھر اس میں نماز اور تلاوت کا ذکر ہے، ۵ نبوی میں جب کہ تین برس کی فترت کے بعد قرآن کے نزول کو دوسرا ہی سال تھا اتنا قرآن نہیں ہو سکتا جو تلاوت و قرأت میں آئے، ورنہ اس وقت باقاعدہ نماز شروع ہوئی تھی، باقاعدہ پنجوقتہ نماز معراج میں فرض ہوئی تھی، ان قرینوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵ نبوی کا واقعہ نہیں ہو سکتا، بلکہ آخری سالوں کا ہے، چنانچہ محدثین اور علمائے سیر میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری ربط و تسلسل کا خیال کیا ہے، انھوں نے ۱۳ نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے، سیرت حلبی علامہ برہان الدین حلبی لکھتے ہیں،

وفی السنة الثالثة عشر من النبوة کانت بیعة العقبة الثانیة وفی هذه السنة راد ابوبکر ان یهاجر لحبشة فلما بلغ برک الغماد (جلد ۲ صفحہ ۴۰۲ مصر)

اور ۱۳ نبوی میں عقبہ ثانیہ کی بیعت ہوئی اور اسی سال ابوبکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو جب برک الغماد پہنچے۔

تاریخ خمیس فی احوال النفس نفیس میں علامہ حسین بن احمد دیار بکری ۱۳ نبوی کے ذیل میں لکھتے ہیں

وفی هذة السنة هاجر ابوبکر الی لحبشة روی لما

اور اسی سال ابوبکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو

ابتلی المسلمون (جلد اوّل صـ۳۱۹) تکلیف دی گئی (روایت بلفظ گزر چکی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس وقت یعنی ۳ھ نبوی میں حضرت عائشہؓ کی عمر آٹھ برس کی ہوگی اور اس وقت جب حضرت ابوبکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہؓ پوری عقل وتمیز کے سن میں تھیں،

ہم نے پوری تحقیقات منظرِ عام پر لاکر رکھ دی ہے اور ہر ممکن پہلو سے اور ہر نقطۂ نظر سے بحث کر دی ہے جس سے بحمداللہ کہ ہر طرح سے مجیب کے شبہ کا رد ہوگیا، اور حضرت عائشہؓ کی عمر جمہور علماء و مورخین و محدثین اسلام کے مطابق ماننے اور تسلیم کرنے میں فریق کو کم از کم اس حدیث کا خدشہ باقی نہ رہے گا، اب دوسرا شبہ لیجئے۔

سورۂ نجم اور سورۂ قمر کے نزول سے استدلال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:۔

لقد انزل علی محمد صلعم وانی لجاریة العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهی وامر (صحیح بخاری تفسیر سورۂ قمر)

بلا شک مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اترا جب میں بچی تھی اور کھیلتی تھی، بل الساعة موعدهم والساعة اذهی وامر۔

فریق اس حدیث کو پیش کرکے استدلال کرتا ہے کہ یہ آیت سورۃ قمر کی ہے اور، سورۃ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سخت ہوگئی تھی کہ انھوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ ۷ھ نبوی کا واقعہ ہے (یعنی محصور کرنا)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور دوسرے سورۃ نجم اور سورۃ قمر کا باہم بہت تعلق ہے، جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے اس

لئے ان کا (قمر اور نجم کا) نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہیئے۔ اور سورۂ نجم کا ۵ھ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے، پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی نازل ہوئی۔ پس ۵ھ نبوی یا ۶ھ نبوی کا ان آیات کا نزول ہے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی، اور کھیلا کرتی تھی، پھر ان آیات کو سن کر سمجھ کر یاد بھی کرتی تھی۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۰ھ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں۔

ہمارے مخدوم نے اوپر کے مقدمات میں یقینیات کا جو سلسلہ جوڑا ہے، ان میں سے ہر ایک بے بنیاد ہے۔ اوپر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں، جن کی الگ الگ منطقی ترتیب یہ ہے۔

اول یہ آیت سورۂ قمر میں ہے، سورۂ قمر سورۂ نجم کے مناسب ہے، سورۂ نجم قطعاً ۵ھ نبوی میں اتری، اس لئے سورۂ قمر بھی ۵ھ نبوی میں اتری، اور اس میں یہ آیت ہے جس کا حضرت عائشہؓ یاد رکھنا فرماتی ہیں، اس لئے ۵ھ نبوی میں وہ اتنی بڑی تھیں کہ اس کو یاد رکھ سکیں، اس لئے اگر پانچ چھ برس بھی اس وقت عمر مانی جائے تو ۱۰ھ نبوی میں بوقت نکاح وہ دس گیارہ برس کی ہوں گی۔

اس مرتب دلیل میں کتنے بے بنیاد مقدمات ہیں، حضرت عائشہؓ تو صرف ایک آیت کا نزول اور اس کا یاد رکھنا فرماتی ہیں اور فریق پورے سورۂ قمر کا احاطہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک میں کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں، کبھی پوری سورہ اتری، کبھی ایک ایک سورہ چند سالوں میں متفرق طور پر نازل ہو کر پوری ہوئی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو، اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آیت مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورۂ قمر ایک ساتھ اتری اس وقت تک دلیل تام نہیں ہو سکتی، اگر پوری سورہ ایک ساتھ اترتی تو حضرت عائشہؓ سورۂ قمر کا حوالہ دینے کے بجائے، اخیر کی ایک تنہا آیت کا حوالہ کیوں دیتیں۔

سب کو معلوم ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں اتری اور سورۂ مائدہ کی بہت سی آیتیں اس سے برسوں پہلے ۵ھ میں اتریں جیسے تیمم کا حکم وغیرہ۔ جانوروں کی حلت و حرمت کے احکام جو اس میں ہیں وہ غالباً اس کے دو برس بعد خیبر کے زمانہ کی ہیں

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں معراج میں مکہ میں عنایت ہوئیں، مگر باقی سورۂ بقرہ مدینہ میں پوری ہوئی اسی طرح یہ سب جانتے ہیں کہ اقراء باسم ربک کی چند ابتدائی آیتیں، اولیں وحی ہیں، مگر آخر سورہ میں نماز سے روکنے کا واقعہ بہت بعد کا ہے، وہ آیت جس کو سورۂ نجم کے قصہ کے تعلق سے ان باطل روایتوں میں نقل کیا گیا۔ اذا تمنّٰی القی الشیطان فی امینتہ سورۂ حج میں ہے، اس لئے اس کا نزول ۵ نبوی میں ہوگا، لیکن قتال کی اجازت کی پہلی آیت اذن للذین بھی اسی میں ہے جو ہجرت کے بعد بدر سے پہلے نازل ہوئی، پھر اس میں حج ابراہیمی کا ذکر ہے، وہ اس کے بھی بعد کا واقعہ ہوگا، اور اکثر آیتیں اس کی مدنی ہیں، خود قمر اور نجم کی بعض آیتیں مدنی کہی جاتی ہیں، دیکھئے روح المعانی۔ اسی طرح اور بھی بہت سی آیتوں کا حال تصریحی اور یقینی طور سے معلوم ہے، اس لئے ایک آیت سے پوری سورت کا قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ دو متناسب سورتیں ایک ہی ساتھ یا ایک ہی زمانہ میں نازل ہوں، سورۂ نساء اور سورۂ طلاق بہت متناسب ہیں، مگر ان کے نزول میں برسوں کا فرق ہے اور سورتوں کا بھی یہی حال ہے، سورۂ انفال اور برأت میں اتنا اتصال اور مناسبت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیچ میں فصل کی بسم اللہ بھی نہیں لکھی، مگر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انفال کا زیادہ تر تعلق غزوۂ بدر سے ہے جو ۲ھ کا واقعہ ہے اور سورہ برأت کا فتح مکہ کے بعد سے جو ۹ھ کا واقعہ ہے۔

سورۂ نجم کے نزول کی قطعی تاریخ ۵ نبوی بتانا بھی صحیح نہیں، آپ یہ زمانہ اس لئے قطعی سمجھتے ہیں کہ یہی وہ سورہ ہے جس کو رمضان ۵ نبوی میں تلاوت کرتے وقت آپ نے یا شیطان نے نعوذ باللہ بتوں کی تعریف تلك الغرانیق ملادی تھی اور سب نے مع مسلمانوں، ورمشرکوں کے سجدہ کرلیا تھا، اور یہ سن کر مہاجرین حبش نے جنھوں نے رجب ۵ نبوی میں ہجرت کی تھی شوال ۵ نبوی میں حبشہ سے واپس چلے آئے، اس لئے یہ سورہ ۵ نبوی میں اتری، لیکن تمام ناقدین حدیث جانتے ہیں کہ یہ واقعہ تمام تر لغو ہے، سورۂ نجم کی تلاوت اور تمام کفار کے سجدہ کرنے کا ذکر بلا وقت کی

تعیین کے اور بغیر اس کے کہ اس میں تلک الغرانیق والا ٹکڑا ہو اور بغیر اس کے کہ یہ واقعہ مہاجرین حبش کی واپسی کا غلط سبب بنے احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، مگر اس سے آپ کے استدلال کو کوئی تعلق نہیں، تعلق اسی وقت ہوگا کہ جب اس لغو حصہ کی شمولیت ہو، اور یہ صحیح نہیں، بلکہ اگر چند آیتوں سے پوری پوری سورہ پر حکم لگایا جاسکتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ سورۂ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا اور حضورؐ کا پوری سورہ کی اس وقت قرأت کرنا ممکن ہے، کیونکہ اس سورہ کی ابتدا میں معراج کے روحانی مناظر و مشاہد کا ذکر ہے اور معراج کی تاریخیں ۱۱ نبوی یا ۱۲ نبوی ہیں، اس لئے کیونکر ممکن ہے کہ ۵ نبوی میں یہ سورہ پوری اتری ہو، اور تلاوت کی گئی ہو۔

دوم :- اب دوسری دلیل ملاحظہ طلب ہے، اور وہ یہ ہے کہ :-

"یہ آیت سورۂ قمر کی ہے اور سورۂ قمر میں شق القمر کے معجزہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے، کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سخت ہوگئی کہ انھوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا، اور یہ واقعہ (یعنی شعب ابی طالب میں محصور ہونا) ۷ نبوی کا واقعہ ہے۔"

اول تو اس قیاس و استنباط پر بھی وہی اعتراض ہے کہ ایک آیت سے پوری سورہ کا قیاس کرنا اور پورے سورہ کے نزول کو متعین کرنا مشتبہ اور مشکوک اور غیر یقینی ہے، پھر معجزۂ شق القمر کے وقوع کے زمانہ کو اس سے ابتدائی بتانا کہ ۷ نبوی سے تو آپ شعب ابی طالب میں چلے گئے (محصور صحیح نہیں کہ آنا جانا، نکلنا، بند نہیں تھا، تعلقات اور خرید و فروخت کی بندش تھی) کیا آپ شعب ابی طالب میں یا اس سے نکلنے کے بعد ۱۰ نبوی سے لے کر ۱۳ نبوی تک اس معجزہ کو نہیں دکھا سکتے تھے، یہ کیا لزوم ہے کہ اگر آپ یہ معجزہ دکھا سکتے تو ۵ نبوی یا ۶ نبوی ہی تک دکھا سکتے تھے کوئی اور دلیل اس کی ہو تو ہو، مگر یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے،

علاوہ ازیں ایک دو نہیں، بکثرت محدثین اور علمائے سیر نے شق القمر کے معجزہ کی تاریخ ۵ قبل ہجرت متعین کی ہے یعنی ۸ نبوی (دیکھو فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۶۴، قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۲۹۰

سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۴۰۵، زرقانی بر مواہب جلد ۵ صفحہ ۲۲۴، تاریخ خمیس دیار بکری جلد اول صفحہ ۲۹۸؛
شاید غالباً ہمارے مجیب کو سنہ نبوی اور سنہ قبل ہجرت کے الفاظ میں تسامح اور تشابہ ہو گیا، حالانکہ
ان دونوں میں چھ برس کے قریب کا فرق ہے، ان تصریحات کی بنا پر سورۂ قمر کا نزول کم از کم سنہ ۵
نبوی کا واقعہ ہونا چاہیئے، جب حضرت عائشہؓ کی عمر کا پانچواں سال ختم یا چھٹا سال شروع ہو گا اس
لئے اس عمر میں کھیل کے وقت ایک اور صرف ایک آیت کا کان میں پڑ کر یاد رہ جانا کوئی بڑی بات نہیں
ہے، اور خصوصاً ایک تیز اور ذہین اور قوی الحافظہ لڑکی کے لئے، اس لئے اس دلیل سے بھی اس سورۃ
کے بلکہ صحیح یوں کہنا چاہیئے کہ اس ایک آیت کے نزول کا وقت سنہ نبوی یا سنہ نبوی ٹھہرانا بے ثبوت ہے

عرب میں نکاح صغیر کا رواج

مولوی صاحب کا آخری استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعمؓ سے منسوب تھیں، اور

عرب میں چار پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا، اور اس وقت حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں
کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے، یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقت نکاح
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔

غرض یہ ہے کہ عرب میں نہ صرف کمسن بچیوں کے پیام و نسبت کا رواج تھا بلکہ شیر خوار
بچیوں کے نکاح کا بھی، بلکہ حمل کے اندر جو اولاد ہو اس کے نکاح کا وعدہ بھی، ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد
کتاب النکاح باب فی تزویج من لم یولد، کہ جاہلیت میں غیر مولود بچہ کا بھی پیام ہو جاتا تھا، عرب میں
کم سن لڑکیوں کے نکاح کے عدم رواج سے مطلب اگر زمانہ جاہلیت ہے تو یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے
کہ زمانہ جاہلیت کے واقعات محفوظ نہیں، جو اس عہد کے عرب کے متعلق آپ نفیاً یا اثباتاً کچھ کہہ سکیں
پھر معلوم نہیں کہ عدم رواج کا دعویٰ اس عہد کے متعلق کس دلیل پر مبنی ہے اور اگر اسلام کے زمانہ

کا عرب مراد ہے تو حضرت عائشہؓ کے علاوہ کمسن لڑکیوں کے نکاح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کی تفصیل مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے ایک مضمون میں لکھ کر "پیغام صلح" کے پاس بھیجی ہے۔ مگر جس کو وہ اب تک کسی وجہ سے شائع نہ کر سکا، اس کی دو مثالیں آپ کے سامنے پیش ہیں :-

۱۔ حضرت قدامہ بن مظعونؓ صحابی نے حضرت زبیرؓ کی نومولود لڑکی سے اسی دن نکاح پڑھایا جس دن وہ پیدا ہوئی (مرقاۃ ملا علی قاری حنفی جلد ۳ صفحہ ۲۱۷)

۲۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کمسن لڑکے سلمہؓ کا نکاح حضرت حمزہؓ شہید احد کی نابالغ لڑکی سے کر دیا (احکام القرآن رازی حنفی جلد ۲ صفحہ ۵۵)

۳۔ خود مولوی صاحب نے اس حد تک تسلیم کیا کہ حضرت عائشہؓ گیارہ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔

۴۔ انھیں دو پر موقوف نہیں بلکہ :-

وتزوج غیر واحد من الصحابة ابنته الصغیرة (ترکمانی علی البیہقی ج ۲ صفحہ ۹۰۰) — اور ایک سے زائد صحابہؓ نے اپنی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کیا۔

بالاتفاق و بلا اختلاف تمام صحابہؓ، تمام تابعینؒ اور تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے، ایسے اجماعی مسئلہ کا انکار میں نہیں جانتا کہ اس کو کیا کہوں؟

خلاصۂ بحث

میرا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ معتبر ترین، مستند ترین اور ایک دو کے سوا تمام متفقہ روایتوں کے مطابق چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں، اور متفقاً بلا اختلاف نو برس کے سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آئیں اور تمام واقعات و سنین کی تطبیق کی بناء پر وہ ۴ نبوی کے آخر میں پیدا ہوئیں، شوال ۱۰ نبوی میں بیاہی گئیں اور شوال ۱ ھ

میں رخصت ہو کر آئیں۔

مولانا محمد علی صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں جو جولائی ۱۹۲۸ء میں پیغامِ صلح میں شائع ہوا تھا، لکھا تھا کہ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (حضرت عائشہؓ) اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں..... اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی سولہ سال تھی۔

میں نے جولائی ۱۹۲۸ء کے معارف میں مولانا محمد علی کو ٹوکا اور متعدد سوالات کئے اور دریافت کیا، کیا ان معتبر احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہو کہ:-

۱۔ وہ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں۔

۲۔ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہؓ کی شادی ہوئی تھی،

۳۔ اور ہجرت سے ایک سال پہلے وہ سولہ برس کی تھیں (اور رخصتی کے وقت ۱۸ برس کی) چار مہینوں کے بعد "احباب کے بڑے اصرار پر" ۲۷ نومبر کے پیغامِ صلح میں مولانا محمد علی صاحب نے جو جوابی مضمون لکھا اس میں اپنے پہلے دعووں سے ہٹ کر اوّلاً یہ تصریحات کیں کہ:

۱۔ ایسی کوئی حدیث ان کو نہیں ملی جس سے یہ کہ حضرت عائشہؓ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں، ثابت ہو،

۲۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ ہجرت سے ایک برس پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہونا غلطی سے لکھا گیا،

۳۔ نکاح کے وقت ان کا سولہ برس کا ہونا صحیح نہیں۔

مگر ان سچی اور صریح تصریحات کے ساتھ اب یہ نئے دعوے کئے ہیں،

۱۔ حضرت عائشہؓ سے اپنی عمر کے بیان میں غلطی ہوئی ہے،

۲۔ نکاح کے وقت (سنہ ۱۰ نبوی) میں وہ گیارہ سال سے کم نہ تھیں۔

۳۔ اور سنہ ۲ھ میں رخصتی کے وقت سولہ سال سے کم کی نہ تھیں۔

انصاف کیجئے کہ ایک حضرت عائشہؓ سے غلطی ہوئی کہ تمام محدثین و مؤرخین اور رواۃ سے

یکساں غلطی ہوتی، پھر کسی ایسے شخص سے جیسی کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں جن کا حافظہ اپنی قوت میں ممتاز و مستثنیٰ تھا، خود اپنی عمر کے متعلق ایسی غلطی ہونا کہ وہ اپنی گیارہ برس کی عمر کو چھ برس کی اور سولہ برس کی عمر کو نو برس کی اور اپنی پچیس برس کی بیوگی کو اٹھارہ برس کی عمر کی بیوگی کہہ دے، اعجوبہ روزگار ہے۔

حضرت عائشہؓ جس وقت رخصت ہو کر میکے لائی جاتی ہیں تو وہ جھولے پر سے اور کھیل سے اٹھا کر لائی جاتی ہیں، ان کی ماں ان کا منہ دھو دیتی ہیں، بال برابر کر دیتی ہیں، چھوٹی سہیلیاں ساتھ ہوتی ہیں، یہاں آکر بھی گڑیوں کے کھیلنے کا شوق باقی رہتا ہے، اور یہ تمام واقعات احادیث میں بالتفصیل مذکور ہیں، سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک نو برس کی کم سن لڑکی کا حلیہ ہے یا سولہ برس کی پوری جوان عورت کا (دیکھو مسند طیالسی صہ ۲۰۱ اور دارمی صہ ۲۹۲)

افک کا واقعہ ۵ھ کا ہے، اس وقت جمہور محدثین و مورخین کے نزدیک وہ بارہ یا تیرہ برس کی تھیں، اور مولانا محمد علی کے حساب سے ۱۹ برس کی ہوں گی، واقعہ افک کے بیان میں (بخاری) ان کی لونڈی بریرہ اور وہ خود اپنی نسبت دو جگہ جارية حديثة السن "کمسن چھوکری" کہتی ہیں، عربی جاننے والوں سے سوال ہے کہ جارية حديثة السن کا مصداق بارہ تیرہ برس کی لڑکی ہو گی یا انیس برس کی عورت، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ وانا جارية حديثة السن لا اقرء كثيرا من القرآن (بخاری) میں کم سن چھوکری تھی زیادہ قرآن نہیں پڑھی تھی، یہ عذر بارہ تیرہ برس کی لڑکی کی زبان سے درست ہو گا یا ۱۹ برس کی عورت کی زبان سے۔

آخر میں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ان کی رخصتی کا پورا منظر سنا کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، فرماتی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری (صہ ۵۵۱) و صحیح مسلم کتاب النکاح و سنن دارمی (صہ ۲۹۳) میں ہے۔

"مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کیا تو میں چھ برس کی تھی، پھر ہم مدینہ آئے تو بنی حارث کے محلہ میں اترے، پھر میں بیمار پڑ گئی، تو میرے سر کے بال گر گئے، ایک چوٹی سی رہ گئی

تو میری ماں ام رومان آئیں اور میں جھولے پر تھی، اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں، تو میری ماں نے مجھے چلّا کر بلایا تو میں آئی، اور مجھے خبر نہیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں، تو میرا ہاتھ پکڑا اور دروازہ پر کھڑا کیا، اور میری سانس پھول رہی تھی (شاید کھیل کے دوڑ دھوپ سے) یہاں تک کہ کچھ سانس درست ہوئی، پھر تھوڑا پانی لے کر میرا منہ اور سر دھویا، پھر کمرہ کے اندر لے گئیں، تو وہاں دیکھا کہ ایک کمرہ میں انصار کی چند عورتیں ہیں، انھوں نے مبارک باد دی، میری ماں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا، انھوں نے کچھ میری حالت درست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے حیرت ہوئی، تو انھوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا، اور میں اس وقت نو برس کی تھی۔"

کیا یہ حلیہ، یہ منظر، یہ حالت ایک سولہ برس کی لڑکی کا ہے یا نو برس کی! پھر جو عورت اپنی رخصتی کے اتنے جزئیات یاد رکھے وہ اپنی عمر ہی بھول جائے گی اور بلاتذبذب اور بلا شک و شبہ ہر وقت اور ہر شخص سے اپنی رخصتی کے وقت نو برس کی عمر بتانے میں غلطی کریگی، ان ھذا العجاب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے نو برس کے سن میں رخصتی ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ نو برس کے سن کو ایک عرب لڑکی کے بلوغ کا زمانہ متعین کر دیتی ہیں، فرماتی ہیں اذا بلغت الجاریۃ تسع سنین فھی امرأۃ "جب لڑکی نو برس کو پہنچ گئی تو وہ عورت ہے۔"

(دیکھو ترمذی کتاب النکاح)

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی یہ کہا جاتے گا کہ وہ نکاح کے وقت بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] یا سولہ[۱۶]، سترہ[۱۷] برس کی تھیں، وما علینا الا البلاغ۔

(مجلہ "معارف" اعظم گڑھ سنہ ۱۹۲۹ء جنوری)